يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○

ترجمہ: اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ بلاشبہ اپنی مراد کو پہنچ جا

(سورہ الاحزاب، آیت 71

الفوز العظیم

(جلد دوم)

مقالاتِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

Marfat.com

Marfat.com

يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: اللہ تمہارے اعمال کو درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ بلاشبہ اپنی مراد کو پہنچ جائے گا
(سورہ الاحزاب، آیت 71)

برائے لائبریری

الفوز العظیم

(جلد دوئم)

مقالاتِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

RB رب پبلشرز، کراچی

Marfat.com

(جملہ حقوق بحقِ مصنفہ محفوظ)

کتاب: الفوز العظیم (جلد دوئم)

مصنفہ: پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

سرورق: رب پبلشرز

کمپوزنگ، لے آؤٹ: رب پبلشرز، کراچی

طبعِ اوّل: اکتوبر 2007ء

تعداد: 1000

طابع، پبلشرز: رشید بٹ، حمیرا اطہر، رب پبلشرز،
10۔مہر ٹیرس، اسٹریٹ۔6،
برنس روڈ، کراچی۔74200، فون: 2218154

قیمت: 300/- روپے

Marfat.com

پیش لفظ

اکتوبر 2007ء میں الفوز العظیم (جلد دوئم) کا پیش لفظ لکھتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کہ ہم دونوں جہان کی حقیقی کامیابی یعنی ''الفوز العظیم'' سے حقیقتاً کس قدر دور ہوتے جا رہے ہیں۔

گزشتہ چند سالوں میں عالمی حالات اور بالخصوص اُمتِ مُسلمہ کے لئے منظر نامہ یا تناظر کس قدر تیز رفتاری سے تبدیل ہوا ہے۔ منظر نامے کی ان تبدیلیوں کے کیا تقاضے ہیں؟ قیامت کی چالیں چلنے والا یہ زمانہ بھی کیا ہمیں خوابِ غفلت سے نہیں جگائے گا؟

1985ء وہ پہلا سال تھا جب میں وفاقی وزارتِ امورِ مذہبی کے زیرِ اہتمام منعقدہ قومی سیرت کانفرنس، اسلام آباد میں شریک ہوئی اور وزارت کی جانب سے مجوزہ موضوع پر قلم اٹھایا۔

رفتہ رفتہ وزارتِ امورِ مذہبی نے صنفی اعتبار سے موضوعات کی جُداگانہ تقسیم کو خیر باد کہا اور خواتین کو محض اور فقط خواتین سے متعلقہ موضوعات پر قلم آرائی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اغلباً یہ سمجھ لیا گیا کہ خواتین شعور و ادراک اور تخیل و تفکر کی اس منزل پر ہیں جہاں وہ مشترکہ موضوعات پر قلم اٹھانے کی مجاز ہیں۔

دوسری جانب عالمی حالات کا منظر نامہ بھی بہت تیزی سے تبدیل ہوا اور یہ واضح ہو گیا کہ اُمتِ مُسلمہ تاریخِ انسانی کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کے متعلق سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیں گی جیسے بھوکے (جانور) کھانے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیتے ہیں'' (ابوداؤد و بیہقی)

اور اُمتِ مُسلمہ عموماً غفلت و جہالت اور بے عملی میں مبتلا ہے اور اپنے فرائضِ منصبی سے نابلد و ناواقف، بُحران در بُحران کا شکار ہے۔ اور دیگر اقوام کے اربابِ دانش دنیا کو تہذیبی تصادم کی جانب لے جانے کے لئے برسرِ عمل۔

اُمت کی سطح پر سوچنے سمجھنے اور احساسِ حالت کے لئے مستعد ہونے اور کمزوریوں کو دور کرنے کی ضرورت کتنی شدید ہے۔ کُلّی تجزیے کی اہمیت و افادیت کس قدر زیادہ ہے کہ اس کا حق تو میرے جیسی کم علم اور کم فہم کیا ادا کر سکتی ہے البتہ طالب علمانہ کوشش ضرور ہے۔

آج حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی جتنی اشد ضرورت ہے اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مسلمان قرآن،

۲۶-۰۱-۰۹

Marfat.com

حدیث اور سیرتِ نبوی ﷺ پر اجتماعی بلکہ اُمّہ کی سطح پر ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی، مربوط و مبسوط تحقیقی کام کریں۔ تمام مسائل کا حل قرآن، حدیث اور سیرتِ نبوی ﷺ سے تلاش کریں۔

دورِ حاضر کی علمی ترقیوں کے تناظر میں قرآن، حدیث اور سیرتِ نبوی ﷺ کا فہم وادراک اور پھر زندگی کے ہر پہلو پر اس کا اطلاق بے حد ضروری ہے۔

اُمت کے بحران کا تجزیہ اور اس کا ہمہ جہتی حل اُمت کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ بقول اقبال:

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

یہی سوچ کر میں نے اپنی اس طالب علمانہ کاوش کو پیش کر دیا ہے۔ اللہ کرے اُمتِ مُسلمہ کے صاحبانِ مناصب بھی اپنے اپنے مقام پر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور غفلت و جہالت کا یہ اندھیرا، ایمان اور عملِ صالح کے اجالوں سے بدل جائے۔ آمین

فائزہ احسان

یکم اکتوبر 2007ء

(18 رمضان المبارک، 1428ھ)

انتساب

اُمتِ مُسلمہ کے نام
اس دُعا کے ساتھ

یہ اُمت اس صدی میں اس طرح بیدار ہو جائے
کہ خیرِ اُمت ہونے کی یہی حقدار ہو جائے

یہی اُمت میانہ رو، یہی خیرالاُمم بھی ہے
جو حبل اللہ کو پکڑے یہی سردار ہو جائے

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

انتساب

1 "اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل اور درپیش چیلنجز 07

اوران کا تدارک سیرتِ طیبہ سلام اللہ علیہا کی روشنی میں" 2007ء

2 ''قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى 37

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

کے حوالے سے دورِ جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد،

یگانگت و ہم آہنگی کا تصور اور اُس کی ضرورت و اہمیت

تعلیماتِ اسلام اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں'' 2006ء

3 مذہبی انتہاپسندی اور اس کا خاتمہ 69

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں 2004ء

4	نیا عالمی نظام اور اُمتِ مُسلمہ کی ذمہ داریاں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں	2003ء	98
5	پاکستان کے لیے مثالی نظامِ تعلیم کی تشکیل تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں	2002ء	137
6	مسلمان خواتین کے حقوق و فرائض تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں	2001ء	177
7	بے لاگ احتساب سیرتِ طیّبہ کی روشنی میں	2000ء	203
8	معاشی و معاشرتی ارتقاء میں زکواۃ و عُشر کا کردار تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں	1999ء	220

Marfat.com

''اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل

اور

درپیش چیلنجز اوران کا تدارک

سیرتِ طیّبہ سلام اللہ علیھا کی روشنی میں''

اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل اور اُمتِ کو درپیش چیلنجز کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُمتِ مُسلمہ کے مقام ومرتبے کو واضح کیا جائے اور اُمتِ مُسلمہ کے فرائضِ منصبی کو اُجاگر کیا جائے۔

اِسلام دین اللہ کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اِرشادفرمایا۔ سورہ آلِ عمران: آیت۔ 17

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللہِ الْاِسْلَامُ.

ترجمہ: بیشک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔ ①

یہ اعلانِ عام تھا اور یقیناً جس کے تناظر میں یہودیوں اور عیسائیوں کو صاف صاف خبردار کیا گیا تھا کہ:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَالْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۝ وَھُوَ فِی الْاٰ خِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۝

ترجمہ: اور جوتلاش کرے گا اسلام کے علاوہ کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔ ②

دینِ اسلام جو سب انبیاء کا دین ہے اور جس کو لے کر اب حضرت محمد ﷺ تشریف لائے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس دین کو قبول نہیں کرتا اور کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے تو اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کی جناب میں مردود ہے۔ اس اعلان نے یہود و نصاریٰ کے حسد و عداوت کی آگ کو آتش فشاں بنا دیا۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کی تعلیمات اور اس کی برکات اِنسانی حیات کے ہر حصے کو مُحیط ہیں۔ چناں چہ اسلام نے انسانی حیات کو انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر استوار کیا۔ اسلام انسان اور انسانیت کے لیے سراسر ارتقاء اور فوز و فلاح کا مشن لے کر آیا ہے۔ چناں چہ اس نے آتے ہی تشکیلِ فکر کی۔ اس فکر میں اس نے انسان کو فرد، اجتماعیت، اُمت اور ان سب سے بڑھ کر پوری انسانیت کی حیثیت سے ترقی اور فوز و فلاح کا نصب العین دیا۔

چوں کہ اسلام انسان کی کامیابی اور فلاحِ اتم کا مشن دیتا ہے لہٰذا انسانی حیات کو دونوں جہانوں میں کامیاب کرنا اور اسے انفرادی اور اجتماعی اور انسانی اعتبار سے فلاحِ اتم سے ہم کنار کرنا چاہتا ہے۔ فرد، معاشرے اور بحیثیتِ مجموعی پوری انسانیت کو ناکامی اور خسران سے بچانے کا جامع پروگرام دیتا ہے۔ چناں چہ فرد اور معاشرے کا محور کتاب اللہ اور سُنتِ رسول اللہ ﷺ بن گئیں۔ یہی دونوں حبل اللہ قرار پائیں اور زندگی کی انفرادی و اجتماعی فلاح اسی سے چمٹے رہنے میں متصور ہو گئیں۔ اسلام پوری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت اور کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے۔ قرآنِ حکیم اگر اکثر مقامات پر یا ایھا الذینَ آمنو کہہ کر خطاب کرتا ہے تو بیشتر مقامات پر یا ایھا الناس کہہ کر تمام بنی نوعِ انسان کو پیغامِ ہدایت دیتا ہے اور مخاطب کرتا ہے۔ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا گیا صرف رحمت اللمُسلمین بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب المُسلمین نہیں کہا بلکہ رب العالمین کہا اور دینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ان الدین عنداللہ الاسلام فرمایا یعنی بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

اُمتِ مُسلمہ کے فرائضِ منصبی:۔

نبی آخر الزّماں حضرت محمد ﷺ کی اُمت بنی نوعِ انسان میں وہ آخری اُمت ہے جو منصبِ شہادت پر فائز کی گئی۔ آیت نمبر 143 (جزو اوّل) سورۃ البقرہ:

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمھیں (اے مُسلمانو!) بہترین اُمت (اُمتِ وسط) تا کہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو۔'' ③

Marfat.com

گویا اُمتِ محمدیہ ﷺ کو دو اعزازات سے نوازا جا رہا ہے۔

1) اُمتِ محمدیہ ﷺ اُمتِ وسط ہے یا بہترین اُمت ہے۔

2) اُمتِ مُسلمہ شہدائے علی الناس ہے۔

یعنی ہر معاملے میں تمہیں اُمتِ وسط بنایا یعنی راہِ راست اختیار کرنے کی توفیق بخشی۔ وسط کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اس کے معنی ہیں درمیان۔ ہر چیز کا درمیانی حصہ ہی اس کا بہترین اور عمدہ ترین حصہ ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اخلاق و معمولات میں ''میانہ روی'' اور ''اعتدال'' قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ افراط و تفریط دونوں ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ قابلِ مذمت ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ان کے عقائد، ان کی شریعت، ان کے نظامِ اخلاق، سیاست اور معیشت میں افراط و تفریط کا گزر نہیں۔ یہاں اعتدال ہے۔ توازن ہے۔ موزونیت ہے۔ جب تک مُسلمانوں کو اپنے اس عظیم مَنصب کا لحاظ تھا اُس وقت تک اُن کا ہر قول، ہر فعل آئینہ تھا اس اِرشادِ ربانی کا۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ کا دوسرا عظیم منصب اس پہلے فرضِ منصبی 'اُمتِ وسط' ہونے کے باعث اسے حاصل ہوتا ہے۔ اُمتِ محمدیہ ﷺ گواہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اِس کی گواہی اِسلام کی صداقت پر ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وہ زندہ تصویر ہے۔ دنیا میں اِس کا ہر فعل، ہر قول اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور اس زندگی کی خوشحالی اور پاکیزگی، اس کی سیرت کی پختگی اور اِس کے اَخلاق کی بُلندی ہر چیز اِسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہو۔

آج کے مُسلمان کی انفرادی و اِجتماعی زندگی کی زبوں حالی اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ مُسلمان کی انفرادی و اجتماعی زندگی ''اسلام کی تعلیمات'' کے مُطابق نہیں ہے۔ وہ تارکِ قُرآن اور تارکِ سُنت ہیں۔ گویا دنیاوی مرتبۂ شہادت پر فائز رہنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ مُسلمان انفرادی و اجتماعی، ہر پہلو سے اِسلام کے مطلوبہ کردار و عمل کے آئینہ دار بن کر رہیں۔

اور شہادت کا دوسرا مرحلہ میدانِ حشر میں رونما ہوگا جب روزِ قیامت اگلے پیغمبروں کی اُمتیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گی کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں پُہنچایا تو اُس وقت اُمتِ محمدیہ ﷺ گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پُہنچا دیا تھا۔ اور جب ان پر اعتراض ہوگا کہ تم اس وقت موجود ہی نہ تھے تم گواہ کیسے بن گئے تو یہ جواب دیں گے کہ:

Marfat.com

"اے اللہ! تیرے حبیب محمد مصطفے ﷺ نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔"

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اُمت کی صداقت و عدالت کی گواہی دیں گے کیوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اپنے اُمتیوں کے حالات سے پوری طرح واقف ہیں۔

علامہ قرطبی نے اس ضمن میں حضرت سعید بن مُسیّب کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ترجمہ:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ہر صبح وشام حضور ﷺ کی اُمت پیش کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ اپنے ہر اُمتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اسی علمِ کامل کے باعث حضور ﷺ روزِ قیامت سب کے گواہ ہوں گے۔" ④

شاہ عبد العزیزؒ اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوّت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رُتبے کو، میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے؟ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اُس کی ترقی رُکی ہوئی ہے پس وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں، تمہارے ایمان کے درجوں کو، تمہارے نیک اور بد سارے اعمالوں کو اور تمہارے اخلاق و نفاق کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔" ⑤

گویا اس دنیا کی زندگی میں جو مسلمان اپنے قول و فعل سے اِسلام کی حقانیت کی گواہی دے گا، وہی آخرت میں شہادت یا گواہی دینے کا مرتبہ حاصل کر سکے گا۔ گویا:

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اُمتِ مُسلمہ پر یہ ذمہ داری اُس وقت تک عائد رہے گی جب تک "یومِ حساب" میں اُس کی "شہادت" پیش نہ ہو۔ اگر ایک بھی مومن روئے ارض پر موجود ہے تو یہ اس کی منصبی ذمہ داری ہوگی کہ وہ شہادت دے اپنے صاحبِ ایمان ہونے کی، اسلام کی حقانیت کی، اپنے قول و فعل اور کردار و عمل سے۔ لہٰذا:

ہر مُسلمان پر سب سے پہلے اور ہمہ وقت جہاد بالنفس کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ اور یہی جہادِ اکبر ہے۔ اور ہر مسلمان پر جہادِ اصغر کی چاروں اشکال کا فریضہ بھی عائد ہوتا ہے۔

1۔ جہاد بالزبان

2۔ جہاد بالقلم

3۔ جہاد بالمال

4۔ جہاد بالسیف

آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ ترجمہ:

''یہ دین قائم رہے گا اور مُسلمانوں کا ایک گروہ اس کے لیے جہاد کرتا رہے گا۔ یہاں تک کے قیامت قائم ہو جائے گی''۔ (رواہ مُسلم)

3) اُمتِ محمدیہ ﷺ خیر الاُمم ہے:۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ کو ایک تیسرے اعزاز سے بھی نوازا گیا ہے اور وہ خیر الاُمم ہونے کا اعزاز ہے۔

سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 110 میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ:

''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہو۔ تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو بُرائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔'' ⑥

رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو قرآن میں خیر الاُمم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا جا رہا ہے یعنی جتنی بھی اُمتیں آج تک صفحۂ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں اُن سب سے تم بہتر ہو۔ کیوں کہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ، بُہت بلند ہے۔ تم اس لیے زندہ ہو، کوشاں ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے، گمراہی کی ظلمت کافور ہو، باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاقِ حُسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ وہ حیوانی رسم و رواج جنہوں نے طاقتور کو ظالم اور چیرہ دست، اور کمزور کو مظلوم بنا رکھا ہے، مِٹ جائیں اور اُس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت یعنی توحید، پر تم خود بھی ایمان لا چکے ہو اور دوسروں کو بھی اس کو قبول کرنے کی دعوت دیتے ہو۔ حضورؐ کی اُمت کے خیر الاُمم ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے جو اس آیت میں ہی مذکور ہے یعنی دوسری قوموں کے فیضانِ ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم وہ بھی ایک مقررہ وقت تک مُستفیض ہو سکتی تھی لیکن اُمتِ محمدیہ ﷺ کا ابرِ کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سفید، نزدیک و دور اور ہر خطے اور ہر دور میں برسے گا۔ ان کی برکتیں صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہیں اور یہ وہ شرف ہے جو پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ اخرجت للناس میں اسی امر کی طرف اِشارہ ہے۔

گویا اس سے یہ بات متعین ہوتی ہے کہ اس اُمت کے فرائضِ منصبی میں یہ داخل ہے کہ نوعِ انسانی

میں مثبت ایجابی، اقدامی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتی رہے۔ چنانچہ پوری انسانیت کی کامیابی کا انحصار اب اسی گروہ پر ہے۔

موجودہ عالمی تناظر میں یہ واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے کہ یہ اُمت تاریخِ انسانی کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کی خبر دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

''عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بُلاوا دیں گی جیسے بھوکے (جانور) کھانے پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بُلاوا دیتے ہیں۔'' (ابوداؤد، بیہقی) ⑦

سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اُمتِ مُسلمہ کو جو منصب عطا فرمایا اور اس منصب و مرتبے کے حوالے سے جو فرائضِ منصبی اُمتِ مُسلمہ پر عائد ہوتے ہیں۔ کیا اُمتِ محمدیہ ﷺ نے ان فرائضِ منصبی کو خاطر خواہ انداز میں ادا کیا ہے؟ یا ادا کر رہی ہے؟

اُمتِ مُسلمہ کے فرائضِ منصبی میں کوتاہی کے اسباب:۔

اُمت کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کے اسباب اور اُمت میں انتشار و افتراق کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو داخلی اور بیشتر خارجی اسباب سامنے آتے ہیں۔

اسلام کو خارجی خطرات کا بھی سامنا ہے جیسا کہ آیت نمبر 154 سورۃ الانعام اشارہ کر رہی ہے:

ترجمہ: ''اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا (صراطِ مستقیم)۔ سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستے سے۔'' ⑧

حضور کریم ﷺ کا راستہ ہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی فرمانبرداری ہی وہ اساسِ محکم ہے جس پر اتحادِ اُمت اور اتفاقِ اُمت کا ایوان تعمیر ہو سکتا ہے اور جب بھی یہ اساس متزلزل ہو گئی، اس کے بعد اُمت کے انتشار و افتراق کو دور کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی لہٰذا، سنتِ نبوی ﷺ کے اتباع کے علاوہ جو دیگر راستے ہیں، وہ اللہ کے راستے سے جدا کر دینے والے ہیں۔

لہٰذا درجِ بالا آیت میں سراسر خارجی حملوں اور سازشوں کی طرف بیّن اشارہ ہے جو اُمت کے انتشار اور تفرقوں کا سبب ہوں گے۔

لہٰذا الملل والنحل میں شہرستانی، الفرق بین لفرق میں عبدالقاہر بغدادی، تذکرۃ المذاہب میں ابنِ سراج، رسالۃ فی بیان الفرق الضالۃ میں اکمل الدین، مصنف مقدمہ فی بیان المذاہب میں

الشیخ الامام نجم الدین نسفی سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے اور جو کہ اصل حقیقت ہے کہ اس اُمت نے اَن گنت مہیب حملوں اور سازشوں کا مقابلہ کس بے جگری سے کیا اور بالآخر کامیاب ہوئی۔ ان میں بعض داخلی اور بیشتر خارجی تھے۔

دنیا کی کوئی قوم یا اُمت شاید ہی اتنے خطرات، سازشوں اور یورشوں کے بعد زندہ بچی ہو۔ یہ صرف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کہ اُمتِ مُسلمہ آج بھی زندہ ہے، زندہ رہے گی اور سرخرو ہوگی، انشاللہ۔

اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کی تعداد و استعداد میں اضافہ فرمائے جن کے قلوب تفرقہ اور عصبیت سے پاک ہوں اور رسول کریم ﷺ کی محبت سے سرشار ہوں اور اُمت سے محبت کی تڑپ سے معمور ہوں جس کی محبت نے آنحضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے اُمتی اُمتی جاری کروایا تھا۔

بالکل ابتدا سے ہی اُمت کے سوادِ اعظم میں جو بات مشترک نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس اُمت کی ہیئتِ حاکمہ کو ضرب نہیں پہنچنا چاہیئے اور اسے ہر قیمت پر بحال اور محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

اُمتِ مُسلمہ کی معاشرتی، عقائدی، عسکری اور علمی تباہی کے لیے طاغوتی قوتوں کی جانب سے متواتر تحریکیں چلائی جارہی ہیں۔ ان میں ہیومنائزیشن (Humanization) اور ریشنلائزیشن (Rationalization) کا حملہ پہلی اسلامی صدی ہی میں کردیا گیا جو بالآخر ناکام ہوئے۔ اور ازاں بعد سیکولرائزیشن (Secularization) کا سلسلہ شروع ہوا۔ (9)

علمی اور فکری سازشیں آج بھی جاری ہیں اور پورے زور و شور سے جاری ہیں۔

بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی گزرتے ہی Humanization، Rationalization اور Secularization باہم مدغم ہو کر Modernization کی اصطلاح سے متعارف کی گئی۔

Modernization میں اکثر عام رجحان Secularization کا ہی ہوتا ہے۔ یہ فرد اور معاشرے کو روایتی اقدار سے دور کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر تو برملا مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت کو ختم کرنے کی حکمتِ عملی کا آئینہ دار ہے۔

سیکولرازم کا موجودہ ہدف محض مذہب نہیں ''اسلام'' ہے:۔

درحقیقت نفس پرستی سیکولرازم کا ایک اہم مظہر ہے بلکہ سیکولرازم سے غذا پانے والے ہر ذہن کی زندگی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ یہی نکتہ سیکولرازم کی بنیاد بھی ہے یعنی خدا کو چھوڑ کر مادّے کو سب کچھ مان لینا اور

Marfat.com

مادہ پرستی، نفس پرستی کا سبب اور ذریعہ ہے۔ دورِ جدید کے سامانِ تعیّشات اسی نفس پرستی کے لوازم ہیں۔ دورِ جدید کی تہذیب جسے ہم لادینی یا سیکولر تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں، لذت اور مادّے کے ہی گرد گھومتی ہے۔ اس بناء پر عورت اس بازار کی سب سے سستی متاع ہے اور سامانِ تعیش گویا معراجِ زندگی۔ اللہ اُمتِ مُسلمہ کو اس طرزِ فکر سے بچائے۔ مسلمانوں سے اس وقت جو اس بالادست تہذیب کا مطالبہ ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے مرحلے پر وہ اپنے اعتقادی معاملات کو برقرار رکھتے ہوئے عملی طور پر اخلاقی مسائل میں ان کے ہم خیال ہوجائیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پھر دوسرا مرحلہ زیادہ مشکل نہیں رہے گا۔ ⑩

دراصل اسلام میں رخنہ اندازی کا اس سے آسان کوئی راستہ نہیں ہے کہ اہلِ اسلام کو ان کی اخلاقی اقدار اور تہذیبی روایات سے لاتعلق کردیا جائے۔

مسلمان اپنی اخلاقی اقدار اور تہذیبی روایات کو زندہ رکھیں:۔

ویلنٹائن ڈے، بسنت کا تہوار، موسیقی کا طوفان، کیبل، اور سیلولر فون کے ذریعے نوجوانوں کی خالص مغربی انداز کی تربیت، یہ سب اس حکمتِ عملی کے محض چند مظاہر ہیں۔ اُمتِ مُسلمہ اس حوالے سے مکمل بحرانی کیفیت اور مسلسل حالتِ جنگ میں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ جنگ یک طرفہ طور پر جاری ہے۔ اُمتِ مُسلمہ کی جانب سے کوئی مدافعت کرنے والا بھی نظر نہیں آتا۔

تقسیمِ دولت کے نظام میں عدم مساوات پر قابو پائیں:۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے۔ مجھے مال کی کثرت کے باعث تمہاری گمراہی کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا آج اُمت کے اولالباب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُمت میں تقسیمِ دولت کے نظام میں پائی جانے والی عدم مساوات کو دور کرنے کی منصوبہ بندی کریں نیز اُمت کو اسراف وتبذیر سے بچانے کے لیے اسلام کا نظامِ صرفِ دولت قائم کریں۔

سادہ طرزِ زندگی کو رواج دیں اور خداپرستی غالب رہے:۔

تعیّشات سے گریز کی روش اختیار کریں۔ اسلامی تہذیب کی اقدار کو مستحکم کریں۔ افرادِ ملت کو کسی بھی قیمت پر اپنی اعلیٰ اقدار سے دستبردار نہ ہونے دیں۔ مادّی ترقی کو نفس پرستی، سامانِ تعیش کا ذریعہ بننے سے روکیں۔ زندگی کے ہر پہلو میں خداپرستی اپنا شعار رکھیں۔

Marfat.com

پروفیسر ٹائن بی نے عرصہ پہلے اپنے مشاہدے اور مُطالعے کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کیا تھا :

''پوری تاریخ سے مجھے ایک سبق ملتا ہے۔ یہاں کوئی چیز دنیاوی کامیابی سے بڑھ کرنا کام نہیں۔ اَکیس تمدنوں کے مطالعے کے بعد میرا اس بات پر پُختہ یقین ہو گیا ہے کہ تمدن اسی وقت صحت مند رہتے ہیں جب تک ان میں تخلیق کی صلاحیت برسرِ عمل رہتی ہے۔ ہماری سائنسی ترقیات صنعتی دور کے چیلنج کا ایک تخلیقی جواب تھیں اور ایک نہایت ہی عمدہ جواب۔ لیکن جو مسائل ہمیں درپیش ہیں وہ اس نوعیت کے نہیں کہ اُن کا جواب تجربہ گاہوں سے دیا جائے۔ یہ اخلاقی مسائل ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اپنے مسائل کو خالص مادّی تدابیر سے حل کرنے کو ہماری حالیہ مساعی بداہتاً ناکام ہو چکی ہے اور ہمارے تمام بُلند بانگ دعوے محض مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔'' (11)

یہ تو ٹائن بی لکھ رہا ہے۔ ہم یہی پڑھ کر آنکھیں کھول لیں کیونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمت مومن کی گُمشدہ میراث ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی گمشدہ میراث جہاں سے ملے اور جس قدر ملے، جس سے ملے، اس کو حاصل کر لینا چاہئے۔

ویسے سعدی شیرازی نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔

؎ نہ می گویم کہ از دنیا جُدا باش
بہ ہر جا باش لاکن با خدا باش

لہٰذا مادّی ترقی میں آگے بڑھتے ہوئے ہم مسلمانوں میں اور مسلمان معاشروں میں مادّہ پرستی پیدا نہ ہو۔ مادّی ترقی کی کوکھ سے نفس پرستی جنم نہ لے اور خدا پرستی ہی ہم پر غالب رہے۔ یہی ہماری شعوری کاوش اور کوشش ہونی چاہئے۔

اُمتِ مُسلمہ کی عمومی خامیاں:۔

1) نظامِ تعلیم ہر قوم و ملّت کا سب سے زیادہ بُنیادی، اساسی اور قابلِ توجہ مسئلہ ہوتا ہے کہ اس پر پوری نسل کا دار و مدار ہوتا ہے۔ ہمارا تعلیمی نظام پستی اور زوال کا شکار ہے۔

2) بے عملی اور مفلوج زمین پر ایستادہ اخلاقی بُلندی: مسلمان حد درجہ بے عمل ہیں۔ ایمان جس عمل کا تقاضا

کرتا ہے، ہماری اجتماعی زندگی میں اس کا بڑا فقدان ہے۔

؎ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

3) عام اور خاص دونوں قسم کی بے خبری: بے خبری سے مُراد عام اور خاص قسم کی معلومات میں فوقیت کا فقدان ہے جو ایک غالب قوم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

4) لاعلمانہ اطمینان یا بے حسی: لاعلمانہ اطمینان سے مراد وہ اطمینان جو داخلی اور خارجی حالات پر کنٹرول کے متعلق احساس کے بجائے گرد و پیش سے لاعلمی کے سبب کسی قوم و ملت میں پیدا ہوتا ہے۔

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

5) معاشرے میں جہادی روح کا فقدان ہو گیا ہے۔

6) تصورِ اُمت کا فقدان: پوری اُمت بحیثیتِ مجموعی تصورِ اُمت کی زبردست کمی کا شکار ہے۔ پوری اُمت اپنی اپنی جگہ مُلکوں، علاقوں، صوبوں، گروہوں، قبیلوں اور تہذیبوں میں بٹ چکی ہے۔ ہر جگہ احساس ہے مگر غالب احساس اپنی اپنی قومیت کا احساس ہے یا پھر اپنے اپنے مسلک کا احساس ہے یا اپنے اپنے فقہی گروہ کا احساس ہے۔ سربراہانِ مملکت، بادشاہ حتیٰ کہ علماء اور مشائخ کسی کے درمیان بھی اُمتِ مُسلمہ کا حقیقی اور موثر احساس پیدا نہ ہوسکا اور اگر پیدا ہوا تو بارآور نہ ہوسکا کہ اُمت کے مسائل عالمگیر سطح یا اُمت کی سطح سے حل ہوں پوری اُمت مجموعی طور پر خلافت کو تسلیم کرتی ہے لیکن اس کے اندر ہر جگہ ملوکیت اور چھوٹی چھوٹی عصبیتوں کے ظہور نے اسے بھرپور طریقے سے کارآمد نہیں رہنے دیا۔ اقامتِ صلوۃ سے لے کر اقامتِ جمعہ تک اور وہاں سے اقامتِ حج کے اجتماعات تک سے تصورِ وحدت، تصورِ اجتماعیت اور تصورِ اُمت اجاگر اور موثر نہ ہوسکا۔ یہ بات قلوب اور احساسات کی سطح تک تو برقرار رہی لیکن عملی طور پر پوری اُمت کی سطح پر کوئی حکمتِ عملی اختیار نہ کی جاسکی۔

اُمتِ مُسلمہ کو حقیقی طور پر کن خطرات کا سامنا ہے، اس کا ادراک کیا جائے اور ان کے تعلق سے اپنی ذمہ داریاں پوری کی جائیں:۔

اگر اُمت کے خواص یعنی علماء، مُدبّرین، دانشور، صاحبانِ حل وعقد اس اُمت کے تعلق سے ذرا بھی

حساس، ذمہ دار اور باخبر ہوتے تو اپنے اطراف میں موجزن ۔۔طاغوتی طاقتوں کی عالمِ اسلام اور اُمتِ مُسلمہ کے خلاف کارگزاریوں، کاوشوں اور حکمت عملیوں تک ضرور پہنچ جاتے ۔۔مومنانہ فراست، ایمان میں اخلاص سے پیدا ہوتی ہے اور آج ہم مسلمان اپنے اپنے ایمان کے درجے میں کمی اور کمزوری کے باعث ۔عموماً اس فراست سے محرومی کا شکار ہیں ۔۔اللہ ہمارے ایمان میں اضافہ کرے اور ہمیں عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے ۔۔اور ہم ایک دوسرے کو حق کی وصیت وتلقین کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت وتاکید کرتے رہیں ۔تاکہ ہم طاغوتی طاقتوں کے حربوں اور حکمت عملیوں کا فہم وادراک حاصل کریں اور نہ صرف یہ کہ اُمت کے عام افراد کو موثر طریقے سے ان خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے بلکہ ان سے نبرد آزما ہونے یا ان کے سدِ باب کے لیے موثر اور قابلِ لحاظ کوشش کریں ۔۔ لیکن پورے عالمِ اسلامی کا جائزہ لینے سے یہی دلخراش حقیقت سامنے آتی ہے کہ سچ تو یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ میں احساسِ اُمت ہی نہیں پایا جاتا۔

کامیابی کے لیے بنیادی چیز ''احساسِ اُمت'' ہے۔کسی حد تک احساسِ اُمت ہے تو عوام الناس میں ہے جسے محض اپنی مقصد براری کے لیے خواص نے ہمیشہ استعمال کیا۔خواہ وہ علماء ہوں یا دانشور، صاحبانِ اقتدار ہوں یا اربابِ حل وعقد اور ۔۔احساسِ اُمت ۔۔کے نام پر جو چیز رائج رکھی گئی وہ صرف نعرے بازی تھی جس کے پیچھے مجرمانہ غفلت، بے خبری، لاعلمی، بے حسی اور خود غرضی چھپی ہوئی تھی ۔

اُمتِ مُسلمہ کے فرائضِ منصبی کی نگرانی اور ادائیگی کے ذمہ داران ۔۔مسلمان حکمران اور اربابِ حکومت کو قرار دیا جائے تاکہ وہ اُمتِ وسط کی حیثیت سے انفرادی واجتماعی روّیوں میں اعتدال ومیانہ روی ۔۔نیز عامتہ الناس ۔۔اور خواص، کردار وعمل سے اسلام کی حقانیت کی گواہی دیتے ہوئے زندگی گزاریں اور خیرالاُمم کے مقام ومرتبے پر فائز رہنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں مستعد رہیں۔

Think Tanks کا قیام عمل میں لایا جائے:۔

تعلیم ۔۔تحقیق ۔۔تفکر ۔۔تدبُر ۔۔اہلِ ایمان نے ان چاروں بنیادی فریضوں سے روگردانی کا شیوہ اختیار کیا ہوا ہے۔اطرافِ عالم میں تاریخِ انسانی میں کوئی واقعہ، کوئی حادثہ کیوں رونما ہوا؟ اس کا جائزہ لیا جائے۔تجزیہ وتحقیق کی جائے اور پھر اسے عامتہ الناس تک لایا جائے تاکہ پوری اُمت اس کے تعلق

Marfat.com

سے ہوشمندی سے آئندہ اقدام کر سکے۔

اُمتِ مُسلمہ کے سامنے جو تحدیدات (Threats) ہیں اس اُمت کے جو مسائل ہیں جن چیلنجز کا اسے سامنا ہے وہ اتنے گمبھیر اور تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی نشاندہی اور ان کے تجزیئے اور حل کے لیے بڑی تعداد میں اُمتِ مُسلمہ میں Think Tanks کا قیام عمل میں لانا چاہئے۔

اُمتِ مُسلمہ کو درپیش چیلنجز میں سب سے اہم چیلنج یہ ہے جو طاغوتی طاقتوں نے عالمی میڈیا پر اپنے تسلط کے باعث ہر طرف پھیلا دیا ہے اور یہی آج ہر طرف شور شورا ہے کہ اسلام دہشت گردی ہے اور مسلمان دہشت گرد ہیں۔

مسلمانوں کے دہشت گرد ہونے کی حقیقت:۔

گویا امن و سلامتی کے داعی دین کو اور امن و سلامتی کے علم برداروں کو یعنی مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف ایک پورا ماحول تیار کر لیا گیا ہے۔

اُمتِ مُسلمہ کے خلاف ایک گمبھیر سازش کے ذریعے اسے دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے بڑی عظیم منصوبہ بندیاں ہوئیں ہیں تا کہ اُمتِ مُسلمہ کو کچلنے کے لیے ایک جواز پیدا کیا جائے۔

ستمبر 2001ء کے حملوں کی پانچویں برسی کے موقع پر ایک تحقیقاتی رپورٹ سامنے آئی ہے جس میں امریکی پروفیسروں اور سائنسدانوں نے نائن الیون حملوں کو وائٹ ہاؤس میں بیٹھ کر جنگجوؤں کی سازش قرار دے کر کانگریس سے واقعے کی انکوائری دوبارہ کروانے کا مطالبہ کر کے امریکہ میں کھلبلی مچادی ہے۔ 75 امریکی پروفیسروں اور سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ 5 سال قبل واشنگٹن اور نیویارک میں ہونے والے حملے ایک ''داخلی کام'' تھا جو تیل کے وسائل سے مالا مال ملکوں پر حملہ اور قبضہ کرنے کا جواز پیش کرنے کے لیے کیا گیا۔ ان پروفیسروں اور سائنسدانوں نے کہا کہ ان کے پاس لاتعداد ثبوت ہیں جو تاریخ کی بڑی سازشوں میں سے ایک پر سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔ طبیعات کے پروفیسر اسٹیون جونز نے کہا کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہائی جیکروں اور چند دیگر لوگوں نے مل کے افغانستان کے ایک غار میں بغیر کسی مدد کے یہ منصوبہ بنایا۔ ہم اس ''سرکاری مفروضے'' کو چیلنج کرتے ہیں اور ہم منصوبے کی تہہ تک پہنچ رہے ہیں۔

ماہرینِ تعلیم کے مطابق امریکہ نیو کنزرویٹوز کا گروپ ''گروپ فار اے نیو امریکن سینچری'' نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگون پر حملے کروائے تا کہ افغانستان اور عراق پر حملے کیے جا سکیں اور پھر ایران کو نشانہ بنایا جائے۔

پروفیسر جونز نے کہا کہ دو طیاروں کے ٹکرانے سے ٹاورز کا اس طرح گرنا ممکن نہیں تھا جس طرح وہ

Marfat.com

گرے جیٹ (طیارے کا) ایندھن اس درجۂ حرارت پر نہیں جلتا جو اسٹیل کو پگھلانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ عمارت کے منہدم ہوتے وقت افقی سمت دھواں اُٹھتا دیکھا گیا جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ٹاورز کو گرانے کے لیے کنٹرولڈ دھماکے کیے گئے۔'' (روزنامہ ایکسپریس 8 ستمبر 2006ء) ⑫

11 ستمبر کا حادثہ امریکہ کا خودساختہ ڈرامہ ہے:۔

اسی طرح نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ کے سابقہ کالم نگار اور فرانسیسی تجزیہ نگار بیری جان فرینک نے (اپنے انٹرویو میں جو ''ال مجمع'' سے لیا گیا ہے) کہا:

''ہاں میں سمجھتا ہوں کہ امریکہ کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے کا وقت آ گیا ہے کیونکہ 11 ستمبر کا حادثہ کوئی عام حادثہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ بات تھی جیسا کہ ہم سے کہا جا رہا ہے کہ یہ دنیا کے خلاف اسلامی سازش تھی۔ ذرائع ابلاغ نے ایک سدھائے ہوئے طوطے کی طرح اس بات کی رٹ لگائی یہاں تک کہ اسلامی ممالک کو مغربی تہذیب کے لیے ایک ہوّا بنا دیا۔ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ امریکہ یہی چاہتا تھا کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنی پیش قدمی کو جائز ٹھہرا سکے، جس سے اس کا مقصد عرب اور مشرقِ وسطیٰ کی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دینا ہے۔''

نیز فرینک نے کہا کہ:

''نیویارک ٹائمز'' نے گزشتہ دنوں کچھ عرصہ پہلے اس رپورٹ کی اشاعت پر امریکی عوام سے معافی مانگی تھی جس کو ان لوگوں نے تیار کیا تھا جن کا پینٹاگون اور وائٹ ہاؤس سے گٹھ جوڑ رہا ہے۔ اس رپورٹ کی اشاعت کا مقصد افغانستان کے خلاف جنگ کی اس قرارداد کو سامنے لانا تھا جو 11 ستمبر کے حادثے سے پہلے ہی پاس ہو چکی تھی۔ پھر اس کے بعد ایف بی آئی نے جو ڈرامہ ترتیب دیا تھا، وہ بھی حقیقت میں ہالی وڈ کی کسی فلم کا منظر معلوم ہوتا تھا۔ اب تو حقیقت سے پردہ اُٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔ بُش دوم کی انتظامیہ نے یہ حادثہ اس لیے کیا تا کہ بین الاقوامی کشمکش کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے اسے خونریز جنگوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

''عراق اور افغانستان کے خلاف جنگ کا فیصلہ پہلے کر دیا گیا تھا۔ صرف اس جنگ کے آغاز کے لیے ایک بہانے کی ضرورت تھی۔ اس کام کے لیے ایسی کارروائی سے زیادہ بہتر اور قیمتی کوئی چیز نہیں تھی جس میں مختلف شخصیات کا تعلق کچھ مخصوص عرب ممالک سے جوڑ دیا جائے، یہ کہہ کر کہ یہ ''دہشت گرد

Marfat.com

ممالک ہیں''۔ صیہونی حکومت وہ واحد حکومت ہے جس کو 11 ستمبر 2001ء کے حادثے سے فائدہ پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے اس حادثے سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔''

اب میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ حقائق کیا ہیں؟

1) امریکی انتظامیہ نے اپنے عوام سے جھوٹ بولا کہ ستمبر 2001ء کو کیا حادثہ پیش آیا۔ تحقیق کے بغیر ہی عرب ممالک پر ان حملوں کا الزام عائد کر دیا۔ امریکہ نے اپنے خلاف ''اسلامی دہشت گردی'' کا جواز پیش کر کے یہ الزام لگانے میں بڑی تیزی کا مظاہرہ کیا۔

2) حادثے کی تحقیقات کی رفتار سست اور طریقہ انتہائی پیچیدہ تھا۔ امریکی انتظامیہ نے پہلے سے طے شدہ نتیجہ اس تحقیقات کا برآمد کر دیا یعنی ''یہ دہشت گردانہ حملے امریکہ اور مغربی تہذیب کے خلاف اسلامی سازش ہیں۔''

بیری جان فرینک نے مزید کہا:

''ہم یہ بات پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ دنیا میں جو کھیل شروع کیا گیا ہے، یہ یک طرفہ کھیل ہے اور آخر میں یہ تہذیبی تصادم کی شکل اختیار کرے گا، جیسا کہ امریکہ چاہتا ہے۔ یعنی یہ کہ اسلامی ہوّا قائم کر کے یہ ثابت کرنا کہ اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ کوئی نیا ہوّا کھڑا کر لے گا۔ امریکہ تہذیبوں کو تباہ اس لیے کرنا چاہتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے شکار سے بھڑنا نہیں چاہتا بلکہ پیچھے سے اسے ختم کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ صرف ان ممالک ہی کو تباہ نہیں کرے گا بلکہ ان کی تاریخ، ان کی تہذیب و ثقافت کو اسی طرح ختم کر دے گا جس طرح افغانستان اور اس کے بعد عراق میں کر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ شام اور ایران کا بھی یہی حشر ہو۔'' (13)

سیکولرائزیشن کا چیلنج۔ سیکولرائزیشن کی نئی حکمت عملیاں:۔

طاغوتی طاقتیں اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو بس مسلمان نہ رہنے دیں۔ ان کے پیشِ نظر، یہ نہیں ہے کہ مسلمان یہودی بن جائیں یا عیسائی بن جائیں بلکہ اصل مدعا ان کا یہ ہے کہ مسلمان بس مسلمان نہ رہیں بے دین ہو جائیں۔ نام کے مسلمان رہیں۔ اب چیلنج یہ درپیش ہے اور یہ کام بذریعۂ ثقافت کیا جا رہا ہے۔ مثلاً آج سے سو سال قبل جب طاغوتی قوتیں مسلم عورتوں کو سیکولرائز کرنا چاہتی تھیں تو وہ اس کام کی ابتداء علمی اور دانشوری کی سطح پر کرتے تھے۔ علم اور دانشوری کی سطح فوراً عقیدے کی سطح پر جا کر سختی پیدا کر دیتی تھی۔ مثلاً اگر عورتوں سے کہا جاتا کہ وہ حجاب کا استعمال نہ کریں یا نماز اور روزہ ترک کر دیں تو فوراً اسے

گمراہ کرنے والی کوشش سمجھ لیا جاتا تھا اور علمائے دین تو الگ رہے، عام سمجھ بوجھ رکھنے والی مسلمان عورتیں بھی اس کو گمراہی تصور کر کے ردّ کر دیتی تھیں۔

الف) اب بذریعۂ ثقافت مسلمانوں کو دین سے دور کیا جا رہا ہے یہ نہایت آسان، سہل، زود اثر، بے ضرر اور سستا طریقۂ کار ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے اس طریقے کے ذریعے طاغوتی قوتوں نے وہ کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

ان نئی حکمتِ عملیوں میں سے ایک یہ ہے کہ سیکولرائزیشن کو ثقافتی طور پر روبہ عمل لایا جائے تاکہ وہ بظاہر عقیدے کا اور گمراہی کا مسئلہ نہ بن سکے اور نتیجہ وہی پیدا کرے۔ اور مسلمان اندر ہی اندر سیکولرائز ہو جائیں اور اپنے دین سے دور ہو جائیں۔ اس کی بہترین مثال موجودہ عہد میں دو طریقوں سے دی جا سکتی ہے۔

خوبصورتی کا طریقہ Method of Beautification

یا or

1) بیوٹی پارلرز کا طریقہ Beauty Parlours

سب سے پہلے خواتین کی نفسیات کے مُطابق انہیں یہ بتانا کہ بننا سنورنا، سجنا عورت کا فطری حق ہے اور اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے اور اس فطری حق کے ساتھ زور دے کر یہ بات نہ بتانا کہ مسلمان عورت کی یہ زیب و زینت فقط اس کے شوہر کے لیے ہو۔ ایک حدِ اعتدال کے اندر اندر ہو۔ اسراف کے بغیر ہو، دین کی روح کے منافی نہ ہو۔

اس طریقے کے ذریعے طاغوتی طاقتوں نے مُسلمان عورتوں میں خوبصورت بننے کے مختلف طریقے رائج کیے اور مسلم ممالک میں ''بیوٹی پارلرز'' کا سیلاب آ گیا اور خودرو پودوں کی طرح بیوٹی پارلرز کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ بظاہر مُراد عورتوں کی آرائش و زیبائش کی سہولت کی فراہمی ہے مگر درپردہ عقیدے کی سطح پر ان میں حجاب کے قرآنی احکام کا خاتمہ کرنے فیشل (Facial) اور دیگر طریقوں (یعنی ویکسنگ (Waxing)، تھریڈنگ (Threading) کے ذریعے) کے سلسلے میں احادیث اور سُنت کے اتباع سے روکنے، اقامتِ صلوٰۃ، کو مُنہدم کرنے اور صلوٰۃ سے روکنے کی تدبیر ہے۔ چناں چہ ایک مُسلم عورت Waxing , Facial اور Threading کروا کے اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت کی مُوردبنتی ہے۔ اسراف و تبذیر کی مُرتکب ہوتی ہے۔ خوبصورت ہو جانے اور نمائش کی خواہش فطری طور پر نقاب و حجاب کے ترک کی طرف مائل کرا دیتی ہے۔ بیوٹی پارلر سے فارغ ہونے کے بعد میک اپ کو برقرار رکھنے کا عمل

Marfat.com

انہیں نمازوں کے ترک اور پھر دائمی طور پر ترک کر دینے کی طرف لے جاتا ہے اور کہیں بھی عقیدے کا مسئلہ اور گمراہی کا شائبہ بھی دل میں نہیں گزرتا۔

نیز چند گھنٹوں کے لیے اس آرائش و تزئین کے اخراجات سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں روپے کی شکل میں ادا کرنے ہوتے ہیں جو اسراف بھی ہے یعنی ضروری اشیاء پر ایک حد سے زیادہ خرچ کرنا اور تبذیر بھی ہے یعنی غیر ضروری اشیاء پر اخراجات کرنا۔ جن ممالک میں آبادی کا عموماً چالیس فیصد خطِ غربت سے نیچے کی سطح پر زندگی گزار رہا ہو وہاں ایسی فضول خرچیاں کس حد تک جائز کہی جاسکتی ہیں؟

اس طرح ایک عام اندازے کے مُطابق بڑے شہروں میں جہاں ایسے بیوٹی پارلرز زیادہ تعداد میں قائم ہیں، بعض اوقات 70 فیصد عورتیں ترکِ حجاب اور ترکِ صلواۃ کی مُرتکب بن چکی ہیں۔ یہ تناسب درج ذیل اعتبار سے پایا جاتا ہے:

1) 10 سال سے 20 سال کی خواتین میں 95 فیصد
2) 20 سال سے 40 سال کی خواتین میں 70 فیصد
3) 40 سال سے 60 سال کی خواتین میں 20 فیصد ⑭

2) کاسمیٹکس کا طریقہ:۔

بیوٹی پارلرز کا طریقہ تو کسی نہ کسی درجے میں بڑے شہروں تک محدود ہے لیکن کاسمیٹکس کا طریقہ یا سامانِ آرائش کا طریقہ اس سے زیادہ وسیع الاطراف اور موثر ثابت ہوا ہے۔ بطورِ خاص نظامِ صلواۃ، نظامِ طہارت اور نظامِ حلال وحرام کو منہدم کرنے کے لیے یہ کامیاب طریقے کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ چناں چہ اکثر و بیشتر حرام لعینہ کے درجے کی چیزوں سے تیار کردہ کاسمیٹکس کے سامان عوام میں بطورِ خاص رائج کیے جاتے ہیں۔ خواتین ان کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ آرائش و زیبائش کے اس سامان کی اور ان طریقوں کی بطورِ خاص اشتہار بازی کے ذریعے خوب خوب تشہیر کی جاتی ہے، تاکہ مُسلم معاشرہ اندر ہی اندر غیر محسوس طور پر نظامِ طہارت، نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ حلال وحرام کو خود ہی مُنہدم کردے۔ چناں چہ مسلم معاشروں میں نیل پالش یعنی ناخن پالش، لِپ اسٹک (لبوں کو رنگنے) بالوں کو اس طرح تراشنے اور خراشنے اور رنگنے پر جو کئی دنوں تک باقی رہیں، خصوصی زور دیا جاتا ہے۔ ان سب کا مقصد بنیادی طور پر مُسلم معاشروں میں اس کے بالکل اندرونی کور (Core) یعنی خواتین کو بھی سیکولرائزیشن کے لیے پوری طرح آمادہ کرلینا اور دین سے دور کردینا ہے۔ اور دوسری طرف سامانِ آرائش تیار کرنے والی)

Marfat.com

(Multi National Companies) ہمہ قومی کمپنیاں جو عموماً ترقی یافتہ ممالک کی کمپنیاں ہیں، کی مصنوعات کے لیے موثر طلب پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اور اس طرح ان کی فروخت اور آمدنیاں بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ (15)

ہم خرمہ وہم ثواب یعنی آپ کے دین سے دور کرنے کی قیمت اور وہ بھی بھاری قیمت، وہ آپ سے ہی وصول کرتے ہیں۔ اپنے ناپاک عزائم کو وہ آپ کے خرچ پر نہ صرف یہ کہ حاصل کر رہے ہیں بلکہ آپ سے منافع بھی کما رہے ہیں۔ اور اُمتِ مُسلمہ اس سیلاب میں بہے چلی جارہی ہے۔

3) میڈیا یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے ثقافتی یلغار:۔

میڈیا یا ذرائع ابلاغ کے اہم ذرائع بالخصوص ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، فلم یعنی الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر یا انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے، سیلولر فون یا موبائل فون کے ذریعے طاغوتی طاقتیں اُمتِ مُسلمہ پر ثقافتی یلغار میں مصروف ہیں۔ عالمِ اسلام کو انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی کے اس دور میں جب دنیا کو گلوبل ولیج بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں، عالمگیریت، گلوبلائزیشن کا چرچا کیا جا رہا ہے۔ اُمتِ مُسلمہ کو یہ چیلنج درپیش ہے کہ وہ اپنی پاکیزہ اور ارفع اقدار کو طاغوتی قوّتوں کی مادّہ پرستانہ، عُریاں، سفلی اور پست اقدار کی یورش سے کیوں کر بچائیں؟

خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا، ''جو قوم بے حیائی اور اباحیت سے سمجھوتہ کرلے اور اس میں جہاد کی تڑپ ٹھنڈی پڑ جائے وہ زمین کی سطح پر چلنے کا حق کھو بیٹھتی ہے اور اس کے بطن میں دفن ہونے کی حق دار بن جاتی ہے۔''

یقیناً اس ضمن میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے اس قولِ مُبارک کو ''کھلی اور چھپی فحاشی سے بچو'' ہمیں اپنے اور اپنی نوجوان نسلوں کے ذہنوں میں راسخ کرنا ہوگا۔ اسلامی اقدار اور اسلامی شعائر کا احترام اور مُحبت دلوں اور دماغوں میں پیوست کردینی ہوگی۔ اور حبل اللہ یعنی قرآن وسُنت کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا۔ تاکہ یہ موجِ بلاخیز، یہ ثقافتی یلغار ہماری پاکیزہ اقدار اور ارفع روایات کو مسخ نہ کرسکے۔ ہمیں گلوبل ولیج میں رہتے ہوئے بھی نئی اقدار کو اسلام کے دیئے ہوئے معیار یعنی ،حدود اللہ' کی بنیاد پر پرکھ کر ان کے مُطابق انہیں رد کرنا یا اختیار کرنا ہوگا۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

4) اِنسانی حقوق کی حفاظت کا چیلنج:۔

اِنسانی حقوق کی حفاظت کو طاغوتی طاقتوں نے بطور ہتھکنڈہ اختیار کیا ہوا ہے کہ اِنسانی حقوق کی پامالی

کو روکنے کے نام پر وہ اُمتِ مُسلمہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کا جواز ڈھونڈ لیتی ہیں۔ دنیا کی تمام اِنسانی حقوق کی تحریکیں حقوق غصب کرنے والوں یعنی طاغوتی قوّتوں کے ذریعے ہی چلائی جاتی ہیں اور یہ بھی طاغوتی قوتوں کے لیے ہم خرمہ وہم ثواب کے مِصداق بھی ہے۔

اس چیلنج سے کامیابی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اُمتِ مُسلمہ قرآن کے حکم

ان اللہ یا مرو بالعدل والاحسان

پر عمل پیرا ہوتو وہ دین جو حقوق وفرائض کی بہترین تعلیم دیتا ہے۔ اپنے ماننے والے معاشرے کو اسلام کے عطا کردہ حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام کریں۔

1) قانون سب کے لیے ہو:۔

حضور اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک ہے کہ:

''خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔'' کے مُطابق قانون کا اطلاق ہر طبقے اور ہر فرد (بے بضاعت وصاحبِ حیثیت سب) کے لیے یکساں انداز سے ہو۔ اسلامی ممالک میں قانون کی بالادستی نہیں ہے۔ کوئی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ قانون کا اطلاق سب پر ہو، یکساں طور پر ہو۔ صرف غریبوں اور اثر ورسوخ نہ رکھنے والوں پر قانون کا اطلاق ہوتا ہے جو کہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

2) نیز مسلمان مردوں اور خواتین میں خواتین کے حقوق کا علم عام کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کو تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے اور ان کی پامالی کو روکنے کے لیے معاشرے میں مروّجہ رسوم ورواج کی اِسلامی روح کے مُطابق اصلاح وتطہیر کی جائے۔ اسلام نے حقوق وفرائض کا جو تصّور دیا ہے اس کو روشناس کرنے اور عملاً نافذ کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے اور معاشرے کے کمزوروں کے حقوق دلانے کے لیے حکومت قانون سازی کرے۔ قانون نافذ کرنے والے اِداروں کی کارکردگی کو بہتر بنایا جائے اور عدلیہ کے نظام کو بہتر بنایا جائے تاکہ مظلوم کو اِنصاف اور فوری اِنصاف مل سکے اور سماجی انصاف یا Social Justice مل سکے۔ اسلام سے بہتر انسانی حقوق کا تحفظ کوئی اور نظام نہیں دیتا۔ بات ساری یہ ہے کہ اس نظریۂ حیات یعنی Islamic Ideology کو عملاً نافذ کیا جائے۔ مسلمانوں کے کسی بھی ملک میں اسلام کا سماجی، ثقافتی، معاشی، سیاسی نظام نافذ نہیں ہے۔ ان اسلامی نظاموں کو نافذ کرنے کے لیے جس تحقیقی عمل اور کاوش کی ضرورت تھی، وہ ہوم ورک ہم نے نہیں کیا۔

اُمتِ مُسلمہ کو درپیش چیلنجز جن کی درجِ بالا سطور میں نشاندہی کی گئی ہے، میرے خیال میں ان تمام

Marfat.com

چیلنجز کا سبب یہ ہے کہ اس اُمت میں تصورِ اُمت بہت کمزور پڑ گیا ہے اور یہی دیگر تمام ضمنی اور ذیلی مسائل و مُشکلات کا باعث ہے۔

اگر اُمت میں ''تصورِ اُمت'' اور ''احساسِ اُمت'' مُستحکم، مضبوط اور قوی ہوتا تو ''خیر اُمت'' ہونے کے مُتقاضی کردار و عمل کو ہم اِختیار کرتے، ''اُمتِ وسط'' ہونے کا ثبوت دیتے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی سطح پر مومن کی فراست ہم میں موجود ہوتی تو ہم مُسلمانوں کو عالمی سطح پر جن سازشوں سے دوچار کیا گیا ہے، جن اُمور یا تبدیلیوں کو عام طور پر فیشن یا بس ایک نئی بات سمجھا جاتا رہا وہ کس طرح سے عالمی سطح پر ایک مُنظم سازش کا حصہ تھے اور ہیں۔

اس صورتِ حال کو جان لینے کے بعد اس کا بھی احساس اُبھرتا ہے کہ اگر اُمت نے انہیں الگ الگ اور بے حقیقت و بے معنی اور بے اثر تبدیلیوں کے بجائے ایک مُنظم سازش خیال کیا ہوتا اور مومنانہ بصیرت و فراست سے اپنے اطراف کی دُنیا کا، تاریخ کا اور دیگر اقوام کے طرزِ عمل کا مُطالعہ و تجزیہ کیا ہوتا اور ان سے نبرد آزمائی کی حکمتِ عملی اِختیار کی ہوتی اور اس پر مُنظم طور پر عمل درآمد کیا ہوتا تو آج صورتِ حال مختلف ہوتی۔ یہ بات ایک حقیقت ہے کہ ایسا نہ ہو پانے میں بنیادی رکاوٹ اُمت میں عملی سطح پر تصورِ اُمت کا کمزور ہو جانا تھا۔ اُمتِ مسلمہ کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی یا کما حقہٗ کوتاہی ہے۔

نئے عالمی نظام کا اصل ہدف دنیائے اسلام کو بے دست و پا کرنا ہے:۔

سیرتِ طیّبہ کی رو سے ہمیں اپنے اسلحے، سامانِ حرب، جنگی فنون اور ٹیکنولوجی میں نہ صرف خود کفیل ہونا چاہیے بلکہ اپنے دشمن پر اپنا دبدبہ قائم رکھنا چاہیے۔ ایسا کرنے کے لیے اُمتِ مُسلمہ کو سائنس اور ٹیکنولوجی میں مغرب کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔ یہ بجائے خود شرمناک اور غیر شرعی ہے۔

اُمتِ مُسلمہ اس حقیقی خطرے (Actual Danger) کو شعوری طور پر متعین کرے اور اس کے لیے بلا تاخیر (Minimum Credible Deterrent) کم از کم دفاعی صلاحیت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ ''کم از کم دفاعی صلاحیت طاغوتی قوتوں کی Star War کے اعتبار سے Deterrent ہو۔''

اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل:۔

اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے پہلا مسئلہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ تعلیم کا

مسئلہ ہے جس کے بہت سے پہلو ہیں۔

اُمتِ مُسلمہ میں پست ترین شرح خواندگی:۔

1) جہالت: وہ دین جس کی ابتداء نبی کریم ﷺ کی جانب کی جانے والی پہلی وحی ''اقرأ'' کے لفظ سے ہوئی جس کی کتابِ ہدایت قرآن حکیم کی 6666 آیات میں سے 657 آیات میں بلا واسطہ اور بالواسطہ علم، حکمت اور دانائی کا ذکر ہے۔ ابنِ ماجہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''طلبِ علم ہر مسلمان مرد و عورت پہ فرض ہے''

لہٰذا جب اسلام کی نظر میں طلبِ علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے نیز علم کے سیکھنے سے اعراض کرنے والے کو حضور اکرم ﷺ نے مختلف احادیث میں عذاب سے ڈرایا ہے تو کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو تعلیم کو یعنی علم کے سیکھنے سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے۔

نیز تعلیم کے فروغ کے ضمن میں معلمِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے بہت سے عملی اقدامات بھی کیے۔

المیہ یہ ہے کہ اس دین کے پیروکار دنیا بھر میں شرحِ خواندگی کے اعتبار سے سب سے پست سطح پر ہیں۔

2) تعلیمی ثنویت: اُمتِ مُسلمہ کے تعلیم کے مسئلہ کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں مغربی، سیاسی اور عسکری تسلط اور اس کے تحت باضابطہ انتظامی تبدیلیوں سے پوری اُمت میں مختلف سطحوں پر ثنویت کا پیدا ہو جانا ہے۔ اس ثنویت نے اُمت کو اندر سے بالکل مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے۔ پوری اُمت دو طرح کے علمی پس منظر رکھنے والے طبقوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ تعلیم میں یک رنگی نہیں ہے۔

3) تعلیم کا تیسرا مسئلہ اعلیٰ تعلیم و تخصیص کا فقدان ہے۔

4) تعلیم کا چوتھا مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں تحقیق کا فقدان ہے۔

5) تعلیم کا معیار بہت پست ہے۔

6) تعلیم کا نصاب بہت فرسودہ اور ناقص ہے۔

اب اس مسئلہ کی طرف اُمتِ مُسلمہ خود تو ہوش مندی سے اقدامات اور خاطر خواہ اقدامات نہیں لے رہی۔ طاغوتی طاقتیں اس سے بھی فائدہ اٹھا رہی ہیں اور خصوصاً وہ مسلمان ممالک جہاں تعلیم اور خواندگی کا

Marfat.com

تناسب بہت کم ہے، ایسے علاقوں میں تعلیم کا اچانک exposure دیا جارہا ہے اور مسلمان ملکوں کے تعلیمی نظام کو مخصوص نہج کے ساتھ مرتب کر کے اُن پر مسلط کیا جارہا ہے۔

یہی نہیں کہ ہم نے دینی اور دنیاوی دو خانوں میں تعلیم کو تقسیم کیا ہوا ہے جو کہ بنیادی طور پر غلط ہے اور درجِ بالا سطور میں دنیاوی تعلیم کے مسائل کی نشاندہی میں نے اختصار کے ساتھ کی ہے۔ دینی تعلیم کے بھی بہت سے مسائل ہیں جن کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتی ہوں۔

1) قرآن کا فہم و عرفان پیدا کیا جائے۔ عام کیا جائے۔ موجودہ علمی سطح کے تقاضوں کے مطابق موجودہ مسائل کا حل قرآن میں ڈھونڈنا چاہیے۔ قرآن پر تحقیقی کام، غور، فکر اور تدبر کیا جائے۔

2) سنت و سیرت و تعلیمات نبوی ﷺ میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ سیرت و تعلیمات نبوی ﷺ کے مطالعے سے اور اس پر غور و فکر اور تدبر و تحقیق سے موجودہ دور کے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ مسلمانوں کی کردار سازی اور شخصیت سازی عموماً اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔ کردارِ مردِ مومن عملاً ناپید ہے اور اجتماعی طور پر بھی اُمتِ مُسلمہ اسلامی روح سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ اُمتِ مُسلمہ HRD یعنی Human Resource Development کے اسلامی اصولوں یعنی انسانی وسائل کے ارتقاء کے لیے اسلامی ضابطوں اور اصولوں پر تحقیق کرے۔ شخصیت سازی، کردار سازی، صفاتِ مردِ مومن کے پیدا کرنے کے لیے اقدامات کرے اور گہرائی سے یہ مطالعہ کرایا جائے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے اصحابِ کرام کا شخصی ارتقاء کس طرح فرمایا تھا؟ ان کے کردار کی آبیاری کیوں کر کی تھی؟

تین بنیادی عقائد عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کو انتہائی راسخ کیا جائے اور ان عقائد کے تحت تمام جدید مضامین اور جدید ٹیکنولوجی کو پڑھایا جائے۔ سکھایا جائے۔

الف) اللہ کی توحید پر ایمان ہوگا تو یہ ایمان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس لیے اللہ کے احکامات کی اطاعت مکمل طور پر لازم ہے یعنی عقیدۂ توحید زندگی برائے بندگی کی طرف لے جاتا ہے۔

ب) عقیدۂ رسالت ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیاد ہوگا تو وہ ہمیں اتباعِ رسول ﷺ کی جانب لے جائے گا کیوں کہ ''اسوۂ حسنہ'' ہمارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ اس لیے تعلیم کی ہر منزل میں

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پڑھائی جائے تا کہ کردار کی تعمیر میں رہنمائی ہو۔

ج) تعمیرِ کردار اور شخصیت سازی کی تعلیم میں بڑی اہمیت ہے اور یہ مقصد اُسی وقت حاصل ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے جب افراد میں آخرت میں جواب دہی کا خوف پایا جائے اور یہ عقیدۂ آخرت پر ایمان کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کر دیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنے لیے نظامِ تعلیم خود تشکیل دینا چاہیے اور اپنے نظریۂ حیات کے مطابق تعلیم و ثقافت کو متشکل کرنا چاہیے۔

اُمتِ مُسلمہ کے سیاسی مسائل:۔

1۔ کسی بھی اسلامی ملک میں اسلام کا سیاسی نظام نافذ نہیں ہے۔ نہ خلافت ہے اور نہ شورائیت۔ حتیٰ کہ نہ جمہوریت ہے۔ بلکہ اگر جمہوریت ہے بھی تو یا تو نام نہاد جمہوریت ہے یا بادشاہت ہے یا فوجی آمریت ہے یا کٹھ پتلی حکومتیں۔

2۔ یہی وجہ ہے کہ قانون کی بالادستی نہیں ہے۔

3۔ مقننہ کے نظام کے مسائل ہیں۔ اسی لیے عموماً قانون ساز اسمبلیاں اپنی مدت پوری نہیں کرتیں۔

4۔ انتظامیہ کے نظام کے مسائل ہیں۔

5۔ عدلیہ کے نظام کے مسائل ہیں۔

6۔ کرپشن کی سطح بہت بلند ہے یعنی دیانت اور امانت کا فقدان ہے۔

7۔ مسلمان ملکوں کے حکمران عموماً اُمتِ مُسلمہ کے احساسات و جذبات کی صحیح نمائندگی اور ترجمانی نہیں کرتے۔ گویا وہ عوام کے صحیح نمائندہ نہیں ہوتے۔

8۔ رشوت اور سفارش تیسری دنیا کے ممالک کی یا اُمتِ مُسلمہ کے ممالک کی عام روش ہے۔ میرٹ اور استحقاق کی بنیاد پر مواقع نہیں دیئے جاتے جب کہ اسلام کا حکم ہے:

''امانتیں اور عہدے ان کے اہل کے سپرد کردو''

9۔ اسلامی ممالک میں عموماً Good Governance نہیں ہے۔ ان تمام مسائل کا حل اسلام کے سیاسی نظام کو اختیار کرنے میں ہے۔

اُمتِ مُسلمہ کے معاشی مسائل:۔

غربت و افلاس اُمتِ مُسلمہ کے بنیادی معاشی مسائل میں سے ہے۔ عموماً 30 سے 40 فی صد افراد

Marfat.com

خطِ غربت سے نیچے کی سطح پر زندگی گزارتے ہیں۔ پینے کا صاف پانی، متوازن غذا اور پیٹ بھر کے کھانے کو، صاف ستھرا لباس اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق روشن، ہوادار اور صاف ستھری رہائش اور بجلی اور گیس جیسی بنیادی سہولت کی اشیاء اور علاج معالجے کی سہولیات سے عموماً 30 سے 40 فی صد آبادی محروم ہے۔

یہ ان مسلمان ملکوں کا احوال ہے جہاں امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کا ارشاد ہے کہ:

''خدا کی قسم اگر دجلہ کے اس پار کتے کا ایک بچہ بھی بھوک سے مرتا ہے تو عمر سے اس کا حساب لیا جائے گا۔''

اس کا بنیادی سبب مسلمان ملکوں میں اسلام کے معاشی نظام کا عدم نفاذ ہے جس کے باعث ان ملکوں میں عموماً۔

1۔ دولت کی تقسیم انتہائی عدم مساوات کا شکار ہے۔

2۔ ملکیتِ اراضی کا نظام درست نہیں۔

کہیں جاگیرداری نظام ہے۔

اور کہیں وڈیرا شاہی نظام ہے۔

کہیں زمینداری نظام ہے۔

اور کہیں سرداری نظام ہے۔

جب کہ اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ زمین کا مالک وہ ہے جو زمین کو کاشت کرے۔ گویا اسلام نے زمین کی ملکیت کا حق اُسے دیا ہے اور اُتنا دیا ہے جتنا ایک شخص خود زیرِ کاشت لا سکے۔

ہمارے تمام معاشی مسائل کا حل پوشیدہ ہے اس حقیقت میں کہ ہم اسلام کے معاشی نظام کو عملاً نافذ کریں۔ ہر قسم کے سودی کاروبار کو ترک کر دیں۔ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت انسانوں کے دکھوں کا مداوا نہیں ہے۔

اتحاد و یکجہتی:۔

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

ہمیں عالمِ اسلام میں ایک قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے ملت کی نئی شیرازہ بندی کرنا ہوگی اور اس میں اتحاد اور یکجہتی کی ایک نئی روح پھونکنی ہوگی۔ اُمتِ مُسلمہ کا اتحاد اور یکجہتی ہی اُمت کے موجودہ مسائل اور درپیش چیلنجز کا حل ہے۔

Marfat.com

پہلے تو یہ کہ ہر مسلمان ملک اپنی بقا اور استحکام کے لیے اپنے اندر متحد ہو۔ آج سے زیادہ قومی مفاہمت کی کبھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فرقہ وارانہ اختلافات ہوں یا صوبائی یا لسانی تعصّبات ہوں، ان کو پسِ پشت ڈالنا ضروری ہے۔ اُمت کے عظیم تر مفاد کے لیے مسلمان صرف اسلام کے نام پر متحد ہو جائیں تا کہ طاغوتی طاقتوں کے ناپاک عزائم خاک میں مل سکیں۔

پورا عالم اسلام نبیٔ کریم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہو جائے یعنی اپنے اندر اتحاد اور یکجہتی پیدا کرے۔ حدیث مبارکہ ہے:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مثل ہوتا ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔''

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

''اُمتِ مُسلمہ ایک جسدِ واحد کی مانند ہے، اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو بخار اور تکلیف پورے بدن کو ہوتی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی مسلمانوں اور ان کی حکومتوں پر آفت آتی ہے تو سارے مسلمان رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ احساسِ وحدت، عالم اسلام کی روح ہے۔ اس میں جان ڈالنا اور اس کو پُر اثر بنانا مسلمانوں کا کام ہے۔

اُمتِ مُسلمہ کی بنیاد اسلامی نظریۂ حیات پر ہے۔ اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی ہر شخص اُمتِ مُسلمہ کا رکن بن جاتا ہے۔ قوم، نسل، قبیلے، ذات پات، وطن، زبان، رنگ، خاندان کسی چیز کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

یعنی رسولِ ہاشمی محمد ﷺ کی اُمت کی تشکیل کی بنیاد اسلام ہے۔ کلمۂ طیبہ ہے جو شخص کلمۂ توحید کے دائرے کے اندر آ گیا وہ اُمتِ مُسلمہ کا فرد بن گیا۔ باہمی اتفاق و اتحاد اور اخوت و یکجہتی ہی وہ ستون ہے کہ جس پر اُمتِ مُسلمہ کی عمارت کھڑی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ سورہ آل عمران آیت نمبر 103:

ترجمہ:۔ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے فرقے نہ ہونا''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو اور انتشار (تفرقے) سے بچو۔''

Marfat.com

اُمت کے اتحاد و اتفاق کی اہمیت سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ سے واضح ہوگئی۔
مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

''جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کا بآسانی شکار کر لیتا ہے تو اے لوگو! پگڈنڈیوں پر مت چلنا بلکہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ جماعت اور عامتہ المسلمین کے ساتھ رہو''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو تنہا ہوا وہ آگ میں علیحدہ کر دیا گیا۔''

دورِ حاضر کے مسلمانوں کو آج اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔ آج اسلام دشمن قوتیں اسلام کی مخالفت میں متحد اور طاقتور ہیں۔ مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کو اپنے لیے خطرہ سمجھتی ہیں۔ اس لیے ان میں افتراق اور اختلاف پیدا کرنے کے لیے متواتر کوششیں کرتی رہتی ہیں۔

فی الحال عالمِ اسلام چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم ہے اور اکثر ممالک پر خود غرض اور کوتاہ نظر حکمرانوں کی حکومت ہے جو عالمِ اسلام کے اجتماعی مفاد کی بجائے ذاتی مفادات کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

مشترکہ لائحۂ عمل:۔

غیر مسلم اقوام، مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جاتی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک اپنے مفاد میں متحد نہیں ہو سکے۔ کم از کم اپنے تحفظ کی خاطر ہی متحد ہو جائیں جس طرح مزدور کی قوتِ سودا بازی کمزور ہوتی ہے لیکن محنت کی اجتماعی قوتِ سودا بازی موثر حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ مسلمان ممالک کو بھی مشترکہ لائحۂ عمل بنانے سے اجتماعی قوتِ سودا بازی کے باعث موثر اور مستحکم حیثیت حاصل ہونے کا پورا پورا یقین رکھنا چاہیے اور عالمِ اسلام یا اُمتِ مُسلمہ:

1) اپنے دفاع یعنی اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مشترکہ دفاعی حکمتِ عملی وضع کرے اور مشترکہ دفاعی افواج کا قیام عمل میں لائے۔
2) بین الاقوامی عدالتِ انصاف کی طرز پر مسلمان ممالک کے باہمی تنازعات اور کشیدگیوں کو حل کرنے کے لیے اسلامی عدالتِ انصاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔
3) عالمی اسلامی بینک کا قیام عمل میں لایا جائے اور مسلمان حکومتیں اور مسلمان افراد اپنے اثاثے وہاں محفوظ رکھیں۔

Marfat.com

4) عالمی اسلامی سرمایہ کاری بینک کے ذریعے دولتمند اسلامی ممالک ترقی پذیر اور سرمائے کی قلت سے دوچار مسلمان ممالک کے ترقیاتی منصوبوں کی مالیات کاری کرنے میں تعاون کریں۔

5) اسلامی مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں لانا چاہیے تاکہ بین الاقوامی تجارت میں ترجیحاً درآمد اسلامی ممالک سے ہو اور مسلمان ممالک کی مصنوعات کی خریداری کے لیے دیگر اسلامی ممالک میں بازار کاری ہوسکے۔ اسلامک چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز قائم کیا جائے۔ مسلم ممالک کی ملٹی نیشنل کمپنیاں قائم کی جائیں۔

6) اسلحہ سازی کے مشترکہ پروجیکٹ، عالمِ اسلام سائنس، ٹیکنالوجی اور اسلحہ سازی کے لیے ایک مشترکہ ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے۔

7) مسلمان ممالک کے درمیان محنت کی حرکت پذیری کو بڑھایا جائے اور مشترکہ Empolyment Exchange قائم کی جائے۔ تاکہ جن ممالک میں روزگار کے مواقع پیدا ہوں اُن میں مسلمان بھائیوں کو وہ مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس طرح مسلمانوں میں بے روزگاری کو گھٹانے کی کوشش ہو۔

8) تعلیم وتحقیق کے فروغ کا مشترک ادارہ قائم کیا جائے تاکہ اُمتِ مُسلمہ قرآن وحدیث پر تحقیق وتدقیق سے استفادہ کرتے ہوئے بنی نوعِ انسان کے مسائل کے حل کے لیے اسلام کے مختلف نظاموں معاشی، سیاسی، معاشرتی، کو ٹھوس بنیادوں پر متشکل کرے اور دنیا کے مسائل کا حل پیش کرے نیز تحصیلِ علم کے لیے مسلمان ممالک کی جامعات میں دیگر مسلمان ممالک کے طلبا وطالبات کے لیے حصولِ علم کے بہتر مواقع فراہم کیے جائیں۔

9) مسلم ممالک مشترکہ "Muslim Think Tank" کا قیام عمل میں لایا جائے لہٰذا، اعلیٰ مفکرانہ صلاحیتوں کو یکجا کر کے تفکر وتدبر کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا جائے تاکہ عالم اسلام کی بہتری اور استحکام کے لیے سوچا جاسکے۔

10) مشترکہ ادارہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قائم کیا جائے جو ہر مسلمان کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ بالخصوص اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے امور میں۔

11) اسلامی دنیا کا عالمی ادارۂ حکمتِ عملی۔ اسلامی دنیا کے نظریاتی تحفظ اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لیے حکمتِ عملی وضع کرنے کے لیے اسلامی دنیا کا عالمی ادارہ قائم کرنا چاہیے جو مُسلم اُمّہ کے

Marfat.com

لیے اس کے دشمنوں کی حکمت عملیوں کا توڑ پیش کرے۔

ایک جھنڈے کے تلے جس روز ملت آئے گی
ساری دنیا اس کے آگے خود بخود جھک جائے گی

مسلمانوں کے عروج وزوال اور اس کے اسباب:۔

مسلمانوں کی تاریخ کا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے جب ان میں تفرقہ بازی پروان چڑھی، ان کی اتحاد و یکجہتی پارہ پارہ ہوئی نیز مسلمانوں میں بے عملی اور علم کی جانب سے عدم توجہی پیدا ہوئی تو وہ بے دست و پا ہوتے گئے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ محض علم، دنیا کی امامت اور قیادت کے لیے کافی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً جب یونانی اور ایرانی علم وحکمت میں آگے تھے تو دنیا کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ پھر رومیوں نے یونانیوں کی جگہ لے لی تو علم وفن میں وہ آگے نکل گئے۔ مسلمان بھی جب علمی اور اخلاقی اعتبار سے آگے تھے تو دنیا کی قیادت صدیوں تک ان کے پاس رہی جب کہ رومی اور ایرانی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی علم واجتہاد مسلمانوں کی صفوں سے غائب ہوا اور شورائی نظام کی جگہ ملوکیت اور مطلق العنانی نے لے لی تو وہ امامت کے حق سے محروم ہوتے چلے گئے۔ اب مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے تو نئے عالمی نظام کے تحت امریکہ کی حکمتِ عملی یہ ہے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کر دیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنے لیے نظامِ تعلیم خود تشکیل دینا چاہیے اور اپنے نظریۂ حیات کے مطابق تعلیم وثقافت کو متشکل کرنا چاہیے۔

موجودہ عالمِ اسلام کا جائزہ:۔

عالمِ اسلام 61 ممالک پر مشتمل ہے۔ یہ اسلامی دنیا کے ایک تہائی وسائل کے مالک ہیں، دنیا کے 23 فی صد رقبے پر مسلمانوں کی حکومت ہے۔ 57 اسلامی ملک بندرگاہوں کے مالک ہیں۔ بحری جہاز شمال سے جنوب کو جائیں یا مشرق سے مغرب، انہیں کسی نہ کسی اسلامی ملک کی سمندری حدود سے گزرنا پڑے گا۔ عربوں کے پاس تیل کے سو سال تک برقرار رہنے والے ذخائر ہیں۔ صرف افغانستان میں دس ارب ٹن لوہا ہے۔ دنیا میں تانبے کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ افغانستان میں ایک لاکھ ٹن سونا ہے، ہائیڈروجن بم کے لیے لیتھیم چاہئے۔ افغانستان دنیا کا واحد ملک ہے جس میں لیتھیم کے ذخائر ہیں۔ میزائل بنانے کے لیے ٹائٹینیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ افغانستان کے پہاڑوں میں ٹائٹینیم کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

Marfat.com

سن 2001ء-2002ء میں افغانستان پر امریکہ کی بمباری کا اصل سبب اس کے معدنی وسائل ہیں۔ اسی طرح تمام عالمِ اسلام کے معدنی وسائل کے متعلق اسلامی ممالک سے زیادہ خود امریکہ باخبر ہے اور ان کو اپنے قبضے میں لینے کے لیے وہ یہ سب خیلہ سازیاں کر رہا ہے۔

پروفیسر نوم چومسکی نے کہا،

''11 ستمبر 2001ء کے واقعے کو بنیاد بنا کر افغانستان پر حملے کا مقصد منصوبہ بندی کے تحت سینٹرل ایشیا میں تیل اور گیس جو دنیا کے دوسرے بڑے ذخائر ہیں اور دیگر معدنیات کے وسیع ذخائر پر قبضہ کرنا ہے۔ اس طرح سینٹرل ایشیا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہر کوئی اسے اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔ افغانستان پر حملے کی اقوامِ متحدہ سے منظوری نہیں لی گئی۔''

معدنی اور انسانی وسائل سے مالا مال اسلامی ممالک نے اگر کبھی اسلامی کردار بھی صحیح معنوں میں اختیار کر لیا تو دنیا کی قیادت ان کے ہاتھ آ جائے گی اور اہلِ مغرب کے اس اندیشے نے عالمِ اسلام پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے۔ لہٰذا ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ اصلاحِ ذات کی طرف توجہ دے اور مسلمان من حیث الاُمہ اپنے اجتماعی نظام کی خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کریں۔

دوسروں کو الزام دینے اور عالمی بے انصافی کا ذمہ دار قرار دینے کے بجائے زیادہ مثبت سوچ یہ ہوگی کہ اپنے اندر اصلاح طلب پہلوؤں پر ہمہ تن توجہ دی جائے کیوں کہ بقول اقبال:

؎ فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

آپ فوجوں کا اندازہ لگائیں۔ اسلامی دنیا کرۂ ارض کی سب سے بڑی فوجی طاقت ہے۔ یہ واحد فورس ہے جس کے پاس جہاد کا جذبہ ہے۔ لیکن اب چوں کہ حربی قوت کی بنیاد سائنس اور ٹیکنولوجی پر ہے اور یہ کام عالمِ اسلام نے غیروں کے لیے چھوڑ رکھا ہے اس لیے ان 61 اسلامی ملکوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے دفاع کے قابل ہو۔ ظاہر ہے دشمن سے خریدا ہوا اسلحہ ہمارے کس کام آ سکتا ہے۔ اور پھر اب جب کہ نئے عالمی نظام کے تحت اسلامی ممالک کو اسلحہ کی ترسیل پر پابندیاں ہیں تو ضروری ہے کہ مسلم دنیا نیوکلیئر ٹیکنالوجی میں خود انحصاری پیدا کرے اور اس ضمن میں کسی قسم کا دباؤ قبول نہ کرے۔

مسلمان ممالک میں سے کوئی بھی ملک معاشی، اقتصادی، صنعتی، زرعی اور دفاعی اعتبار سے مکمل طور پر خود کفیل نہیں۔ حالاں کہ مسلمان ممالک کے پاس کل دنیا کے 60 فیصد وسائل موجود ہیں اور ایک ارب

Marfat.com

سے زائد افرادی قوت کے مالک ہیں۔ مسلمان ممالک میں پاکستان واحد ملک ہے جو جدید ایٹمی ٹیکنالوجی میں مہارت رکھتا ہے اور اس نے مغربی ممالک کی اجارہ داری توڑی ہے۔ لیکن فوجی اور اقتصادی امداد پر پابندی اور پاکستان کے خلاف تجارتی پابندیوں کے ذریعے مغربی دنیا پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

اسلامی ملکوں میں ناخواندگی اور جہالت بھی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ سائنس اور فنی تعلیم میں تہی دامانی کی وجہ سے ہم دوسروں کے محتاج ہیں۔ عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمان دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں جب کہ سائنسی ترقی پر جو اخراجات ہو رہے ہیں، ان میں 97 فیصد مغربی ترقی یافتہ ممالک کر رہے ہیں۔ دو فیصد تیسری دنیا کے غیر اسلامی ممالک اور صرف ایک فیصد مسلم ممالک کر رہے ہیں، اور یہی مسلم دنیا کی پسماندگی اور مغرب پر ان کے انحصار کی بنیادی وجہ ہے۔

دنیا میں ہر سال بیس لاکھ تحقیقاتی مقالات اور ایک لاکھ کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں مسلم دنیا کا حصہ صرف ایک ہزار ہے۔ جہاں تک اعلیٰ تعلیم اور سائنسی ٹیکنالوجی پر ہونے والے اخراجات کا تعلق ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اپنی قومی آمدنی (GNP) کا 2 سے 4 فیصد تک سائنس اور ٹیکنالوجی پر خرچ کر رہے ہیں۔ جب کہ بعض غلط ترجیحات کے نتیجے میں اکثر مسلمان ممالک ایک فیصد سے بھی کم خرچ کر رہے ہیں۔

سیرتِ طیبہ سلام اللہ علیہا کی روشنی میں ہمیں اُمت کی تمام کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دینا چاہئے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے اور اُمتِ مُسلمہ کو فوز و فلاح حاصل ہو۔ (آمین)

☆......☆......☆

حوالہ جات

1۔ سورہ آل عمران: 17

2۔ سورہ آل عمران: 85

3۔ سورہ البقرہ: 143

4۔ قرطبی

5۔ فتح العزیز از شاہ عبد العزیز

6۔ سورہ آل عمران:110

7۔ ابوداؤد و بیہقی

8۔ سورہ الانعام:154

9۔ عالمِ اسلام کی اخلاقی صورتِ حال
از اسرار عالم صفحہ:92

10۔ ایضاً صفحہ:97

11۔ اسلامی نظریہ حیات از خورشید احمد صفحہ:102
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی 1993ء

12۔ روزنامہ ایکسپریس، 8 ستمبر 2006ء

13۔ انٹرویو، بیرجان فرینک (بحوالہ المجمع)
فرائیڈے اسپیشل، 15 ستمبر 2006ء

14۔ عالمِ اسلام کی اخلاقی صورتِ حال، صفحہ :296

15۔ ایضاً صفحہ:297

کتابیات

1۔ ضیاء القرآن، جلد اول، از پیر کرم علی شاہ

2۔ مشکوٰۃ شریف

3۔ معارف الحدیث

4۔ اُمتِ مُسلمہ کے مسائل
از مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

5۔ اُمت کا بحران از اسرار عالم

6۔ معرکہ دجال اکبر، جلد اول و دوم
از اسرار عالم

7۔ یا ساری الجبل از اسرار عالم

8۔ عالم اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج
از اسرار عالم

9۔ مسلم دنیا (ماضی اور حال از محمد الیاس ندوی)

10۔ نیو ورلڈ آرڈر اور اسلام از ڈاکٹر طاہر القادری

11۔ ماہنامہ ترجمان القرآن۔ متعدد شمارے

12۔ ماہنامہ ساحل۔ متعدد شمارے

13۔ دنیائے اسلام کا مستقبل، خطرات اور
امکانات از جسٹس قدیر الدین احمد

14۔ عالم اسلام کی سیاسی صورتِ حال
از اسرار عالم

15۔ عالم اسلام کی اقتصادی صورتِ حال
از اسرار عالم

16۔ عالم اسلام کی روحانی صورتِ حال از اسرار عالم

17۔ عالم اسلام کی مقصدی و منصبی صورتِ حال
از اسرار عالم

Marfat.com

"قُلْ یا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ

کے حوالے سے

دورِ جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت و ہم آہنگی

کا تصور اور اُس کی ضرورت واہمیت

تعلیماتِ اسلام اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں"

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ وہ فقط رب المسلمین یا ربِ اہلِ کتاب نہیں ہے۔ وہ واحد ہے، لاشریک ہے۔ کوئی اُس کا ہمسر نہیں، کوئی اُس کا ثانی نہیں۔ اپنی ذات وصفات میں وہ یکتا ہے۔ بے مثال ہے۔ وہ رب النّاس ہے۔ ملک النّاس ہے۔ الہ النّاس ہے۔ اُس کی ربوبیت، معبودیت والہیت سب کے لیے عام ہے۔ درود وسلام ہو حضرت محمد ﷺ پر، جو اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ رحمت اللعالمین ہیں۔ وہ فقط رحمت المسلمین نہیں ہیں۔ ان کی رحمت عام ہے۔ تمام انس وجن وملائک کے لیے، تمام جان داروں کے لیے بلکہ تمام عالموں کے لیے۔

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے۔ الہامی کتاب ہے۔ آسمانی صحیفہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ

یہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ اس میں نصیحت ہے۔ اس میں ایک پیغام (Message) ہے تمام انسانیت کے لیے اور اس دعوے کا سب سے بیّن اور واضح استدلال یہ ہے کہ قرآن حکیم:

﴿1﴾ حضرت محمد ﷺ کو مخاطب فرماتا ہے۔

﴿2﴾ اہلِ ایمان کو مخاطب کرتا ہے۔

﴿3﴾ اہلِ کتاب کو مخاطب کرتا ہے۔

﴿4﴾ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتا ہے۔

﴿5﴾ یاایھاالناس کہہ کر تمام انسانوں کو بھی مخاطب کرتا ہے۔

اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم سے سب مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔ اہلِ ایمان، اہلِ کتاب، تمام غیر الہامی مذاہب والے اور تمام لامذہب افراد۔ غرضیکہ 'الناس' یا بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والے۔

قرآن تو نور ہے اور نور کا فیضان عام ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن پوری انسانیت کے لیے فلاح و صلاح کا پیغام ہے۔ دینِ اسلام رحمت کا دینِ ہے۔ دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ اسی لیے اس دین کو اللہ نے ہمارے لیے پسند کیا ہے۔ دینِ اسلام ہر طرح کی تحریف و تاویل سے مُبرّا اور پاک ہے۔ سورۂ حجر کی ایک آیت میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''بے شک یہ کتابِ نصیحت ہم ہی نے اتاری اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

مسلمانوں کو، اہلِ ایمان کو قرآنِ حکیم خیر اُمت قرار دیتا ہے۔ وہ اس لیے خیر اُمت ہیں کہ۔
(آیت نمبر 110۔ سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہے۔)

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط

ترجمہ: تم بہترین اُمت ہو جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں میں سے، تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔

تمام انسانوں میں سے منتخب حضرت محمد ﷺ کے اُمتی وہ اہلِ ایمان ہیں جو نیکی کرنے کا حکم دیتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔

Marfat.com

مسلمانوں کو، اہلِ ایمان کو حضرت محمد ﷺ کے اُمتیوں کو ''خیر اُمتہ'' کا منصب عطا ہوا ہے۔ قرآن حکیم اہلِ ایمان کو، مسلمانوں کو اُمتِ وسط کہہ کر پکارتا ہے۔ اُن کا راستہ، اُن کا طریقہ اعتدال کا راستہ ہے۔ افراط و تفریط کا راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اُمتِ وسط ہیں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو رہنمائی کے منصب پر مامور کیا تھا۔ یعنی یہود کو۔ انہوں نے خدا کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑا، صراطِ مستقیم گم کر دی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں من مانی تحریف کر دی۔ اب عالم انسانیت کی ضرورت یہ تھی کہ آخری نبی ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم ایسے لوگوں کے حوالے کی جائے جو اس کی حفاظت اپنی جان سے بھی بڑھ کر کریں۔

وہ ہر دور، ہر ملک، ہر زبان میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دیں اور اپنی اس ذمہ داری کو کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ یہ ذمہ داری صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بطریقِ احسن ادا کر رہے تھے۔ قرآن مجید اس ذمہ داری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر 143)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

ترجمہ: ''اور اس طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

مسلمانوں کو کیونکہ خیر اُمتہ کا منصب عطا ہوا مزید یہ کہ مسلمانوں کو اُمتہ وسطاً کا منصب بھی عطا ہوا اور بقول شاعر:

ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے''

لہٰذا مسلمانوں کی ذمہ داری فزوں تر ہے۔ انہیں دنیا کی امامت کرنا ہے۔ بقول شاعرِ مشرق:

سبق پھر پڑھ شجاعت کا، صداقت کا، عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی اُمامت کا

قرآنِ حکیم تو چودہ سو سال پہلے یہ اعلان کرتا ہے کہ اہلِ ایمان خیر اُمتہ ہیں۔ اُمتہ وسط ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے جو علیم و خبیر بھی ہے۔ سمیع و بصیر بھی۔ دنیا تو انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت سمٹ کر آج گلوبل ولیج (Global Village) بن گئی ہے۔ آج دنیا کو تہذیبوں کے تصادم کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور اللہ نے اہلِ ایمان کو ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے چودہ سو سال پہلے انہیں خیر اُمتہ کا منصب عطا کر دیا تھا جس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اُمتِ وسط کی حیثیت سے میانہ روی اور

Marfat.com

اعتدال کی راہ اختیار کرنا اور اعتدال کی راہ دکھانا اس امتہ یعنی اُمتِ مُسلمہ کا فریضہ ہے۔ کیا ہر دور، ہر ملک، ہر زبان میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دینا ہمارا فرضِ منصبی نہیں ہے؟ اور یہ گواہی اس وقت ہی دینے میں کامیاب قرار پائیں گے جب ہمارا عمل بھی ہمارے دین کے مطابق ہو اور ہم دیگر انسانوں تک اس دین کو پہنچانے کا فریضہ بھی ادا کر رہے ہوں۔ اہلِ ایمان کو اتحاد بین المذاہب کا اور عالمی اتحاد کا یگانگت وہم آہنگی کا پیغام لے کر اٹھنا ہوگا اور انہیں قیادت کرنا ہوگی۔

مختلف مذاہب کے اختلاف وافتراق سے مختلف تہذیبوں کے تصادم سے انسانیت کی تباہی وبربادی کرنے کے بجائے انسان کی فلاح وصلاح کی راہ میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان دنیا کو بتادیں۔

﴿1﴾ مقتدرِ اعلیٰ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ کوئی ایک ملک واحد سپر پاور نہیں ہوسکتا۔

﴿2﴾ کوئی ایک نسل (یہودی) فضیلت نہیں رکھتی۔

﴿3﴾ ایک دوسرے کو گوارا کریں۔

﴿4﴾ ایک دوسرے سے اتفاق کریں۔

﴿5﴾ ایک دوسرے کے وجود کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوشش نہ کریں۔

﴿6﴾ ایک دوسرے کے حقوق غصب نہ کریں۔ حقوقِ انسانی پر سب انسانوں کا یکساں حق ہے۔

﴿7﴾ انسان ایک دوسرے کی دشمنی پر آمادہ نہ رہیں۔ قتل وغارت گری نہ کریں۔

﴿8﴾ ''جیو اور جینے دو'' پُر امن بقائے باہمی کے اصول پُر عمل کریں۔

﴿9﴾ باہمی نفرتوں کی خلیجوں کو پُر کرو۔

﴿10﴾ سب اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔

قرآن نبیٔ مکرم حضرت محمد ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہمیں وہ حکمتِ عملی بھی بتا رہا ہے کہ ہم اہلِ ایمان، اہلِ کتاب کو اس کلمۂ مشترک کی طرف بلائیں جو ہمارے اور اُن کے درمیان مشترک ہے۔ کلمۂ مشترک ہے ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان ہونا یعنی اللہ کو ماننا۔

گویا ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب:

﴿1﴾ لامذہب نہیں ہیں۔

﴿2﴾ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں یا وجودِ باری تعالیٰ کو مانتے ہیں۔

﴿3﴾ اگرچہ کہ اُن کی کتبِ سماوی میں تحریفات لفظی ومعنوی کے باعث ان کا ''تصورِ توحید'' خالص

نہیں رہا اور انہوں نے اللہ کی معبودیت والہیت میں بعض کو شریک کر لیا۔

﴿4﴾ یہ بھی اہلِ کتاب ہیں۔

﴿5﴾ ان کی آسمانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی آمد کی پیشین گوئی ملتی ہے۔ "دعائے خلیل و نویدِ مسیحا" جنابِ رسالت مآب ﷺ کو اسی لیے کہا جاتا ہے۔

﴿6﴾ ہماری کتابِ ہدایت قرآنِ حکیم میں اُن کے پیغمبروں کا ذکر بار بار آیا ہے۔

﴿7﴾ اُن کے انبیا یعنی انبیائے سابقین پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو ہے۔

﴿8﴾ اُن کی کتبِ ہدایت یعنی کتبِ سماوی صحفِ ابراہیم، توریت، زبور اور انجیل پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللهِ وَمَلٰئِکَتِهٖ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ والیوم الآخرة

﴿9﴾ عبادت کا تصور اُن کے یہاں بھی ہے اور ہمارے ہاں بھی۔

﴿10﴾ روزے وہ بھی رکھتے ہیں اور ہم پر بھی روزے فرض کیے گئے ہیں۔

یاایھاالذین آمنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون.

﴿11﴾ دینِ اسلام کے لحاظ سے جو بنیادی اعلیٰ اقدار ہیں وہ اُن کے مذہب کے لحاظ سے بھی اچھی اقدار ہیں۔ مثلاً سچ بولنا، نیکی کرنا، ایک دوسرے کے کام آنا، ایک دوسرے کی مدد کرنا، وعدہ پورا کرنا، امانت میں خیانت نہ کرنا۔

﴿12﴾ ایک انسانی جان کو بغیر جواز کے قتل کرنا گویا تمام انسانیت کو قتل کرنا ہے اور ایک انسان کی جان بچانا گویا تمام انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ہے۔ یہ اسلام کی تعلیمات میں بھی ہے اور دیگر الہامی مذاہب کی تعلیم بھی یہی ہے۔

﴿13﴾ یومِ آخرت پر ہمارا بھی ایمان ہے اور ان کا بھی۔ توحید اور آخرت کے بنیادی عقائد کی تمام الہامی مذاہب دعوت دیتے ہیں۔ البتہ ہمارا تصورِ آخرت اور ہے اور انہوں نے اپنے تصورِ آخرت میں تصرفات کر لیے ہیں۔ مثلاً وہ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔ انہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن۔ نیز نصاریٰ نے یسوع مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے کے شبہ کو انہوں نے اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھ لیا ہے جو کہ انتہائی غیر حقیقی و غیر منطقی ہے۔

سورۂ آلِ عمران کی آیت 64 پر غور و فکر کرتے ہوئے:

Marfat.com

"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ"

ترجمہ: "تو اے نبی کہیے اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں۔"

کلمہ سے مراد یہاں لفظ مفرد نہیں جملہ مفیدہ ہے یعنی الا نعبد الا اللہ اور یہ استعمال عام ہے جیسا کہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں۔

"والكلمة تطلق على الجملة المفيده"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور سراپا نور ﷺ کوئی نئی دعوت، کوئی نرالا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ حضور بھی اسی توحید کے داعی بن کر تشریف لائے تھے جس کی دعوت ہر نبی نے دی۔ نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسانیت جو آج مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جس کے باعث گلشنِ ہستی جہنم زار بن گیا ہے، اس کے اتحاد کی حقیقی اور محکم بنیاد عقیدۂ توحید ہی ہے جو دنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے اہلِ کتاب کو دعوت دی۔

اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب کر کے اُن کو توحید اور اسلام کی دعوت دی ہے اور اُس کا آغاز اس طرح فرمایا ہے کہ توحید کو ایک مشترک حقیقت قرار دیا ہے کہ جس طرح اسلام اس کی دعوت لے کر آیا ہے اسی طرح پچھلے انبیا اور آسمانی کتابوں نے بھی اسی چیز کی دعوت دی ہے۔ لہٰذا اگر تم توحید کو جھٹلاتے ہو تو صرف قرآن کو نہیں جھٹلاتے بلکہ خود اپنے انبیا اور اپنے صحیفوں (تورات، زبور و انجیل) کو بھی جھٹلاتے ہو۔

سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ بالا آیت کا خلاصۂ تفسیر "معارف القرآن"، جلد دوم میں تحریر کیا ہے:

"اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مُسلّم ہونے میں) برابر ہے۔ (وہ) یہ (ہے) کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر (اس کے بعد بھی) وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم (مسلمان) لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اِس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو (اس بات کے) ماننے والے ہیں۔ (اگر تم نہ مانو تو تم جانو)۔

دعوتِ دین کا حکیمانہ طریقہ:۔

آیت نمبر 125 سورہ نحل میں ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دو۔"

اِس طریقۂ حکمت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اگر مخاطب سے بحث کے لیے کوئی مشترکہ بنیاد مل سکتی ہو تو اس پر گفتگو (مکالمے) کو آگے بڑھانا چاہئے۔

گویا یہ تبلیغ ودعوت کا ایک اہم اصول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اُس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہو، جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو اُس قدرِ مشترک پر دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر۔ ذیل میں اس دعوت نامے کا ترجمہ نقل کر رہی ہوں۔

''میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے، روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب ہے، سلامتی ہو اُس شخص کے لیے جو راہِ ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد اِس کے میں تجھے اسلام کے بلاوے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا، تو سلامت رہے گا اور اللہ تجھ کو دوہرا اجر دے گا اور اگر تو اعراض کرے گا تو تجھ پر اُن سب انسانوں کا وبال ہوگا جو تیری رعایا ہیں۔ اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات پر آ کر جمع ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ شریک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں کو رب بنائیں۔''

تدبر القرآن میں جناب امین احسن اصلاحی نے اِس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یا اھل الکتاب کا خطاب اگرچہ یہود و نصاریٰ دونوں پر یکساں ہے لیکن اس سورہ میں نصاریٰ چوں کہ خاص طور پر مخاطب ہیں اِس وجہ سے روئے سخن اُن کی طرف زیادہ ہے سواء کے معنے ہیں یکساں، مشترک اور جانی پہچانی ہوئی۔''

توحید کے متعلق قرآنِ مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان یکساں، مشترک اور مسلّم ہے۔

قرآن نے بھی اِسی مشترک کلمہ کو بنیاد قرار دے کر ان سے گفتگو یا مکالمے (ڈائیلاگ) کے لیے کہا ہے اور یہ راستہ ہمیشہ کے لیے کھول دیا ہے۔ یہ بات ہے کہ توحید بنیادی طور پر ہمارے اور اہلِ کتاب کے درمیان ایک ''مشترک قدر'' یا ''مشترک حقیقت'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ وضاحت کی محتاج نہیں۔ جو شخص

Marfat.com

بھی تورات اور انجیل پر نگاہ رکھتا ہے وہ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ جہاں تک تورات کا تعلق ہے اس میں تو توحید کی تعلیم اس قدر وضاحت وقطعیت اور اتنی کثرت کے ساتھ ہے کہ اس کے حوالے نقل کرنا محض بات کو طول دینا ہوگا۔ البتہ انجیل سے کچھ حوالے پیش کروں گی۔ اس لیے کہ توحید کے معاملے میں سب سے زیادہ گمراہی نصاریٰ ہی کو پیش آئی ہے۔

لوقا 4: 8 میں ہے

"یسوع نے جواب میں اس سے کہا"

"لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اسی کی بندگی کر"

مرقس 12 :29-30 میں ہے۔

"یسوع نے جواب دیا کہ اوّل (حکم) یہ ہے کہ اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے۔"

متی 19: 17 میں ہے۔

"اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے پاکی (نیکی) کی بات کیوں پوچھتا ہے پاک (نیک) تو ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے۔"

یوحنا 17 : 3 میں ہے۔

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔"

توحید کی ان واضح تعلیمات کی موجودگی میں اہلِ کتاب سے قرآن کا یہ مطالبہ کتنا معقول ہے کہ وہ بھی ان نصوص کی روشنی میں اپنے عقائد کا جائزہ لیں اور جو باتیں ان کے بالکل خلاف، محض بدعات و متشابہات کی پیروی کر کے، انہوں نے اپنے عقائد میں شامل کر لی ہیں ان سے اپنے عقائد کو پاک کریں۔ پھر آخر میں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر یہ لوگ اپنے ہی نبیوں اور صحیفوں کی تعلیمات سے اعراض کرتے ہیں تو تم یہ واضح کر دو کہ ہم تو ان حقائق سے اعراض کرنے والے نہیں ہیں۔ ہم تو اپنے آپ کو اسی رب واحد کے حوالے کرتے ہیں اور یہی در حقیقت اصل اسلام ہے۔ متعدد مقامات پر قرآنِ حکیم سے مزید اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً آیت نمبر 25 سورۃ الانبیاء:

ترجمہ: "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی معبود بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو۔"

گویا توحید کی یہ دعوت جو میرا رسول مکرم تمہیں دے رہا ہے، یہ کوئی انوکھی دعوت نہیں بلکہ

Marfat.com

نبوت و رسالت کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے اور جو حضرات اس منصب پر فائز ہوئے ہیں سب نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے قبیلوں اور قوموں کو یہی دعوت دی ہے۔ شریعت و احکام میں حالات کے پیش نظر تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن عقیدۂ توحید میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

لہٰذا، ثابت ہوا کہ اگر مختلف اُمتوں کے مختلف الہامی مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان اگر اتحاد و یگانگت پیدا کرنی ہے، ان میں ہم آہنگی پیدا کرنی ہے، ان کے درمیان نفرت و تعصب کی خلیجوں کو کم کرنا ہے تو اسی کلمہ کی بنیاد پر ایسا کرنا ہوگا۔

کہ یہ کلمہ کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ کائنات کی روشن ترین سچائی ہے۔

دورِ جدید میں بین المذاہب اتحاد کی حقیقی اور محکم بنیاد یہی کلمۂ مشترک یا کلمۂ مُسلّم بن سکتا ہے۔

آیت کے آخر میں یہ بات بھی واضح فرمادی کہ اگر یہ اہلِ کتاب توحید کی اس مشترک حقیقت کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو تم ان کو صاف صاف سنادو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مُسلم ہیں۔

بِـاَنَّا مُسْلِمُوْنَ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہی توحید اس سپردگی اور حوالگی کی روح ہے جس سے اسلام عبارت ہے اور جو اصل مطلوب و مقصود ہے۔ جس کو یہ توحید حاصل نہیں۔ اس کو اسلام حاصل نہیں اور جس کو اسلام حاصل نہیں اس کو خدا حاصل نہیں۔

یعنی قرآن کا اہلِ ایمان سے یہ مطالبہ اور تقاضا ہے کہ وہ اپنے دین و ایمان پر جرأت، بے باکی اور استقلال سے جم جائیں۔ کاربند ہو جائیں اور کاربند رہیں اور اس کا اعلان بھی کریں۔ وہ یہود و نصاریٰ کے سامنے اپنے عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت پر بلکہ دین کے تمام بنیادی عقائد پر شرمسار نہ ہوں۔ معذرت خواہانہ انداز اختیار نہ کریں جیسا کہ آج کل کے بعض مسلمان اپنے آپ کو "بنیاد پرست" کہلوانے کے خوف سے کرتے ہیں۔

اہلِ مغرب کو اپنا رب نہ سمجھ بیٹھیں:۔

اس آیت میں یہ بات جو آئی ہے کہ:

> "ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے" بڑا قابل غور فقرہ ہے اور اس کی وضاحت دوسرے مقام پر ہوئی ہے کہ اہلِ کتاب نے اس ہدایت کے برخلاف اپنے "احبار و رہبان" کو رب بنالیا۔

اس پر بعض اہلِ کتاب کی طرف سے آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا کہ "ہم احبار و رہبان کو رب تو

Marfat.com

نہیں مانتے۔"

حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا ہے۔

"کیا یہ بات نہیں ہے کہ جس چیز کو وہ حرام ٹھہرا دیں تم اس کو حرام ٹھہرا دیتے ہو اور جس چیز کو حلال ٹھہرا دیں، اس کو حلال۔"

سائل نے اقرار کیا کہ یہ بات تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"یہی ان کو رب بنا دینا ہے اور جب اس طرح کسی کی اطاعت کی جائے کہ اس کے لیے تحریم و تحلیل کا حق تسلیم کر لیا جائے تو درحقیقت یہ چیز اس کی عبادت کرنے کے ہم معنی ہے اگرچہ بظاہر اس کو سجدہ ورکوع کیا جائے یا نہ کیا جائے۔"

اس تشریح سے موجودہ دور میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عالمِ اسلام کے ممالک یعنی موجودہ اُمتِ مُسلمہ جو عموماً تیسری دنیا Third World کے ممالک ہیں اور معاشی طور پر یہود و نصاریٰ یعنی مغربی دنیا یا 1st World کے ممالک کے دست نگر ہیں۔ ان سے معاشی امداد حاصل کرتے ہیں۔ انھیں اپنا رب نہ سمجھ بیٹھیں بلکہ اس آیت کے اس فقرے کی روشنی میں اللہ کے حرام و حلال کی سختی سے پابندی کریں۔ اللہ کے حرام کو حرام جانیں اور اللہ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے، انہیں حلال سمجھیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں مقیم مسلمان وہاں رہتے ہوئے حلال و حرام کے معاملے میں خصوصی احتیاط برتیں اور مسلمان ممالک میں مقیم مسلمان بھی ان ممالک سے درآمدہ اشیا کے ضمن میں بالخصوص محتاط رہیں۔

ضروری ہے کہ ہم مسلمان حدود اللہ کی پابندی کریں اور اللہ کی قدر پہچانیں جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق ہے۔ یعنی

﴿1﴾ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کریں۔

﴿2﴾ حقوق اللہ کی ادائیگی سے غفلت نہ برتیں۔ حقوق اللہ درج ذیل ہیں۔

(1) اطاعتِ الٰہی۔ (2) عبادتِ الٰہی۔ (3) محبتِ الٰہی۔

(4) خشیتِ الٰہی۔ (5) ذِکرِ الٰہی۔ (6) شُکرِ الٰہی

گلوبلائزیشن (Globalization) کے اس دور میں جب اقوامِ عالم انفارمیشن ٹیکنالوجی اور کمیونیکیشن کی تیز رفتار ترقی کی بدولت ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئی ہیں، ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ مسلمانانِ عالم تحریم و تحلیل کے الٰہی اصولوں پر اور زیادہ راسخ ہو جائیں، تا کہ اہلِ کتاب نے احبار و رہبان کو

Marfat.com

جس طرح اپنا رب بنالیا تھا، مسلمانانِ عالم ترقی یافتہ دنیا یا مغربی دنیا (First World Countries) کو اپنا رب نہ بنالیں۔ دانستہ یا نادانستہ کسی طور پر بھی نہیں۔ یعنی ان کے حلال کو حلال نہ سمجھ بیٹھیں اور ان کے حرام کو حرام نہ گردانیں۔ (اللہ نہ کرے)

تاریخ بتاتی ہے کہ بحیثیتِ مجموعی یہود و نصاریٰ جنہیں کتاب اللہ کی وراثت سونپی گئی تھی دونوں اصل دینِ توحید کے خادم اور مبلّغ کے طور پر ناکام ہوئے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء ورسل نے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس وضاحت سے نبیٔ موعود کا ذکر کیا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے جدِامجد ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کی روشنی میں اپنے قبیلوں کو ہر دور میں تیار کرتے رہے کہ جونہی اس نبی مکرم ﷺ کی بعثت ہو وہ اُس پر ایمان لانے میں تاخیر نہ کریں اور اُس کے دست و بازو بن کر اُس کے فرائض کی تکمیل میں اپنا حصہ ادا کریں۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اہلِ کتاب ہر دور میں اس آخری نبی کی آمد کے منتظر رہے اور اپنے ہم عصروں کو بھی ذہنی طور پر تیار کرتے رہے کہ وہ بھی اس عظیم رسول کو پہچاننے اور اس پر ایمان لانے میں پیچھے نہ رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل وراثت توحیدِ خالص، حنیفیت (یعنی شرک سے نفرت اور توحید کے لیے یکسوئی) ہے لیکن بنی اسرائیل نے دین کی بنیادی تعلیمات میں ایسے رخنے ڈالے کہ توحید اور آخرت کے بارے میں حقیقی تصور ہی مفقود ہو گیا۔

لہٰذا، اللہ تعالیٰ نے دعائے خلیل کو جب بنی اسماعیل کے حق میں قبول فرمالیا اور نبیٔ موعود تشریف لے آئے تو قرآنِ حکیم میں اللہ نے فرمایا کہ:

> ''اے نبی ﷺ آپ کہیئے کہ اے اہلِ کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو تم میں اور ہم میں مشترک ومسلّم ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔''
>
> یعنی اہلِ کتاب کو ان کے بنیادی عقیدے اور ورثے کی طرف بلاؤ۔

یہ فرض اس لیے سونپا گیا کہ نبیٔ محترم کی اُمت کو خیر اُمتہ کا منصب تفویض ہوا۔ یہ ذمہ داری اس لیے سپرد کی گئی کہ نبیٔ مکرم کی اُمت کو اُمتِ وسط کا منصب عطا ہوا۔

میثاقِ مدینہ:۔

سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے وقت تین یہودی قبائل مدینہ کے مضافات میں اپنی

Marfat.com

الگ بستیوں میں رہتے تھے۔ ان بستیوں میں ان کی عبادت گاہیں بھی تھیں اور مدرسے بھی۔ اُن کا اثر پورے علاقے میں محسوس کیا جاتا تھا۔ اہلِ کتاب ہونے کے باعث قرآن کے مخاطب وہ بھی تھے۔

ہجرت کے بعد نبی ﷺ ان کے پڑوس میں مقیم ہو گئے۔ لہٰذا اب یہود بلاواسطہ دین کی دعوت کے مخاطب تھے اور اُن سے راہ و رسم رکھنا ضروری ہو چکا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مواخات کے بعد دوسرا کام مختلف قبائل کے حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین کے لیے تحریری معاہدہ ''میثاقِ مدینہ'' کیا۔

اس دستاویز میں میثاق کی دو پارٹیوں میں سے یثرب کے یہود کی ذمہ داریوں کا تعین بھی کیا گیا۔ ان کو اہلِ ایمان کے ساتھ کا ایک ایسا گروہ تسلیم کیا گیا جو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بھی مشترکہ مفادات کے لیے مسلمانوں کے ساتھ کام کرے گا۔ اس ضمن میں بنوعوف، بنوالحارث وغیرہ کے نام آئے ہیں وہ اوس و خزرج کے ذیلی خاندانوں کے نام ہیں۔

بنی اسرائیل کے یہود قبائل بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع الگ تھے اور اُن کے نام اس تحریر میں نہیں آئے۔ گویا میثاق کی تحریر ان کے لیے نہیں تھی۔ ''حیاتِ رسولِ اُمی'' نامی کتاب جس کے مصنف خالد مسعود تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی ہیں، کے صفحہ 284 سے اقتباس ہے:

> ''ایک اور غلط فہمی جس کا شکار ہمارے سیرت نگار ہوئے ہیں، یہ ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل یعنی قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع کو بھی از خود اس معاہدے میں شامل سمجھا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ گروہ بھی اسلامی حکومت کے تحت ایک اُمت کے اندر شامل اور نبی ﷺ کی فوقیت کو تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ حقیقت حال یہ نہیں ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے اپنی دعوت کو خالص دینِ توحید کا تسلسل قرار دیا اور یہود و نصاریٰ دونوں پر یہ واضح کیا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ آسمانی ہدایت کی حامل اُمت کی حیثیت سے اپنا فرض پہچانیں اور آگے بڑھ کر اللہ کی اتاری ہوئی نئی ہدایت کو اختیار کر لیں۔ وہ اپنی کتابوں کے ذریعے پہلے سے آئندہ زمانوں میں ایک عظیم المرتبت رسول کی بعثت کا علم رکھتے ہیں اور وہ اپنے رسولوں سے یہ عہد بھی کر چکے ہیں کہ جب وہ رسول مبعوث ہوں گے تو وہ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کے مشن کی تکمیل میں ان کی معاونت کریں گے لہٰذا اس وقت اگر اہلِ کتاب اسلام کی دعوت کے خلاف محاذ آرائی کریں گے تو یہ اُس عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ٹھہریں گے۔

مکہ میں اہلِ کتاب قرآن مجید کے اصل مخاطب نہیں تھے۔ نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد صورتِ حال

Marfat.com

بدل گئی۔ دعوت کے اسلوب میں بڑی تبدیلیاں آئیں اور اہلِ کتاب سے راست خطاب بھی ہوا۔

علامہ شبلی نعمانی نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع اصلاً عرب تھے جنہوں نے یہودیت اختیار کرلی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید، یہود لیڈروں سے ''یا بنی اسرائیل'' کے الفاظ سے خطاب نہ کرتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے نسلی یہودیوں کو ''یا بنی اسرائیل'' سے اور غیرنسلی یہودیوں کو یا مجموعی طور پر تمام یہود و نصاریٰ کو ''یا اہل الکتاب'' سے خطاب کیا ہے۔ لہٰذا، میثاق سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ غیرنسلی یہود سے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ نیز اہلِ کتاب سے مکالمے، مذاکرے اور ڈائیلاگ کا جواز بھی قرآن کی مذکورہ آیت سے ملتا ہے کہ اہلِ کتاب میں غیرنسلی یہود، نصاریٰ اور بنواسرائیل تینوں شامل ہیں۔

اسلام کی اصل مخالف قوت نسلی یہود تھے۔

1۔ یہ سیاسی اثر ورسوخ کے مالک تھے۔

2۔ شمالی حجاز میں اپنے ہم مسلک قبائل کے ساتھ ان کے مضبوط روابط تھے۔

3۔ عرب قبائل ان کی علمی فضیلت سے مرعوب تھے۔

4۔ قریش کی ان کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ وہ انہی سے دعوتِ اسلامی کی مخالفت میں مشورے لیا کرتے تھے اور نبی ﷺ کو زچ کرنے کے گر سیکھا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل یعنی نسلی یہود ہمیشہ اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔

1۔ وہ اللہ کا پسندیدہ گروہ ہیں اور اس کے انعامات کے حقدار۔

2۔ وہ پیشوائی اور قیادت کے لیے ہیں لہٰذا کوئی رسول بنی اسرائیل کے باہر سے نہیں آسکتا۔

3۔ انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی اگر غیرمعمولی جرائم کی بدولت جہنم میں ڈال دیئے گئے تو چند روز سزا دے کر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

جب ہجرت کے بعد یہود نے نبی ﷺ کی شخصیت کو اپنے درمیان پایا اور ان کے مواعظ سنے تو بنی اسماعیل سے نبی موعود کے ہونے کے باعث انہیں اپنی کم مائیگی کا شدید احساس ہوا اور یہی یہود کے اسلام لانے میں حجاب بن گیا۔ بہت کم علمائے یہود نے اسلام کی توفیق پائی۔ ان کی عظیم اکثریت کی ذہنیت نہ اُس وقت بدلی اور نہ آج تک اُس میں کوئی تبدیلی آئی۔

Marfat.com

تاریخِ اسلام اور کردارِ یہود:۔

ایک یہودیہ عصماء نامی شاعرہ تھی۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی شان میں بڑے گستاخانہ اشعار کہتی اور مسلمانوں کی ہجو میں عموماً شعر کہتی۔ ایک نابینا صحابی عمیرؓ بن عدی نے اس یہودیہ عصماء کا کام تمام کر دیا۔ حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا۔ ''اگر کوئی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی ہو تو وہ عمیر بن عدی کو دیکھے۔ دریدہ دہن، یہودی شاعر ابو عفک کی زبان حضرت سالم بن عمیر نے بند کر دی۔

بنو قنیقاع کی بدعہدی:۔

نبی ﷺ نے یہودی قبائل کے ساتھ ناطرف داری یا غیر جانبداری کے معاہدے کر رکھے تھے لیکن وہ چوں کہ پہلے سے قریش کے ساتھ ربط ضبط رکھتے تھے اور ان کی ہمدردیاں قریش کے ساتھ تھیں اس لیے وہ در پردہ ان کو مشورے دیتے کہ مسلمانوں کو قدم جمانے کا موقع نہ دیں۔ جنگِ بدر کی آگ بھڑکانے میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسروں سے مسلمانوں کو زک پہنچوائیں اور اپنے اوپر الزام بھی نہ آنے دیں۔ چناں چہ جنگِ بدر میں وہ خود سامنے نہیں آئے۔ قرآن مجید نے اُن کے شیطانی رول کی خبر دی اور یہ ہدایت دی کہ اگر وہ معاہدہ کی پاسداری نہیں کرتے تو تم بھی معاہدہ اُن کے منہ پر پھینک دو۔ (آیت نمبر 56، 57، 58 سورۂ انفال)

> ''وہ لوگ جن سے تم نے عہد لیا، پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور (اس بدعہدی سے) وہ ڈرتے نہیں۔ اگر تم ان کو جنگ میں پا جاؤ تو انہیں ایسی مار مارو کہ جو اُن کے پیچھے ہیں اُن کو بھی تتر بتر کر دو تا کہ اُن کے ہوش ٹھکانے ہوں اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا خطرہ ہو تو تم بھی اس طرح اُن کا عہد اُن پر پھینک مارو۔ اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر کے معاملے میں بنو قنیقاع کا ہاتھ نبی ﷺ کو نظر آیا۔ ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ بنو قنیقاع پہلے یہود تھے، جنہوں نے اس معاہدے کو جو ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان تھا، توڑ ڈالا۔ حضور ﷺ اُن کو اُن کا عہد یاد دلانے کے لیے اُن کی بستی میں تشریف لے گئے اور اُن کو خبردار کیا کہ وہ قریش کے انجام سے اپنے کو بچائیں۔ آپ نے واضح فرمایا کہ تم جس رسول کا ذکر اپنے صحیفوں میں پاتے ہو، وہ میں ہوں۔ اس رسول کے بارے میں خدا کے ساتھ تمہارا یہ عہد ہے کہ تم اس کی نصرت کرو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے۔ یہودیوں نے حضور ﷺ کی تقریر کے جواب میں بڑی رعونت دکھائی اور کہا۔

''اے محمد ﷺ! تم ہمیں اپنے ماتحت سمجھتے ہو۔ کسی بھول میں نہ رہو۔ تمہارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہوا جو یہ نہیں جانتے تھے کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے۔ تم نے ان کو نقصان پہنچالیا لیکن جب ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جنگجو لوگ کیسے ہوتے ہیں۔''

نبی ﷺ نے ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھے لیکن ان کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے باوجود بنوقنیقاع نے دشمنانہ رویہ نہیں بدلا۔ بازار قنیقاع میں ایک مسلمان خاتون کے ساتھ غلط رویہ اختیار کیا گیا جس کے نتیجے میں ایک یہودی کو قتل کیا گیا اور جواباً ایک مسلمان کا قتل ہوا۔ اس کے قبیلے نے مسلمانوں کو پکارا۔ جنگِ بدر کے موقع پر بدعہدی کے مُرتکب تو تھے ہی، اس طرح ان کے خلاف اقدام کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں نے ان کی بستی کا محاصرہ کرلیا۔ پندرہ روز بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سردارِ منافقین عبداللہ بن ابی کے اصرار پر حضور ﷺ نے ان کی جان بخشی تو کردی لیکن ان کو مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا چنانچہ وہ شام کی جانب چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضور ﷺ نے باقی دونوں قبیلوں سے غیر جانبداری کے معاہدے کی تجدید کروائی۔ کعب بن اشرف یہودی نے نبی ﷺ سے دشمنی کا برملا اظہار کیا۔ آپ کی ہجو میں اشعار کہتا اور لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارتا۔ وہ بنونضیر سے تھا اور ذاتی حیثیت سے عملاً اس نے معاہدہ کی دھجیاں اڑادیں جو بنونضیر اور مسلمانوں کے درمیان تھا۔ قبیلے والوں نے اس سے اغماض برتا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں نے اُس دشمنِ اسلام کا خاتمہ کردیا۔

منافقین یہود کے آلۂ کار تھے:۔

منافقین بھی یہود میں سے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انہی کے وفادار اور آلۂ کار رہے۔ یہ انہی کے مقاصد کو پورا کرتے اور انہی کی رہنمائی میں چلتے۔

اصلاحات کا دور اور یہود کا طرزِ عمل:۔

مدینے میں جب دینِ اسلام کی اساس پر نیا معاشرہ قائم ہوا تو ایک تدریج سے اجتماعی معاملات میں دین کی رہنمائی عطا ہونے لگی۔ چوں کہ اسلامی شریعت یہودی شریعت کی جگہ لے رہی تھی اس لیے یہود کو اس کی ترویج میں اپنی خود ساختہ شریعت کا خاتمہ نظر آتا تھا۔ اب تک ان کو جو مقام حاصل تھا اور مشرکینِ عرب ان کی علمی فوقیت و برتری کو تسلیم کرتے تھے، ان کو اپنی تہذیب، رسوم ورواج اور معاشرے میں اپنا علمی تفوق ختم ہوتا نظر آیا (یعنی اس دور کے یہود کو مسلمانوں کی تہذیب وتمدن سے اپنے تہذیب وتمدن اور Status کی موت نظر آتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی غالباً وہ

Marfat.com

دنیا کو تہذیبوں کے تصادم کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔) بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان قضیہ تھا۔ آپ ﷺ کو یہود کی بدنیتی کے پیشِ نظر یہ اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو ان کی ذمہ داری قبول کریں اور چاہیں تو اس سے انکار کر دیا کریں۔

جنگِ اُحد کے بعد قریش و یہود مسلمانوں کے خلاف قدرے زیادہ متحرک ہو گئے۔ انہی دنوں یہ سازش بھی تیار کی گئی کہ بعض قبائل مسلمانوں کو دین سیکھنے کے لیے بلائیں اور جب وہ آ جائیں تو ان کو مکروفریب سے قتل کر دیا جائے۔ یہ انداز خالص یہودی ذہنیت سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہود، مصلحین کو ماضی میں بھی قتل کرتے رہے۔ غزوۂ اُحد کے بعد مسلمان مبلغین کے قتل کے جو واقعات پیش آئے، ان میں اس بات کا امکان ہے کہ یہ یہود کے ذہن کی پیداوار ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے نمایاں مثال بیر معونہ کا حادثہ ہے جس کا ذمہ دار یہودی قبیلہ بنو نضیر کے حلیف قبیلے بنو عامر صعصعہ کا سردار ابو براتھا۔ آپ ﷺ نے ایک ماہ تک ظالم قبائل کے خلاف قنوتِ نازلہ (مصیبت میں ظالموں کے خلاف دعا) پڑھی۔ انہی دنوں اس طرح کا واقعۂ الرجیع پیش آیا۔

غزوۂ بنو نضیر کے اسباب:۔

غزوۂ اُحد کے ظاہری نتائج سے اسلام کے دشمنوں کو اس بات کا حوصلہ ملا کہ وہ مسلمانوں کو ناقابلِ تسخیر نہ سمجھیں، اپنی قوت کو پھر سے مجتمع کریں اور بہتر منصوبہ بندی کر کے اسلام کی بیخ کنی کا اقدام کریں۔ مدینہ کے یہودی قبائل اگرچہ نبی ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیے ہوئے تھے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف مسلمانوں کی جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے لیکن جنگِ اُحد میں انہوں نے عملاً ایسا کرنے سے گریز کیا۔ درپردہ اس جنگ کی آگ انہی کی بھڑکائی ہوئی تھی۔ بنو نضیر کے سردار کعب بن الاشرف کا قتل انہی بنا پر ہوا تھا کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے ساتھ اس کی عداوت ڈھکی چھپی نہ تھی اور اس نے قریش کی جنگی منصوبہ بندی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جنگِ اُحد کے نتائج نے بنو نضیر کو جری کر دیا۔ انہوں نے کئی شکلوں میں معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ نبی ﷺ نے آپس کی بے اعتمادی دور کرنے کی خاطر بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں سے کہا کہ وہ معاہدہ کی تجدید کریں۔ بنو قریظہ نے یہ بات مان کر اس تجویز کے مطابق نیا معاہدہ کر لیا لیکن بنو نضیر نے لیت ولعل سے کام لیا۔ مزید انہوں نے اسکیم بنائی کہ آنحضرت ﷺ کو بلا کر عیاری سے آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ بالآخر جنگِ اُحد کے چھ ماہ بعد ربیع الاول 4 ہجری میں نبی ﷺ نے اس قبیلہ کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا۔

Marfat.com

بنو نضیر کے خلاف کارروائی کا فوری سبب جو بھی رہا ہو، روایات سے معلوم ہوتا ہے نبی ﷺ نے محمد بن مُسلمہ انصاریؓ کے ذریعے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ چوں کہ وہ معاہدۂ امن سے نکل گئے ہیں لہٰذا، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ازخود مدینہ کے نواح سے نکل جائیں۔ بنو نضیر کے لیے یہ نوٹس ایک بلائے ناگہانی تھا جس کی انہیں کوئی توقع نہیں تھی۔ یوں بھی وہ اپنے آپ کو کافی مضبوط خیال کرتے تھے۔ انہیں اپنے قلعوں اور گڑھیوں پر بڑا ناز تھا۔ تقریباً تین ہفتے قلعہ بند رہنے کے بعد انہوں نے جلاوطنی قبول کر لی اور بنو نضیر مدینہ سے 80 میل دور یہود کی آبادی خیبر میں جا بسے۔

غزوۂ احزاب:۔

خیبر میں قیام کی ابتدائی مشکلات پر قابو پاتے ہی سرداران بنو نضیر اسلام کے خلاف نئی سازش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کی مخالف تمام قوتوں کو مجتمع کیا۔ جنگِ احزاب کی تمام تر حکمتِ عملی یہود نے تیار کی تھی لیکن حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر مسلمانوں نے ایک نئی تکنیک اختیار کی یعنی مدینے کے اطراف میں خندق کھودی۔ لہٰذا کسی بڑے حملے کی کوئی صورت دشمن کے لیے ممکن نہ ہو سکی۔ البتہ مدینہ کا محاصرہ جاری رہا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی:۔

محاصرہ کے ابتدائی دنوں میں بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کے سبب سے جنگ سے کنارہ کش رہے۔ حیی ابن اخطب (بنو نضیر کا سردار) نے مسلمانوں کی قوت کو تقسیم کرنے کی غرض سے یہ چال چلی کہ بنو قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا۔ نبی ﷺ کو بنو قریظہ کی بدعہدی کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار کے چند سرداروں کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ بدعہدی کی تصدیق ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو، آپ ﷺ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ یہود کے واحد باقی ماندہ قبیلے نے بدعہدی کر کے ازخود اس بات کے اسباب فراہم کر دیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے مدینہ کی سرزمین کو پاک کر دے۔

غزوۂ بنو قریظہ:۔

جنگِ خندق کے دوران بنو قریظہ کی عہد شکنی نے مسلمانوں کو شدید خطرے سے دوچار کر دیا۔ انہوں نے

نہ صرف حملہ آوروں کی مدد کی بلکہ خود بھی دہشت گردی کی کوشش کی۔ انصار کا جو وفد ان کے پاس بھیجا گیا تھا اس کے ساتھ ان کا سلوک نہایت تحقیر آمیز تھا۔ جب احزاب (مسلمانوں کے خلاف مجتمع یہود و مشرکین اور عرب قبائل) محاصرہ اٹھا کر واپس چلے تو بنو قریظہ کی آنکھیں کھلیں۔ اب انہیں بنو نضیر کا انجام یاد آیا۔ نبی ﷺ نے قبل اس کے کہ بنو قریظہ اپنے تحفظ کے لیے کمک حاصل کر سکیں جنگِ خندق سے فارغ ہوتے ہی ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ یہود کا منصوبہ ساز اور سازشی لیڈر حیی بن اخطب بنو قریظہ کے یہاں مقیم تھا۔ اس لیے وہ بھی کسی دوڑ دھوپ کے لیے آزاد نہ تھا۔

محاصرہ، طویل ہوتا گیا اور کہیں سے مدد ملنے کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ جب محاصرے کی مدت پچیس دن ہو گئی تو یہود کی ہمت جواب دے گئی۔ قبیلۂ اوس نے جو ان کا حلیف تھا، ان کے حق میں سفارش کی۔ نبی ﷺ نے اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اوس کے سردار سعد بن معاذؓ کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنے کا اعلان کیا۔ سعد بن معاذؓ نے فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی عہد شکنی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی پاداش میں قبیلہ کے تمام مردوں کو قتل، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور اُن کی املاک پر قبضہ کر لیا جائے۔ چناں چہ اسی فیصلے کو نافذ کیا گیا۔ اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''سعد، تم نے سات آسمان اوپر خداوند کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔'' اس طرح نبی ﷺ کی اس خوشخبری کے حقیقت بننے کا موقع پیدا ہو گیا جو آپ نے بنو قریظہ کی عہد شکنی پر کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی سرزمین کو مارِ آستین بنے ہوئے یہود سے پاک کر دیا۔

یہود کے جرائم:۔

آنحضرت ﷺ کے خلاف یہود کی ریشہ دوانیاں اتفاقی یا عارضی نہ تھیں بلکہ ان کی اس عادت کا مظہر تھیں جس کا مظاہرہ زمانۂ قدیم سے وہ کرتے رہے تھے اور جس کے باعث یہود کو انبیأ بنی اسرائیل نے ہمیشہ لعنت کا مستحق قرار دیا۔ تاہم قرآن مجید نے نبی ﷺ کو یہ ہدایت دی کہ وہ یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں تک یہ پیغام پہنچائیں کہ یہ دونوں گروہ جب تک تورات اور انجیل کی تعلیمات کو زندگی کے معاملات میں داخل ہونے کا موقع نہیں دیں گے اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی ان کے احکام و قوانین کے مطابق بسر نہیں کریں گے، بالخصوص نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں پیش گوئیوں کے تقاضے پورے نہیں کریں گے تو ان کی کوئی دینی حیثیت نہیں ہے کیوں کہ مدینہ کے یہودی قبائل اپنے صحیفوں کی تعلیم کی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر رہے اور فساد سے باز نہیں آتے تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان کو اللہ اور

Marfat.com

رسول ﷺ کے خلاف نبرد آزما ہو جانے والوں اور ملک میں فساد پھیلانے والوں یعنی محاربین کی صف میں شمار کرتے ہوئے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔

بعدازاں اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن نے ایک مستقل پالیسی دے دی۔ جس کے تحت وہ جزیہ ادا کر کے ذمیوں کی حیثیت سے اسلامی حکومت میں رہ سکتے ہیں۔ سورۂ توبہ، آیت 29 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ان اہلِ کتاب سے جو نہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے، نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دینِ حق کی پیروی کرتے، جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔''

یہود کو جنگِ خیبر میں شکست ہوئی:۔

محرم 7 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے یہود کا زور ختم کرنے کے لیے خیبر پر حملے کا فیصلہ کیا۔ قرآن کی براہ راست ہدایت کے مطابق آپ ﷺ نے صرف بیعت رضوان کرنے والے صحابہ کو ساتھ لیا اور دوسروں نے اگر شرکت کی درخواست بھی کی تو اس کو منظور نہیں فرمایا۔

قریش ہمیشہ یہود کی خیر خواہی کرتے تھے لیکن اس مرتبہ معاہدہ حدیبیہ طے پانے کے باعث وہ کسی طرح کی مدد پہنچانے سے قاصر تھے۔ یہود کو اپنی لڑائی خود لڑنی پڑی۔ خیبر کے بیشتر قلعے فتح ہو گئے۔ جب یہودیوں میں مقابلے کی سکت نہ رہی تو انہوں نے صلح کی درخواست پیش کی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ تمام املاک مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گی لیکن زراعت کا کام یہودی فی الوقت جاری رکھیں گے۔ نصف پیداوار ان کی ہوگی اور نصف نئے مالکوں کی۔ نیز یہ بندوبست مستقل نہیں ہوگا۔ مسلمان حکومت جب چاہے گی یہود کو بے دخل کر سکے گی۔ خیبر کے حالات دیکھتے ہوئے نواح کی یہودی آبادیوں فدک اور وادیٔ القریٰ وغیرہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے ادھر رخ کرنے سے پہلے انہی شرائط پر صلح کر لی جن شرائط پر خیبر میں معاملہ ہوا تھا۔

اہلِ ایمان اور نصاریٰ:۔

ہجرتِ حبشہ:۔

بعثتِ رسولِ مکرم ﷺ اور آپ کی دینِ حق کی تبلیغ کے بعد جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے ان پر قریش کا ظلم وستم کا بازار گرم سے گرم تر ہوتا گیا۔ جب اہلِ ایمان کے لیے مکہ کی سرزمین واقعی تنگ

ہوگئی۔ اسلام کا نام لے کر کوئی شخص اپنے آپ کو معاشرے کے غیظ وغضب سے بچا نہیں سکتا تھا۔ جب حالات تشویشناک حد تک نازک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جو خاص طور پر مصائب کا نشانہ بنے ہوئے تھے، حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دی کیوں کہ وہاں کا عیسائی حکمران اصحمہ اپنی رحم دلی اور عدل گستری کی بڑی شہرت رکھتا تھا اور اس کے ملک میں امن وامان کا دور دورہ تھا۔ اہلِ ایمان میں سے پہلا گروہ جس نے ہجرت کی، گیارہ مردوں اور پانچ خواتین پر مشتمل تھا۔ یہ ہجرت رجب 5 نبوی میں ہوئی۔

جب پہلے گروپ کے حبشہ بخیر وعافیت پہنچنے اور وہاں کی حکومت کے اس پر اعتراض نہ کرنے کی خبر مسلمانوں کو ملی تو پھر ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ قریش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو حبشہ میں ایک پناہ گاہ میسّر آ گئی تو انہوں نے وہاں بھی ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ نجاشی کے لیے اور ان کے مذہبی رہنماؤں کے لیے ہدایہ لے کر دو آدمی حبشہ پہنچے اور نجاشی سے درخواست کی کہ اے بادشاہ! ہمارے کچھ بیوقوف نوجوان آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ یہ اپنا آبائی دین چھوڑ چکے اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ یہ ایک نیا دین پیش کرتے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ آپ۔ درباریوں اور مذہبی رہنماؤں نے بھی قریش کے وفد کی ہاں میں ہاں ملائی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کر کے قریش کا بیان ان کے سامنے رکھا اور جواب طلب کیا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے اپنے دین کی تعلیمات کی وضاحت کی اور کہا کہ ہم نے اس کی تصدیق کی اور ایمان لائے اور اس دین کی پیروی کی۔

قریش کے نمائندوں نے نجاشی کے دینی جذبات کو بھڑکانے کی غرض سے اس سے کہا کہ نیا دین پیش کرنے والا آپ کے پیغمبر عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بڑی غلط باتیں منسوب کرتا ہے۔ اس پر اس نے مسلمانوں کا نقطۂ نظر معلوم کیا۔ جواباً حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم تلاوت کی۔ نجاشی سنتا جاتا اور روتا جاتا تھا۔ نجاشی نے کہا کہ ''اللہ کی قسم، تم نے جو کچھ کہا، یہ تعلیم اور عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ لائے ایک ہی منبع سے نکلنے والی روشنی ہیں۔'' اس صورتِ حال کو دیکھ کر قریش کے وفد کو نامراد لوٹنا پڑا۔ مسلمانوں نے بادشاہ کے دل میں اسلام کا نور ڈال دیا۔ نتیجتاً وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔

حبشہ کے عیسائی وفد کا قبولِ اسلام:۔

اہلِ حبشہ نے مسلمانوں سے حضور ﷺ کی بعثت اور آپ کی تعلیمات کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ قریش کے ظلم وستم کے واقعات سنے اور مسلمانوں کے کردار کا مشاہدہ کیا۔ چناں چہ ان کا ایک گروہ مشاہدۂ احوال اور رسولِ اکرم ﷺ سے ملاقات کے لیے مکہ آیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی تصدیق

Marfat.com

کی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور حبشہ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد نجاشی کو بھی خود نبی ﷺ نے خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔

شاہ نجاشی کے نام مکتوب:۔

"قُلْ یٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ کے عین مطابق یوں ہے اور اللہ کی طرف حکمت سے بلانے کا عملی نمونہ ہے۔" خدائے رحمٰن اور رحیم کے نام سے، محمد رسول ﷺ کی جانب سے حبشہ کے حکمران نجاشی کے نام۔"

"سلامتی ہو اس پر جو ہدایت اختیار کرے۔ اس کے بعد میں تمہارے سامنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو بادشاہ حقیقی، پاک ذات، سراپا سلامتی، امن دینے والا، تحفظ دینے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کا امر اور اس کا وہ کلمہ ہیں۔ جس کو اس نے کنواری، پاکباز اور پاکدامن مریم پر القاء کیا تو وہ اس کے امر اور پھونک سے حاملہ ہو گئیں۔ یہ اسی طرح ہوا جس طرح اللہ نے آدم کو اپنی قدرت سے تخلیق کیا۔

میں آپ کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت پر باہم تعلق کی دعوت دیتا ہوں۔ میں دعوت دیتا ہوں کہ آپ میری پیروی کریں اور اس پیغام پر ایمان لائیں جو میرے پاس آیا ہے کیوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں آپ کو اور آپ کے تمام لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور حق نصیحت ادا کر دیا۔ پس آپ اس نصیحت کو قبول کریں۔ سلامتی اسی پر ہے جو ہدایت پر چلے۔" محمد رسول اللہ ﷺ"

نجاشی نے خط کا مضمون سنا تو بے حد متاثر ہوا۔ نامۂ مبارک کو بوسہ دیا اور سر پر رکھ لیا۔ اس کے بعد جواب میں لکھا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔

وفدِ نجران:۔

نصاریٰ کو مسجدِ نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دی:۔

آمد سنہ 9 ہجری، تعداد ساٹھ سوار، جن میں 24 بڑے سردار تھے اور تین صائب الرائے، ذی اثر نصرانی عالم تھے۔

Marfat.com

نجران یمن کا ایک ضلع تھا جو مکہ سے سات منزل کی مسافت پر تھا۔ کعبہ کی طرح یہاں عیسائیوں کا عظیم کلیسا تھا جو کعبۂ یمانیہ کہلاتا تھا۔ اس گرجے کے تحت تہتر گاؤں تھے جن میں آباد جنگجو افراد کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان نصاریٰ کا ایک وفد مدینہ آیا۔ یہ لوگ عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اپنی عبادت کرنا چاہی تو صحابہ نے مزاحمت کی۔ رسول ﷺ نے اجازت دی۔ مشرق کی طرف رخ کر کے عبادت کی۔

آنحضرت ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت کا خط لکھا تو یہ لوگ دریافتِ حال کے لیے مدینہ آئے۔

انہوں نے مختلف سوالات کیے جن کے آپ ﷺ نے وحی کی رو سے جوابات دیئے۔ علمائے نجران پر حق واضح ہوگیا۔ لیکن انہوں نے دانستہ اتباعِ حق سے انکار کر دیا۔ انہوں نے پوچھا آپ ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا۔ آج میرے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو وحی کرے گا وہ بتادوں گا۔ اگلی صبح سورہ آل عمران کی آیات 59 تا 61 کا نزول ہوا۔ اور آیتِ مباہلہ بھی شامل تھی۔

آیتِ مباہلہ کے نزول کے بعد ان لوگوں نے تین دن کی مہلت مانگی۔ اس دوران یہود سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی صفات تورات اور انجیل میں ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم صلح کرلو۔

نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم آپ ﷺ ہی کو حَکم تسلیم کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا ہر فیصلہ ہمارے لیے قابلِ قبول ہوگا۔

اہلِ نجران کے ساتھ معاہدہ:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"یہ وہ تحریر ہے جو محمد ﷺ نے جو نبی اور اللہ کا رسول ہے،

اہلِ نجران کے لیے لکھی۔ یہ تحریر اس حق کی بناء پر ہے۔ جو انہیں ان پر حکم کے طور پر حاصل ہے۔ اس کا اطلاق ہر کالے، سفید، سرخ، زرد، آزاد و غلام پر ہوگا اور وہی ان کے متعلق فیصلہ کرے گا۔

معاہدے کے مطابق دو ہزار حُلّے (حُلّہ ایک لباس ہے جس سے سارا جسم ڈھپ جاتا ہے) جن میں سے ایک ہزار زنانہ ہوں گے اور ایک ہزار مردانہ، دینا ہوں گے۔ ہر حُلّہ ایک اوقیہ کا ہوگا۔ متعینہ خراج سے جو کمی بیشی ہوگی اس کی ذمہ داری متعلقہ جماعت پر ہوگی کہ وہ حساب کتاب کر کے پورا کرے اور جو وہ سواریوں، گھوڑوں اور زرہوں کے متعلق

فیصلہ کریں گے، وہ بھی ان سے حساب کے مطابق لیا جائے گا۔

اہلِ نجران کے پاس میرے نمائندے بیس رات قیام کریں گے یا اس سے کچھ کم۔ اس دوران ان کے ذمہ تیس گھوڑے، تیس اونٹ، تیس زرہیں ہوں گی۔ یمن میں کسی قسم کا عذر ہوگا تو ان پر ذمہ داری ہوگی۔ اور میرے نمائندے جو چیز عاریت کے طور پر لیں گے ان میں سے جو ان سے ضائع ہوگی اس کی ذمہ داری میرے نمائندوں پر ہوگی تاکہ وہ اس کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

نجران اور اس کے رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری پوری ذمہ داری ہے۔ ان کے خون، ان کا مال، ان کی ملت، ان کے گرجے، ان کے مذہبی رہنما، ان کے پادری (اسقف)، ان کے موجود و غائب سب کے حقوق کی ذمہ داری ہم پر ہوگی، اس کے ساتھ ہی ہر چیز کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہوگی چاہے وہ تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں۔ اسی طرح ہمیں یہ حق نہ ہوگا کہ ہم ان کے کسی پادری، بشپ یا مذہبی رہنما کو تبدیل کریں۔ نہ ہی انہیں جنگی مہمات کے لیے جمع کیا جائے گا۔ نہ ہی ان سے عشر لیا جائے گا۔ نہ ہی کسی قافلے کے ذریعے ان کی زمین کو پامال کیا جائے گا اور جس نے ان سے کچھ ایسا مطالبہ کیا تو اس میں سے نصف اہلِ نجران کا ہوگا بشرطیکہ اس میں سود کی آمیزش نہ ہو۔ جو سود کھائے گا اس سے ہماری ذمہ داری ختم اور وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ ان کے ذمے محنت و مشقت اور خیر خواہی ہوگی۔ ان پر ظلم اور زیادتی کسی طرح کی نہ کی جائے گی''۔

اس معاہدے پر گواہ کے طور پر حضرت عثمان بن عفان معیقیب نے دستخط کیے۔

اُمت کے امین کے طور پر جزیہ کی وصولی کے لیے حضرت ابوعبیدہ ابنِ جراح کو ان کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور سرورِ انبیاء حضرت محمد ﷺ نے نصاریٰ سے معاہدہ کر کے ان سے ہمیشہ کے لیے اُمت کے روابط کا راستہ ہموار کر دیا۔ اور ان کی ذمہ داری لے کر نصاریٰ کو بھی اپنے دامنِ شفقت میں لے لیا۔

الہامی مذاہب کا موازنہ:۔

یہودیت:۔

یہودیت کی بنیاد دو عقیدوں پر ہے۔ اوّل خدا کی وحدانیت۔ دوم بنی اسرائیل کا خدا کی منتخب اور مخصوص اُمتِ ہونا۔ تمام الہامی مذاہب میں خدا کی وحدانیت موجود ہے اگرچہ اکثر جگہ بعد

کے اضافوں اور ترمیموں کی وجہ سے یہ عقیدہ کمزور اور دھندلا ہو گیا۔ مثال کے طور پر عیسائیت میں ابتدأ خدا کی وحدانیت کا تصور موجود تھا لیکن بعد میں تثلیث یعنی تین خداؤں کا چرچا ہو گیا۔

بہر کیف موجودہ دور میں توحید کی تعلیم اسلام کے علاوہ یہودیت میں ملتی ہے اگرچہ کہ اس کے ساتھ ساتھ ایسے عقائد بھی ہیں جن کی وجہ سے یہودیت بھی توحید خالص سے محروم ہو گئی ہے۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ خدا کے منتخب اور چہیتے بندے ہیں اور خدا سے ان کا تعلق خصوصی نوعیت رکھتا ہے، غلط سہی مگر بالکل بے بنیاد نہیں۔ قرآن نے فضیلت کا ذکر کیا ہے مگر یہ فضیلت کوئی نسلی یا موروثی فضیلت نہیں تھی بلکہ یہ فضیلت اس باعث تھی کہ خدا نے بنی اسرائیل کو اسلام کی دعوت ساری دنیا تک پہنچانے کے فریضے پر مامور کیا تھا۔ پھر جب بنی اسرائیل نے اس فریضے سے روگردانی کی تو ان کو مسندِ فضیلت سے اتار دیا گیا۔ یہود نے اپنی الہامی کتاب توریت میں من مانی تبدیلیاں کر ڈالیں۔ اپنی طویل تاریخ اور حکمرانی کے باوجود دنیا میں یہودیوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ یہودیوں کے اپنے دعوے کے مطابق اب ان کی آبادی دو کروڑ سے متجاوز ہے۔

عیسائیت یا نصرانیت:۔

موجودہ دنیا کی تیس فی صد سے زائد آبادی عیسائی مذہب کی پیرو ہے اور اس اعتبار سے وہ بہ لحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہودیت کی طرح عیسائی مذہب بھی درحقیقت براہیمی مذاہب کی شاخوں میں سے ہے۔ یہودیت سے بھی اس کا تعلق بہت ہی گہرا ہے۔ یہاں تک کہ ابتدأ عیسائیت کو (یہودی مذہب کی ایک شاخ ہی تصور کیا جاتا تھا۔ اس بنا پر عیسائیت کو) صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہودیت کی تاریخ اور اس کے پیروؤں کے حالات سے باخبر ہوں۔

آج سے تقریباً 2 ہزار سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کے قریب ایک مقام بیت اللحم میں کنواری مریم (علیہا السلام) کے بطن سے پیدا ہوئے۔ تیس سال کی عمر میں آپ نے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے جگہ جگہ وعظ کیے اور معجزوں کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیت نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ یہودیوں اور

Marfat.com

رومیوں دونوں کے مظالم اس مذہب کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تثلیث کا عقیدہ اگرچہ عیسائیت کے بنیادی عقائد میں سے ہے لیکن ہمارے پاس اس بات کے بڑے قوی دلائل ہیں کہ ابتدا میں یہ کوئی متفق علیہ عقیدہ نہ تھا۔ عیسائیت کی ابتدا میں بے شمار ایسے فرقوں کا نشان ملتا ہے جو عقیدۂ تثلیث کے قائل نہ تھے۔ بلکہ حضرت مسیح کو خدائے واحد کا بندہ تسلیم کرتے تھے۔ اناجیل کی متعدد عبارتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مسیح اپنے آپ کو صرف نبی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (چودھواں ایڈیشن) مضمون یسوع مسیح، مصنفہ چارلس اوررسن اسکاٹ۔

بلکہ ایک فرقہ اس وقت بھی موجود ہے جو اپنے آپ کو موحد کہتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کا قائل نہیں ہے۔ عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے جو عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید پر مشتمل ہے۔ عہد نامۂ جدید میں چار اناجیل شامل ہیں۔ متی، لوقا، مرقس اور یوحنا۔ ان چار اناجیل میں بھی باہمی اختلافات موجود ہیں۔ عیسائیوں کی تعداد اس وقت 80 کروڑ سے زیادہ ہے۔ اسلام دنیا کا دوسرا بڑا نظریۂ حیات یا دین ہے۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد 70 کروڑ سے متجاوز ہے۔ یہ فقط ایک مذہب نہیں ہے بلکہ ایک نظریۂ حیات، زندگی گزارنے کا طریقہ یا ایک دین ہے۔

بنیادی عقائد کے اعتبار سے نصاریٰ کے مقابلے میں یہود ہم سے زیادہ قریب ہیں۔ یہودیت کو ایک نسلی مذہب اور شریعت بنا دیا گیا یہودی اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ نہیں کرتے۔ یہ ایک (Closed Religion) بنا دیا گیا ہے۔ اسلام کی آمد سے پہلے ہی یہودیت اپنا اثر و نفوذ کھو چکی تھی اور ایک بند مذہب (Closed Religion) کا روپ اختیار کر چکی تھی۔

اہلِ کتاب (نصاریٰ) کی جانب مسلمانوں نے پہلے پہل دوستی اور طلبِ تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔

بین المذاہب اتحاد و یگانگت ہمارے ایمان کا جزو ہے:۔

اتحاد بین المذاہب ہم مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے

دینِ اسلام دین ہے۔

دینِ موسوی اسلام ہے۔

Marfat.com

دینِ عیسوی اسلام ہے۔

جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے۔سورۂ الانبیا آیت نمبر92

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ o

ترجمہ: ''(اے ان انبیا کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے اور میں تمہارا معبود ہوں بس میری بندگی کیا کرو۔''

یہ آیتِ شریفہ یہ واضح کرتی ہے کہ تمام انبیاء کرام نے ایک ہی عقیدے کی تبلیغ کی اور ایک دین کے پرچم کے نیچے ہی سب کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی اور وہ عقیدۂ توحید ہے۔آدم علیہ السلام سے لے کر سرورِ انبیاء حضرت محمد ﷺ سب نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔قرطبی کہتے ہیں یہاں اُمۃ کا معنی دین ہے۔بین المذاہب اتحاد کی بنیاد تو قائم کردی گئی کہ یہ سب الہامی مذاہب ہیں اور ان کا بنیادی عقیدہ ایک ہی ہے۔اس کا ایک اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ مسلمان مردوں کی اہلِ کتاب عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے ورنہ وہ بھی ختم کردی جاتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو اُمت ہے اس کے اعمال کیا رہے؟ اس کی بنیاد پر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت ونبوت اور آپ کی تعلیمات سے انکار نہیں کر سکتے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ماننے والے ہیں ان کے اعمال کیا رہے؟ اس کی بنیاد پر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ونبوت اور آپ کی تعلیم دی ہوئی شریعت سے انکار نہیں کر سکتے۔

حضور سرورِ انبیا ﷺ نے اُن اُمتوں کے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کی شریعتوں کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر ایمان لا کر ان کی تصدیق کرنے کا حکم دیا۔ان کی گمراہیوں کی مذمت اللہ تعالیٰ نے کی۔اللہ کے رسول ﷺ نے بھی گمراہی پر ان کی مذمت کی۔اتحاد بین المذاہب ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

مفاہمت بین المذاہب ہمارے ایمان کا حصہ نہیں ہے۔نظریہ ضرورت کے تحت ان سے مفاہمت کریں گے۔

مدینہ کی اسلامی ریاست کے مفاد میں نبی کریم ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا۔جب مدینہ کی ریاست کے مفاد کے خلاف انہوں نے کام کیے یا منافی سرگرمیاں اختیار کیں یا معاہدے کی خلاف ورزی کی تو ان سے اپنا شہر خالی کروا لیا گویا ثابت ہوا کہ تعلقات کے لیے عقیدے کو نہیں حکمتِ عملی (Strategy) کو بنیاد بنائیں گے۔

ایک اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ دنیا بھر میں سارے یہودی ایک جیسا طرزِ عمل نہیں رکھتے۔ نیز صیہونیت اور یہودیت میں فرق کرنا ضروری ہے۔تھیوڈور ہرسل نے صیہونی تحریک شروع کی۔ جو

Marfat.com

یورپ میں یہودیوں پر مظالم کے باعث شروع کی گئی ہم مذہبی انتہا پسندی کی مذمت کی بنیاد پر صیہونیت کی مذمت کرتے ہیں۔

صیہونی تحریک کی بدولت دنیا بھر میں کاروبار اور معیشت پر قبضہ کیا گیا۔ عالمی میڈیا پر قبضہ کیا گیا۔ یورو پی اور عیسائی دنیا کو ضمیر کا مجرم بنا دیا گیا۔ آج بھی امریکہ کے ٹی وی چینلز سے ہر وقت کسی نہ کسی چینل سے یہود پر مغربی دنیا اور عیسائی دنیا کے مظالم سے متعلق فلمیں دکھائی جارہی ہوتی ہیں اور اس طرح مغربی استعمار کو، عیسائی حکومتوں کو انہوں نے اپنے ضمیر کا مجرم بنالیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مغربی دنیا انہیں Undue favours دینے پر مجبور رہتی ہے۔

موجودہ دور کے بدقسمت واقعات کے باعث تین بڑے توحیدی ادیان یا مذاہب، اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں کے درمیان تقسیم اور کشیدگی بڑھتی جارہی ہے۔ گزشتہ چھ دہائیوں میں مسلمانوں اور یہودی کمیونیٹیز کے درمیان خلیج بڑھتی گئی ہے اور تعاون و پُرامن بقائے باہمی کے برخلاف ماحول پیدا ہوتا گیا۔

مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے بارے میں قرآنِ حکیم نے ایک مستقل پالیسی دے دی:۔

جو سورۂ توبہ کی آیت نمبر 29 میں بیان ہوئی۔ ’’کہ وہ جزیہ ادا کریں اور اسلامی مملکت میں رہ سکتے ہیں۔‘‘

اور یہی سبب تھا بیت المقدس کی فتح کے بعد یہ معاہدہ ہوا جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا، ترجمہ حسب ذیل ہے۔

’’یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال کو امن ہے، تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں

سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے گا تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے، اس پر خدا کا، رسولِ خدا ﷺ کے خلفاء، کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں، خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیان اور (یہ معاہدہ) 15 ہجری میں لکھا گیا۔" (بحوالہ: تاریخ ابو جعفر جریر طبریؒ)

گویا حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس سے یہودیوں کی پانچ سو سالہ جلاوطنی کو منسوخ کر کے انہیں بیت المقدس میں داخلے کی اجازت دی۔ عیسائیوں یا نصاریٰ کو امان دی۔ اگرچہ کہ معاہدۂ بیت المقدس کے مطابق عیسائیوں کے ساتھ یہود کو ایلیا میں (یعنی بیت المقدس میں) رہنے کی اجازت نہیں دی گئی نیز یہ کرم کیا کم تھا کہ ان کی ایلیا سے جلاوطنی ختم کر دی گئی اور اہلِ کتاب کے دوسرے گروہ کو امان دی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں اور یہودیوں کو قرطبہ، بغداد، استنبول اور بخارا میں باہمی امن وسکون سے ساتھ ساتھ رہنے کی مثالیں بھی ہیں۔ نیز مسلمانوں نے اپنی مفتوحہ سلطنتوں میں عیسائیوں کو بھی امان دی اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا۔

دورِ جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت کی ضرورت واہمیت:۔

بین المذاہب منافرت کو دور کرنے، بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت کو فروغ دینے کی ضرورت واہمیت بہت زیادہ بڑھ چکی ہے اور اس کے اسباب درج ذیل ہیں۔

1۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث اقوامِ عالم اور مذاہبِ عالم کے درمیان تصادم بنی نوع انسان کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔

2۔ گلوبلائزیشن کے عمل میں تیز رفتار پیش رفت نے دنیا کو سمیٹ کر Global Village بنا دیا تو قوموں اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تعصب اور نفرتوں کے بجائے اتحاد و یگانگت اور ہم آہنگی کی بنیاد استوار کرنا ہوگی۔

3۔ تہذیبوں کے درمیان تصادم کے بجائے مفاہمت ومصالحت کے فروغ کے لیے۔

4۔ علاقائی اور عالمی سطح پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کے پسِ پردہ عوامل کے خاتمے کے لیے۔

موجودہ دنیا میں ہر دین، ہر مذہب اور ہر قوم کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، ایک دوسرے کو گوارہ کرنا ہے، ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہے، ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں دینا ہے، ایک دوسرے کے وجود کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوشش نہیں کرنی ہے، ایک دوسرے کے حقوق غصب نہ کریں، باہمی نفرتوں کو

Marfat.com

مٹائیں اور اگر ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے تو ایک دوسرے کے دشمن تو نہ بنیں۔ تینوں الہامی مذاہب کو امید، بردباری اور امن کا ذریعہ ہونا چاہئے تھا جو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے حقوق غصب کیئے جا رہے ہیں:۔

خصوصاً موجودہ دور میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ساتھ اسلام کو، مسلمانوں کو منسوب کرنے کے رجحانات بہت افسوسناک ہیں۔ بلکہ برداشت، رواداری، اعتدال پسندی اور زندگی اور برتاؤ کے ہر پہلو میں میانہ روی کو اختیار کرنے والا یہ دین، امن وسلامتی کا علمبردار یہ دین ہے اور اس دین کے ماننے والوں پر دہشت گردی اور انتہا پسندی کا الزام ہے۔ سب کی غلطیوں، کوتاہیوں اور بے اعتدالیوں کو مسلمانوں کے کھاتے میں ڈالا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ حق تلفی اس دور میں عالمی سطح پر مسلمانوں کی ہو رہی ہے۔ ان کے بنیادی حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ خصوصاً فلسطین میں، کشمیر میں، عراق میں، افغانستان میں، بوسنیا میں، چیچنیا میں۔ اگر آج دنیا، سلامتی کونسل اور عالمی عدالتِ انصاف اور انسان کے اجتماعی ضمیر کے زندہ ہونے کا عملی مظاہرہ کرے اور آزادی کی جدوجہد کرنے والی اقوام کو آزادی اور خودمختاری حاصل ہو جائے، اگر اس دنیا میں پُر امن بقائے باہمی کے تقاضوں کے مطابق کسی ملک کے حقوق پر کوئی غاصبانہ قبضہ نہ کرے اور اسے اپنی طاقت کے بل بوتے پر، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے بل بوتے پر، ایٹمی اسلحے کے ذخائر کے بل بوتے پر یا یوں کہئے کہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے اصول کے بل بوتے پر نہ دبائے اور اس کے حقوق کی پامالی نہ کرے تو دہشت گردی بھی نہ ہو۔ جب کوئی کسی کے حق غصب کرتا ہے، اس پر ظلم کرتا ہے تو ظلم کے جواب میں ظلم ہی ہوتا ہے۔

حقوق غصب کرنے سے دہشت گردی جنم لیتی ہے۔ نیز بین المذاہب اتحاد و یگانگت پیدا کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ الہامی مذاہب کی اصل یا اساس تو ایک ہی ہے اور انہیں اللہ وحدہٗ لاشریک کے نام پر، اس کی عبادت کے نام پر، نیز یہ وہ ملک الناس ہے۔ کائنات کی سروری یا Sovereignty یا اللہ کے مقتدرِ اعلیٰ ہونے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔

مختلف مذاہب میں ہم آہنگی سے تہذیب پروان چڑھتی ہے:۔

جیسا کہ William Mcugauhey نے اپنی کتاب "Five Epoches of Human Civilization" میں یہ ثابت کیا ہے کہ مختلف مذاہب اگر Co-exist کر جائیں تو Civilization کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

پروفیسر ڈاکٹر صدیقی نے اپنے ایک مقالے بعنوان "Good Governance" میں مقدمہ ابنِ خلدون جلد اول کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''ہر قوم کے عروج وزوال کے اسباب مختلف عوامل وعناصر پر منحصر ہوتے ہیں جن کا ایک عنصر سیاسی حاکمیت ہے اور اچھی سیاسی حاکمیت کی اقدار مذہب وشریعت، ملکی معیشت اور عدلیہ کے نظام سے حاصل ہوتی ہیں۔''

بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ تینوں الہامی مذاہب اپنے اپنے دین وشریعت کی حقیقی سوجھ بوجھ اپنے اپنے ماننے والوں میں پیدا کریں تا کہ اِن ادیان کے ماننے والوں کے طرزِ عمل میں دین ومذہب کی تعلیمات سے اعراض کی بِنا پر جو رویے شامل ہو گئے ہیں، ان کی اصلاح ہو سکے۔ آسمانی ہدایت ہی میں سلامتی ہے۔

اختتامیہ:۔

خصوصاً مسلمان خاتون کی حیثیت سے میں سمجھتی ہوں کہ مسلمانوں کی ذمہ داری فزوں تر ہے۔ انہیں اللہ نے بہترین اُمت قرار دیا ہے۔ انہیں خیر اُمۃ ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کی معاشرت، حُسنِ معاملہ، عفت وطہارت، اخلاق وکردار، سماجی روابط، مومنانہ فراست ایسی ہو کہ غیر مُسلم دنیا اسے قریب سے دیکھے تو اسلام تیزی سے ان میں مقبول ہو اور غیر معمولی رفتار سے پھیلے۔

خیر اُمۃ کے منصب کے کیا تقاضے ہیں؟ اور ان تقاضوں کو کیوں کر پورا کرنا ہے؟

ترجمہ: ''تم وہ بہترین اُمت ہو جو تمام لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہے۔ تم انہیں معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔''

امام راغب اصفہانی کے نزدیک معروف سے مراد وہ فعل ہے جس کو عقل یا شرع بہتر سمجھے اور منکر وہ ہے جس کو عقل یا شرع بُرا جانے۔

مفسرین کی تصریح کے مطابق معروف میں وہ تمام احکام آجاتے ہیں جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے (اوامر) اور منکر میں وہ تمام جن سے بچنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (نواہی) اور پورے دین کی روح۔ یہی معروف ومنکر ہیں۔ جس نے معروف ومنکر کو سمجھ لیا، اس نے دین کے رمز کو پالیا۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ معروف ومنکر کے مطابق اپنی زندگی گزارے بلکہ ایک دوسرے کو بھی اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے بچنے کی تلقین کرے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ دین کا علم لازمی ہر مسلمان کو حاصل ہو۔ وہ اوامر اور نواہی کے متعلق علم رکھتا ہو اور ان کے مطابق خود بھی عمل کرتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کے مطابق عمل کرنے کو کہتا ہو۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اُمتِ وسط کے مرتبے اور منصب کے تقاضے کیا ہیں؟ اور ان تقاضوں کو کیوں کر پورا کرنا ہے۔

ہر دین کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اعتدال اور میانہ روی اسلام کا مزاج ہے۔ افراط وتفریط اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا اُمتِ وسط ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عمل میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے اور اعتدال کی راہ پر دوسروں کو بلانا ہمارا فرض ہے۔ عام حالات میں تو انسان اعتدال میں رہتا ہی ہے۔ غیر معمولی حالات میں بھی اعتدال کے راستے پر گامزن رہنا ضروری ہے۔

نیز ہم اُمتِ وسط ہیں۔ یعنی ہم اور ہمارا طرزِ عمل دنیا میں ہر جگہ، ہر ملک میں اور ہمہ وقت ایسا ہو کہ اسلام کی شریعت کی، اسلام کی حقانیت کی شہادت دے اور نبی ﷺ ہم پر گواہ ہیں۔ ہمیں دینِ اسلام کی تعلیمات وشریعت وحقانیت کی گواہی ان کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے سے، ہر پہلو سے ملتی ہے۔ اور ابدالآباد تک ان کی اُمت کے عمل سے یہ گواہی دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچتی رہے۔ اللہ کرے کہ ہم اُمتِ مُسلمہ کے افراد ان دونوں مناصب کا حق صحیح معنوں میں ادا کریں تو بین المذاہب اتحاد ویگانگت بھی پیدا ہو جائے اور انسان جن مصائب وآلام میں گرفتار ہے اور دنیا جس تصادم اور تباہی کی راہ پر گامزن ہے، آسمانی ہدایت، دینِ کامل ہی اس کو خیر کا، سلامتی کا اور امن کا راستہ دکھا سکتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم سب اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور جناب رسول کریم رحمت اللعالمین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کر کے دین ودنیا کی فلاح وکامیابی حاصل کر سکیں۔ آمین ثمہ آمین۔

☆......☆......☆

Marfat.com

کتابیات

1۔ ضیاء القرآن (جلد اول) (جلد دوم) (جلد سوم)۔ از پیر کرم علی شاہ

2۔ تدبر القرآن۔ از مولانا امین احسن اصلاحی

3۔ معارف القرآن۔ از مفتی محمد شفیع

4۔ تفہیم القرآن۔ از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

5۔ تفسیر ابنِ کثیر

6۔ حیاتِ رسولِ اُمی۔ از خالد مسعود

7۔ سیرت احمد مجتبیٰ۔ از شاہ مصباح الدین شکیل

8۔ اسلامی نظریہ حیات۔ از پروفیسر خورشید احمد

9۔ الفاروق۔ از علامہ شبلی نعمانی

10۔ Good Governance۔ از پروفیسر ڈاکٹر صدیقی

11۔ Five Epoches of Civilization۔ از William Mugaughey

12۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی

13۔ صحیح مُسلم۔ کتاب الفرائض

14۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد

15۔ رسولِ اکرم ﷺ، سیاست خارجہ۔ از پروفیسر محمد صدیق قریشی

16۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

17۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

18۔ عیسائیت۔ تجزیہ و مطالعہ۔ از پروفیسر ساجد میر

19۔ تہذیبوں کا تصادم۔ از سموئیل پی ہنٹنگٹن

Marfat.com

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا خاتمہ

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

''مذہبی انتہا پسندی'' اور ''مذہبی جنونی پن'' یا ''مذہبی دیوانگی'' دورِ جدید کی تراکیب اور اصطلاحات ہیں۔ ان اصطلاحات کو اہلِ مغرب نے وضع کیا اور رواج دیا ہے اور نہ صرف وضع کیا ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے وضع کیا ہے اور مسلمانوں پر ان کا اطلاق و انطباق بھی کرتے ہیں اور ہر معاملے کی طرح اہلِ مغرب سے اثر پذیر ہوتے ہوئے ہم نے بھی ان اصطلاحات کو، الفاظ کی اس ترتیب و ترکیب کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا تعین ہر دین و مذہب میں ان کے اپنے لوگ کر سکتے ہیں۔ اسلام میں انتہا پسندی کا تعین غیر مذاہب کے لوگ یا اہلِ مغرب نہیں کر سکتے، بہر کیف اہلِ مغرب کے خیال کے مطابق:

1۔ بنیاد پرستی (Fundamentalism) پہلا مرحلہ ہے۔
2۔ بنیاد پرستی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے مذہبی انتہا پسندی۔
3۔ مذہبی انتہا پسندی سے جنم لیتی ہے فرقہ واریت۔
4۔ فرقہ واریت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے دہشت گردی۔
5۔ مسلمانوں کے جہاد و قتال کو بھی وہ دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور
6۔ اور خود کش حملے بھی ان کے خیال میں اسی سبب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ باقی دنیا یعنی یہود، ہنود اور نصاریٰ پر وہ ان اصطلاحات وتراکیب کا اطلاق نہیں کرتے۔ مغرب میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong) رومن کیتھولک خاتون ہیں۔ وہ لندن کے لیو بک کالج برائے مطالعۂ یہودیت میں استاد ہیں۔ مسلم پبلک افیئرز کونسل نے انہیں 1999ء میں میڈیا ایوارڈ سے نوازا۔ اپنی کتاب ''مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال'' کے باب ''بنیاد پرستی'' کے صفحہ 180 پر لکھتی ہیں،

''مغربی میڈیا اکثر وبیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ بنیاد پرستی کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد، جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے، ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جب کہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشش مت بھی موجود ہے۔''

مصنفہ آگے لکھتی ہیں۔ (صفحہ 181 پر)

''درحقیقت تینوں توحیدی مذاہب میں سے اسلام میں بنیاد پرستی سب سے آخر میں رونما ہوئی۔ جب 1960ء اور 1970ء کے عشروں میں جدید ثقافت اسلامی دنیا کے اندر جڑ پکڑنا شروع ہوئی۔ اس وقت تک بنیاد پرستی عیسائیوں اور یہودیوں میں خوب راسخ ہو چکی تھی جو کہ جدیدیت کے تجربے سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔'' وہ مزید لکھتی ہیں:

''یہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ مسلمان ''بنیاد پرستی'' کی اصطلاح استعمال کرنے پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ بالکل درست ہے۔

مسلمانوں کے خیال میں ہر مسلمان جو کہ مسلمان پیدا ہوا ہے یا ایمان لا کر مسلمان ہوا یعنی دائرۂ اسلام میں شامل ہوا ہے، ہر مسلمان ایمان مجمل اور ایمان مفصل پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ:

(1) کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ ○ پڑھنے کے بعد اور کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ط پڑھنے کے بعد اس کے لیے ضروری ہے کہ:

(2) وہ دین کی مبادیات سے آگاہی رکھتا ہو اور ان کی پابندی کرتا ہو یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا اہتمام

Marfat.com

کرتا ہو کیوں کہ یہ ارکانِ دین ہی اس کی تربیتِ نفس اور تہذیبِ نفس کا ذریعہ بنتے ہیں۔اور

(3) شعائرِ اسلامی کی پابندی کرتا ہو۔پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ اسلام کے بنیادی ارکان یعنی دین کے بنیادی ستونوں پر اپنی فکر ونظر اور کردار وعمل کو استوار کرے۔اس کے لیے لازماً وہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات وسیرت کی پیروی کرے جن کو اللہ نے ہمارے لیے بہترین نمونۂ عمل بنا کر بھیجا ہے۔

لیکن مغرب میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔گویا بنیاد پرستی جن معنوں میں مسلمانوں میں ہو سکتی ہے اس کا مذہبی انتہا پسندی، تشدد، دہشت گردی فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

گویا اہلِ مغرب بزعمِ خود مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے درمیان سبب ونتیجے کا جو رشتہ Cause & Effect Relationship قائم کرتے ہیں اور مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ مزاحمت کر رہے ہیں وہ جدوجہدِ آزادی میں مصروف ہیں۔ اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ظلم کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔مختصر اً یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں اور وہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔اس کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول روّیہ نہیں ہے۔

آیئے مذہبی انتہا پسندی کے موضوع کے متعلق دینِ اسلام، قرآنِ حکیم اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا جائزہ لیں۔

اسلام کے معنی ہی امن وسلامتی کے ہیں یعنی جو اسلام میں داخل ہوا وہ سلامتی میں اور امن میں داخل ہو گیا۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے تو ''السلام علیکم'' کہتا ہے یعنی ''آپ پر سلامتی ہو'' یہ دعا دیتا ہے۔یعنی ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچیئے۔تعصب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر جائزہ لیجئے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام سلامتی ہی سلامتی ہے، امن ہی امن ہے، محبت ہی محبت ہے، اسلام فرمانبرداری کا نام ہے۔اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کیجئے تو واضح ہوتا ہے کہ اعتدال اور میانہ روی اس دین کی روح ہے۔اس میں افراط، تفریط، ظلم، زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں۔توازن واعتدال اس دین کا منشاء ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں سے

Marfat.com

مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خطرہ نہ ہو۔"

ابنِ حبان نے اس حدیث میں مسلمان کی جگہ بنی نوعِ انسان یعنی (الناس) کے الفاظ روایت کیے ہیں اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پُر امن اور بے ضرر ہونا چاہیے، بخاری میں یہ حدیث مبارکہ بھی ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "قسم ہے اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم ہے اللہ کی وہ مومن نہیں"۔ قسم ہے اللہ کی وہ مومن نہیں" عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے حالتِ امن و بے خوفی میں نہ ہوں۔"

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک فرض ہے خواہ ہمسائے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ حضورِ اکرم ﷺ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ بھی حد درجہ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آتے۔

قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق ناحق جان لینا تمام انسانیت کے قتل کر دینے کے برابر جرم ہے اور ایک جان کو بچالینا گویا پوری انسانیت کو بچالینے کے مترادف ہے۔ قرآنِ کریم نے مطلق نفسِ انسانی کے قتل کی ممانعت کی ہے۔ واضح ہو کہ یہ بلا تفریقِ مذہب و ملت اور بلا تفریقِ رنگ و نسل اور بلا تفریقِ دوست و دشمن اور بلا تفریقِ ملک و وطن ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت 33 میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط

اور نہ قتل کرو کسی بھی نفس کو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

اس آیت میں مطلق نفسِ انسانی کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے۔

اسلام وہ دین ہے جو نظامِ عدلِ اجتماعی ہے:۔

"لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج "

تاکہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں۔ الحدید 25

اسلام میں انسان کو ایک ایسا نظامِ عدلِ اجتماعی عطا کر دیا گیا جو واقعتاً "المیزان" کے حکم میں ہے اور تمدن و اجتماعیت کے جملہ نازک اور پیچیدہ مسائل میں مختلف پہلوؤں سے "راہِ وسط" کا تعین کر دے اور معاشرت، معیشت اور سیاست تینوں کے ضمن میں صراطِ مستقیم اور سواء السبیل کو پوری طرح واضح کر دے تاکہ نہ معاشرتی بے راہ روی کا کوئی امکان باقی رہے نہ معاشی استحصال

Marfat.com

کا نہ سیاسی جبر کا۔ یعنی لیقوم الناس بالقسط کا مقام حاصل ہو جائے اور معاشرہ پوری طرح عدل و انصاف اور اعتدال و توازن پر قائم ہو جائے۔

اُمتِ وسط ہونے کا اعزاز:۔

سورہ بقرہ آیت 143۔ترجمہ ''اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت (اُمَّةً وَّسَطًا) معتدل بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ ہیں۔

اُمَّةً وَّسَطًا کی وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں۔ اُمتِ وسط سے مراد بہترین اُمت اور عمدہ اُمت ہے۔قریش نسب کے اعتبار سے وسطِ عرب ہیں۔حضورا کرم ﷺ اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے،صلوٰۃ وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو نماز عصر ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے درمیانی نماز یعنی صلوٰۃ الوسطیٰ کی حفاظت کا بالخصوص تذکرہ ملتا ہے۔ اور چوں کہ تمام اُمتوں میں یہ اُمت بھی بہترین افضل و اعلیٰ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دین میں اعتدال کی راہ پر رہتی ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں۔

وسط کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اس کے معنی ہیں درمیان، ہر چیز کا درمیانی حصہ ہی اس کا عمدہ ترین حصہ ہوا کرتا ہے۔ انسان کی زندگی کا درمیانی عرصہ ''عہدِ شباب''، اس کی زندگی کا بہترین وقت ہے۔ دن کے درمیانی حصہ دوپہر میں روشنی اپنے نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔

اخلاق میں میانہ روی قابل تعریف ہے۔ عمل میں افراط و تفریط دونوں پہلو مذموم ہوتے ہیں۔ میانہ روی اور اعتدال پسندیدہ ہے۔ مثلاً بخل و فضول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت، بزدلی اور طیش کی درمیانی حالت کو شجاعت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔

ان کے عقائد	یہاں اعتدال ہے
ان کی شریعت	توازن ہے
ان کے نظامِ اخلاق، سیاست اور	موزونیت ہے
معیشت و اقتصاد میں	
افراط و تفریط کا گزر نہیں	

جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب (اُمَّةً وَّسَطًا) کا پاس تھا، اس وقت ان کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا اس ارشادِ ربانی کا۔ لیکن آج تو ہم یوں بگڑ چکے ہیں کہ قرآن میں جس اُمت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں، ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمادے۔ آمین (1)

(1) ضیاالقرآن، جلد اوّل، صفحہ 101، از پیر کرم علی شاہ

Marfat.com

افراط وتفریط اور سابقہ انبیاء کی اُمتیں:۔

دین میں غلو:۔

سابقہ کتب سماوی جن انبیاءؑ پر نازل ہوئیں ان کی اُمتوں کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر 66:

''ان میں کچھ لوگ میانہ رو (اعتدال پسند) ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال بُرے ہیں''۔(یعنی اکثریت ان میں سے انتہا پسند ہے۔)

نیز سورۂ مائدہ میں آیت نمبر 87 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''آپ فرمائیے اے اہلِ کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں۔''

دین میں غلو کرنا (حد سے بڑھ جانا) منع ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ النساء میں فرمایا۔ آیت 171:

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ط

اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو اور نہ کہو اللہ کے لیے سوائے حق کے۔

الغلو التجاوز فی الحد (قرطبی) نے لکھا ہے کہ غلو حد سے تجاوز کرنا ہے۔

گویا ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں اور یہودیوں سے فرماتے ہیں کہ افراط وتفریط سے کام لینا چھوڑ دو۔ گویا قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ افراط وتفریط عیسائیوں کے یہودیوں کے عمل میں ہے۔ انتہا پسندی ان کا شیوہ ہے۔

مسلمان کی روشِ اعتدال ومیانہ روی:۔

اہلِ ایمان تو اعتدال پسند ہوتے ہیں۔ میانہ روی ان کے عمل کا خاصہ ہے۔ اسلام کی بنیادی فکر یہی ہے۔ اسلام اعتدال اور میانہ روی کو زندگی کی ایک مستقل روش قرار دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی مرحلے پر کسی بھی حال میں اعتدال کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اعتدال میں بقاء بھی ہے اور کامیابی بھی جب کہ افراط وتفریط میں ہلاکت ہے۔ اعتدال حضور ﷺ کی اُمت کا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کا زیور اور حسن ہے۔ یہ دینِ اسلام کی شانِ امتیاز ہے۔ لہٰذا، اپنے جذبات میں، اپنے قول وعمل میں گفتار وکردار میں، معاشرت ومعاملات میں، دوسروں کے ساتھ برتاؤ میں، غرض زندگی کے ہر ہر پہلو میں اعتدال کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہم مسلمانوں کا فرض ہے تاکہ ہم دین کو اس کی صحیح روح کے ساتھ نافذ واختیار کرسکیں۔ اللہ ہماری مدد فرمائے۔ آمین

شدّت اور سختی کرنے والے ہلاک و برباد ہو گئے:۔

حضرت ابنِ مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''شدت اور سختی کرنے والے (جہاں ضرورت نہ ہوں) ہلاک و برباد ہو گئے۔'' آپ ﷺ نے ان الفاظ کو تین مرتبہ دہرایا ''هلک المتنطّعون''(مُسلم)

المتنطّعون کے معنی کھوج میں پڑ جانے والے اور سختی کرنے والے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ......ایک متوازن اور معتدل اُمت:۔

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو ایک متوازن اور معتدل اُمت بنایا ہے جو ہر قسم کی فکری اور عملی انتہاپسندیوں سے پاک ہے۔ اسلام وہ دین ہے جو ہر ہر پہلو، ہر عمل اور ہر چیز میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

عقائد میں اعتدال:۔

اللہ ذاتِ واحد ہے۔ اللہ عبادت کے لائق ہے یعنی الٰہ ہے۔ معبودِ برحق ہے۔ خالق ہے مالک ہے، ہر شے پر قادر ہے۔ رب اللعالمین ہے اور ہم مسلمان اس کے ذاتِ واحد ہونے اور لاشریک ہونے پر اور اس کی تمام صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

مسلمان نہ تو یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر اور رسول حضرت عزیر علیہ السلام کو جو کہ خداوند خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں، نہ عیسائیوں کی طرح اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو خدا کا بیٹا اور اس کی خدائی میں شریک سمجھتے ہیں اور نظریہ تثلیث کے قائل ہیں۔

اسی کو عقائد میں اعتدال کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کے مرتبے اور مقام میں غلو اور مبالغہ آرائی نہیں کرتے وہ نہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بیٹا سمجھتے نہ اللہ کی خدائی میں شریک، بلکہ اللہ کا بندہ اور رسول جانتے اور مانتے ہیں۔ مسلمان اللہ سے اور حضرت محمد ﷺ سے حد درجہ محبت رکھتے ہیں۔ اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو ہمارے لیے بہترین نمونہ عمل بنایا ہے۔ ان کی اتباع اور پیروی ہمارا فرض ہے۔

مذہبی انتہاپسندی اور اس کا خاتمہ:۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ مذہبی انتہاپسندی کا خاتمہ کرتی ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ:

1۔ اسلام عبادات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

2۔ اوقاتِ شب و روز کی تقسیم میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

Marfat.com

3۔ اسلام عادات واطوار میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
4۔ اسلام معاملات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
5۔ اسلام تعلقات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
6۔ اسلام تاثرات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
7۔ اسلام جذبات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
8۔ اسلام سیاست میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
9۔ اسلام معیشت میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
10۔ اسلام معاشرت میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
11۔ اسلام خرچ واخراجات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
12۔ اسلام کاروبار وتجارت میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
13۔ اسلام منافع کمانے میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

عبادات میں اعتدال:۔

عبادات میں اعتدال یا میانہ روی سے متعلق حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث نشاندہی کرتی ہے۔
''میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن کبھی نفل روزے رکھتا ہوں اور کبھی ترک بھی کر دیتا ہوں۔ رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی۔ میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں۔ یاد رکھو جس نے میری سنت سے منہ موڑا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (بخاری)

بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے میانہ روی اختیار کرو اور دین پر قوت کے موافق عمل کرو۔ صبح کو چلو (عبادت کے لیے) اور شام کو، اور کچھ رات کے آخری حصے میں، میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔

حضرت ابو عبداللہ جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ (اکثر اوقات) نمازیں پڑھا کرتا تھا، تو آپ کی نماز بھی درمیانہ ہوتی، نہ بہت زیادہ لمبی اور نہ ہی بہت زیادہ مختصر اور ایسا ہی آپ خطبہ دیتے۔ قصداً (مسلم)

قصداً کے معنی ہیں درازی اور کوتاہی کے درمیان۔

احکاماتِ شریعت پر عمل درآمد کے تین درجات:۔

احکامِ شریعت پر عمل درآمد کے تین درجات ہیں الوالعزم افراد کو احکامِ شریعت پر پورا پورا عمل درآمد

Marfat.com

کرنا ہے۔ بدرجہ اولیٰ کرنا ہے۔ جیسے:

(1) عزیمت کہتے ہیں یہ بلند تر درجہ ہے۔

(2) رخصت۔ عوام الناس کے لیے یہ اوسط درجہ ہے یعنی جہاں جہاں رعایت ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

(3) اضطراری کیفیت۔ ہر حکم سے استثنا مل جاتا ہے مثلاً ڈاکٹر آپریشن کر رہا ہے۔ آپریشن کے دوران کسی کی جان بچانے کی کوشش کے دوران کوئی فرض نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے تو بعد میں قضا پڑھ لے۔ یہ اضطراری کیفیت ہے۔ اسی طرح بھوک اور فاقہ بہ سببِ ناداری ہو تو مردار بھی جائز ہو جاتا ہے۔ یہ اضطراری کیفیت ہے۔ یہ دین کتنا آسانیاں دینے والا دین ہے۔ سبحان اللہ!

اوقاتِ روز وشب کی تقسیم میں اعتدال:۔

حضرت محمد ﷺ حقوق اللہ، حقوق النفس اور حقوق العباد میں توازن اس طرح قائم رکھتے کہ آپ ﷺ اپنے دن رات کے وقت میں سے ایک تہائی ذِکرِ الٰہی اور عبادت واذکار کے لیے یعنی اللہ کے لیے، ایک تہائی اپنی ذات کے کام و آرام اور نجی مصروفیات کے لیے اور ایک تہائی اللہ کے بندوں کے کاموں، تربیت واصلاح کے لیے یعنی حقوق العباد کے لیے مخصوص فرماتے۔

نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ حضرت سلمان فارسیؓ نے چناں چہ اسی لیے فرمایا تھا۔

''تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہیں ہر حقدار کو اس کا حق دینا چاہیے۔'' یہ انتہا پسندی اور رہبانیت سے بچتے ہوئے توازن واعتدال کی نصیحت نہیں تو اور کیا تھا۔''

عادات واطوار میں اعتدال:۔

رفتار میں اعتدال:۔

چال میں بھی اعتدال برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورہ لقمان کی آیت 19 میں ارشاد ہوتا ہے۔ حضرت لقمانؑ کی یہ وصیتیں ہیں اور چوں کہ یہ سب حکمتوں سے پُر ہیں لہٰذا قرآن انہیں بیان فرما رہا ہے۔

''اپنی چال میں اعتدال پیدا کرو''

یعنی میانہ روی کی چال چلنے کی تاکید ہے۔ نہ بہت آہستہ یعنی خراماں خراماں اور نہ بہت تیز یعنی لمبے لمبے ڈگ بھر بھر کے یعنی رفتار کے آداب سکھائے کہ چلو تو وقار ومتانت کے ساتھ۔

گفتار میں اعتدال:۔

گفتگو کرتے ہوئے آواز دھیمی رکھنے کا حکم۔سورۂ لقمان آیت نمبر 19 میں مزید ارشاد ہوتا ہے اور گفتار کے آداب سکھائے گئے ہیں۔

ترجمہ: ''اور دھیمی کر اپنی آواز''

یعنی بات کرو تو بلا ضرورت آواز کو بلند نہ کرو کہ سننے والوں کو گراں گزرے۔

کلام میں اعتدال......طویل کلام سے احتراز کی تاکید:۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''خوشخبری ہو اس شخص کو جو زبان کو روکے زائد بات سے۔''

عمر بن دینار کہتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ کی مجلس میں طویل کلام کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''تیری زبان کے اس طرف کتنے دروازے ہیں۔''

اس نے کہا کہ میرے دانت اور میرے ہونٹ۔

فرمایا: '' تو کیا ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تجھے طویل کلام سے روکتا۔''

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''زیادہ گفتگو زبان کی آفات میں سے ایک ہے۔اس میں بے فائدہ کلام بھی شامل ہے اور ضروری کلام پر ضرورت سے زیادہ اضافہ بھی شامل ہے۔''

جذبات میں اعتدال:۔

جذبات میں عدم اعتدال غصے کی حالت میں پیدا ہوتا ہے اور غصہ اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پا لے۔''

بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

تحمل و بردباری جذبات میں اعتدال قائم رکھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے زیادہ تحمل و بردباری کا عملی مظاہرہ بھلا کون انسان کرسکتا ہے؟

Marfat.com

تاثرات میں اعتدال:۔

انسان کسی کا بہت اچھا تاثر قائم کر لیتا ہے اور بعض اوقات کسی کا بہت بُرا تاثر قائم کر لیتا ہے۔ تاثرات میں عدم اعتدال سے عموماً بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے، سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12 ''اے اہلِ ایمان کثرتِ گمان سے بچو۔ بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔'' یعنی کثرتِ گمان کریں گے تو بدگمانیاں بھی کریں گے اور بدگمانی کرنا گناہ ہے۔ اس لیے گمان میں بھی کثرت اور انتہا پسندی سے منع کیا گیا ہے۔

ہنسنے میں اعتدال:۔

ہنسی کی افراط اور مداومت منع ہے۔ مداومت سے تو دل ہمیشہ کھیل اور ہزلیات میں مصروف ہو جاتا ہے اور کھیل اگرچہ کہ مباح ہی ہو مگر ہمیشہ اس کا مرتکب ہونا ممنوع ہے۔ اور افراطِ ہنسی سے قہقہہ بلند ہوتا ہے جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور ہیبت و وقار اٹھ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو بہت ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے اور جو چھل کرتا ہے نظروں میں سبک ہو جاتا ہے اور جو ایک چیز کو زیادہ کرتا ہے وہ اسی کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے اور جو زیادہ بولتا ہے وہ زیادہ غلطی کرتا ہے، اور جو زیادہ غلطی کرتا ہے اس میں حیا کم ہوتی ہے اور جو حیا کم رکھتا ہے اس میں ورع بھی کم ہوتا ہے اور جو پرہیز کم کرتا ہے اس کا دل مر جاتا ہے۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ زائد ہنسی کے باعث آخرت سے غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لو تعلمون اعلم ابیکم کثیرا و لضحکم قلیلا''

کھانے پینے میں اعتدال:۔

زیادہ کھانا، زیادہ سونا، زیادہ بولنا بھی اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ بسیار خوری، بسیار نومی اور بسیار گوئی کی اسلام مذمت کرتا ہے۔

امام احمد و ترمذی وغیرہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا۔

''کسی آدمی نے اپنے پیٹ سے بدتر کسی برتن کو نہیں بھرا، ابنِ آدم کے لیے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کر دیں۔ لیکن اگر تم اور زیادہ کھانا چاہتے ہو تو ایک حصے کو کھانے کے لیے کرو، ایک حصے کو پانی کے لیے اور ایک حصے کو سانس لینے کے لیے۔''

انفاق میں اعتدال:۔

اسلام وہ واحد نظام معیشت ہے جو خرچ و اخراجات یعنی صرف دولت سے متعلق اصول و رہنمائی

Marfat.com

فراہم کرتا ہے۔ انفاق یعنی صرف دولت میں بھی اعتدال کا حکم ہے۔ سورۂ فرقان آیت نمبر 67 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○

ترجمہ: ''جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے''

گویا اہلِ ایمان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ خرچ کرنے میں نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تبذیر سے اور نہ ہی بخل سے نیز حدیثِ مبارکہ ہے، ''آدھی معیشت میانہ روی میں ہے۔''

صدقہ وخیرات میں بھی اعتدال:۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر 29 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھے رکھو (کسی کے لیے کچھ دو ہی نہیں) اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو) اور ملامت زدہ اور عاجز ہو کر رہ جاؤ۔''

فرمایا نبیٔ کریم ﷺ نے ''خیر امور اوسطھا''

ترجمہ: ''تمام معاملات میں بہتری میانہ روی میں ہے۔''

دینِ اسلام عمل میں افراط وتفریط کو پسند نہیں کرتا۔ اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ امور کا کوئی بھی پہلو ہو اس میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دین ودنیا کے درمیان اعتدال:۔

دین ودنیا کے درمیان بہترین توازن واعتدال اسلام میں پسندیدہ ہے۔ اسلام اہلِ ایمان کے لیے نہ تو ترکِ دنیا اور رہبانیت کو پسند کرتا ہے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ صنم کدۂ کائنات میں کھو جائیں۔ صرف طلبِ دنیا، دنیا کی زندگی کی لذتوں اور راحتوں میں پڑ کر اپنے اللہ اور رسول ﷺ اور ان کی تعلیمات اور حیات بعد الموت کو بھول جائیں اور نہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی کے تقاضوں کو بھول کر رہبانیت اختیار کرلیں بلکہ اسلام دین ودنیا کی زندگی کا بہترین امتزاج چاہتا ہے۔''

قرآنِ حکیم میں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ ''اے میرے رب مجھے دنیا کی زندگی کی بہتری اور آخرت کی بہتری عطا فرما۔''

اسلام نے ایسی تجارت کی ترغیب دی جو ایک مسلمان کو ذِکرِ الٰہی اور دین کے ستونوں سے غافل نہیں کرتی :۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ سورۂ نور آیت نمبر 37۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوة

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت، اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔''

یعنی حلال روزی کمانے سے مفر نہیں۔ حلال روزی کمانے والا اللہ کا حبیب قرار پایا، تجارت اور بیع کو اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام لیکن روزی کمانے میں تجارت اور خرید وفروخت میں اس درجہ محو ومصروف ہونا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں یا نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل ہو جائیں، یہ اہلِ ایمان کی شان نہیں ہے۔

زائد از معیار منافع (Abnormal Profit) کمانا ناپسندیدہ ہے :۔

اسلام کی تعلیمات کے اعتدال پسند ہونے کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اسلامی معاشی نظام سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ ایک حد سے زیادہ منافع کمانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ یعنی تجارت کیجئے منافع کمائیے مگر ایک معیاری حد تک۔ ایک حد سے زیادہ یعنی Abnormal Profit کمانے اور دوسرے کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں کا استحصال کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

دشمنی میں بھی اعتدال کی راہ پر رہنے کی تاکید :۔

سورۂ مائدہ آیت نمبر 8 میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے دور نہ کر دے۔''

یعنی خبردار کسی قیمت پر بھی عدل وانصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ عدل وانصاف کو اپنا شعار بنائے رکھنا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''جب کفار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔''

Marfat.com

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا، دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آکر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ دوست ہو یا دشمن ہو، تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے۔

تعلقات میں اعتدال رکھو:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ، نے ابن کواء سے فرمایا، جانتے ہو حضور ﷺ نے کیا فرمایا:

''دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی رکھو شاید وہ کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے اور اپنے دشمن سے بغض میں نرمی کرو شاید کسی دن وہ تمہارا دوست ہو جائے''

جہاد بالسیف میں بھی زیادتی نہ کرنے کی تاکید:۔

تفسیر ابنِ جریر کی رو سے قتال کے متعلق نازل ہونے والی پہلی آیت سورہ بقرہ کی 190 آیت ہے۔

ترجمہ: ''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو''

یعنی حکمِ جہاد تین چیزوں سے مشروط ہے۔

1۔ جہاد دفاعی ہو یا اللہ کی راہ میں ہو یعنی فی سبیل اللہ کے الفاظ ہیں۔

2۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ "الذین تقاتلو نکم" جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں یا آمادہ یلغار ہیں۔

3۔ اس میں زیادتی نہ ہو "لاتعتدوا" کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ آتشِ انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے۔ خبردار اس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو۔ یعنی جہاد میں بھی تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

بدلہ لینے میں بھی انتہا پسندی سے منع کیا گیا:۔

ارشادِ ربانی ہے۔ ترجمہ: ''تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو''

ایک اور جگہ: ترجمہ ''برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔'' اور جگہ فرمان ہے، ''یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کیے گئے ہو۔''

آج کی مہذب اور متمدن دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں میزائل اور بم شہری آبادیوں کو خاکستر کر دیتے ہیں۔

Marfat.com

بدلہ لینے میں اعتدال کا حکم:۔

حضرت محمد ﷺ کے سگے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ جو حضور اکرم ﷺ سے چار سال بڑے تھے، ان کو غزوۂ اُحد میں کس طرح شہید کیا گیا۔ شہید کرنے کے بعد ان کا کلیجہ تک نکال کر چبالیا گیا۔ ان کا مثلہ کر دیا گیا۔ مثلہ کرنا چہرے کو مسخ کر دینے کو کہتے ہیں۔ اس دلخراش منظر کو دیکھ کر اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ کا بے اختیار دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رقت وجلال کے عالم میں فرمایا۔ ''کل کے دن جب اللہ مجھے غلبہ عطا فرمائے گا تو ان کے بدلے میں 70 کافروں کا مثلہ کروں گا۔''

آپ ﷺ ابھی اس جگہ سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ وحیؑ کا نزول ہوا اور سورۂ نحل کی آیات نمبر 127-126 نازل ہوئیں۔

ترجمہ: ''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر صبر کرو تو البتہ وہ بہتر ہے۔

دیکھئے سرورِ دو عالم ﷺ نے اس آیتِ مبارکہ کے نازل ہوتے ہی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا فرمایا اور فرمایا کہ یا اللہ میں صبر کو اختیار کرتا ہوں۔

اسلام کا قانونِ قصاص:۔

اسلام کا قانونِ قصاص آنکھ کے بدلے آنکھ۔ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، جان کے بدلے جان کی اجازت دیتا ہے۔ گویا اس میں بھی عدل کرنا واجب ہے اور معاف کر دینا بہتر ہے اور صبر اختیار کرنا افضل ہے۔

مذہبی انتہا پسندی سے بچنے کی ترغیب:۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ''لوگو! مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیوں کہ تم سے پہلی بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہو گئیں۔

سیرت النبیؐ جلد دوم از شبلی نعمانی و سیّد سلیمان ندوی صحیح بخاری کے حوالے سے سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ فرمایا، ''میری شان میں مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا۔''

نماز اور اعتدال:۔

''اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔''

سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر 110

تکبّر اور وہن ناپسندیدہ اور تواضع اختیار کرنا میانہ روی ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں بہت جگہ کبر کی مذمت کی ہے۔ اللہ مغرور و متکبر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ:

''نہیں داخل ہوگا جنت میں وہ شخص کہ ہوگا اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر کبر''

اور اس کے برخلاف وہن کہتے ہیں ہمت ہارنے کو (سورۂ آلِ عمران آیت نمبر 139) کمزوری دکھانے کو (سورۂ النساء آیت نمبر 104)

عمل اور رائے میں کمزوری کو (سورۂ محمد آیت نمبر 35) غرض کہ قرآن میں متعدد جگہ وہن کے مشتق وغیرہ استعمال کر کے اس سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔

غرضیکہ عُجب و کبر، افراط ہے اور وہن۔ تفریط۔ اور کبر و وہن کے درمیان میانہ روی اور اعتدال ''تواضع'' میں ہے یعنی مسلمان مسکنت کی حالت میں نہ ہو مگر فروتنی اور انکساری کرتا ہو۔

عملاً سچائی کا تجزیہ کیجئے تو ہم مسلمان تواضع سے عموماً خالی ملیں گے۔ یا عُجب و تکبر میں مبتلا ہیں یا من حیث الأمہ وہن کا شکار ہوئے جا رہے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کے چند پہلو ہیں:۔

1۔ نفاذِ دین میں اعتدال:۔

اہلِ ایمان خود اپنے اوپر دین کی تعلیم کو نافذ کرنے میں شدت پسندی اور انتہا پسندی سے کام نہ لیں بلکہ پہلے دین کی تعلیم فرضِ عین کے طور پر عام کریں۔ عوام الناس دین کی معلومات اور مبادیات سے واقف ہوں گے تو دین کا شعور ان میں پیدا ہوگا اور وہ بخوشی دین کو اختیار کریں گے۔ مسلمان معاشروں کا اصل مسئلہ کم علمی، جہالت اور ناخواندگی ہے۔ نفاذِ دین کا عمل نرمی سے اور بتدریج ہونا چاہیے۔ سختی اور تشدد سے نہیں۔

2۔ مذہبی رواداری:۔

اہلِ ایمان دیگر الہامی مذاہب کے ماننے والوں اور مشرکوں سے مذہبی رواداری کا سلوک کریں۔

لکم دینکم ولی الدین

سرکارِ دو عالم ﷺ نے بنو ثقیف کے قبیلے کے کچھ لوگوں کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفے دیئے یعنی مذہبی رواداری کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

Marfat.com

3۔ ایک دوسرے کی تکفیر نہ کریں:۔

اہلِ ایمان میں چھوٹے موٹے اختلافات، ضمنی اختلافات (جب کہ ان اختلافات کو ہوا دینا، یہود ونصاریٰ کی کوشش ہے) کے باعث جوفرقہ بندی ہوگئی ہے یعنی مذہبی فرقہ واریت، اس میں شدت پسند نہ ہوجائیں۔ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر نہ کریں۔ ایک دوسرے پر ظلم وتعدی نہ کریں۔ ایک دوسرے کے جان ومال کو گزند نہ پہنچائیں۔

4۔ مخلوق اللہ کا کنبہ:۔

حدیث کے مطابق مسلمانوں کے لیے اللہ کی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے خواہ وہ وحدہٗ لاشریک اللہ کو جانتے ہوں، مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ خواہ وہ دیوی، دیوتاؤں کے ماننے والے ہوں۔ مشرک ہوں۔ تحریف شدہ الہامی مذاہب کے پیروکار ہوں، لامذہب ہوں۔ مسلمانوں کے ایمان کے مطابق تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور اللہ رب اللعالمین ہے اور حضرت محمد ﷺ رحمت اللعالمین۔ مسلمان جانتے ہیں کہ:

''اللہ فقط رب المسلمین نہیں ہے اور سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ رحمت المسلمین بنا کر نہیں بھیجے گئے لہٰذا ہمیں اپنے آپ کو ''وانتم الاعلون'' ثابت کرنا ہوگا۔

مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ بندی:۔

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے

''قسم اللہ کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارا راستہ غالی (حد سے تجاوز کرنے والا) اور جافی (حد واجب تک پہنچنے میں کوتاہی کرنے والے) دونوں کے درمیان ہونا چاہیے۔''

یعنی حق کا مرکز افراط وتفریط کے درمیان میں ہے۔

''اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ'' از حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ مترجم مولانا صدرالدین اصلاحی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ ''اختلافی مسائل اوران کا نقطۂ عدل'' کے باب میں فرماتے ہیں:

''اسلام وحدت کا پیام لے کر آیا تھا مگر اس وقت جہل اور تعصب کے ہاتھوں میں پڑ کر وہ اختلاف ونزاع کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ مذہب کے چند جزئی مسائل نے باہمی ہنگامہ آرائیوں کا جو طوفانِ عظیم برپا کر رکھا ہے ان کی حقیقت پر جب میں نے پوری طرح غور کیا تو یہ پایا کہ ہر گروہ حق واعتدال کے مرکز سے کچھ نہ کچھ ہٹا ہوا ہے اور بے جا تعصب اور غلو سے کام لے رہا ہے۔''

شاہ ولی اللہؒ دہلوی رقم طراز ہیں۔

''یہ بحث اگر چہ اس تفصیل واطناب کے ساتھ عنوانِ کتاب سے خارج تھی لیکن اس کے باوجود مذہبی فرقہ آرائیوں کی موجودہ خلفشار اور حقیقتِ حال سے عام بے خبری کو دیکھ کر میں نے ضروری سمجھا کہ عدل وتوسط کا نقطہ جوان ہنگاموں میں گم ہوگیا ہے، اس کو افراط وتفریط اور تعصب کی الجھنوں سے نکال کر اربابِ نظر کے سامنے پیش کردوں۔''

مذہبی انتہا پسندی کے موضوع پر لکھتے ہوئے میرے مطالعہ میں سیموئیل پی ہنٹنگ ٹن (S.P.Huntington) کی کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' ترجمہ وتلخیص از عبدالمجید طاہر بھی آئی۔ وہ لکھتے ہیں:

''اسلام کا احیاء انتہا پسندانہ نہیں بلکہ معتدل ہے۔ علیحدگی پسندانہ نہیں ہے بلکہ حاوی ہوجانے والا ہے۔'' صفحہ 86۔

اسلام اور مغرب:۔

''تہذیبوں کا تصادم'' میں سیموئیل پی ہنٹنگ ٹن لکھتے ہیں: ''بل کلنٹن سمیت کچھ مغرب والے کہتے ہیں کہ مغرب کو اسلام سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ البتہ صرف متشدد اسلام پسند گروہ خطرے کا باعث ہیں۔'' لیکن تاریخ کے شواہد اس سے مختلف ہیں۔

جان ایسپوزیٹو کے بقول:

''تاریخ نے اکثر وبیشتر دونوں مذاہب کو مقابلے ہی میں پایا اور اکثر اوقات اقتدار، زمین اور افراد کے لیے خونریز جنگیں ہوتی رہیں۔''

ہنٹنگ ٹن کی کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' کے چند نکات کا میں اپنے اس مقالے میں حوالہ دوں گی اور ان کا جواب بھی۔ بیسویں صدی کے آخر میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان تنازع مندرجہ ذیل وجوہات سے بڑھ گیا ہے۔

اول: مسلمان آبادی میں اضافے سے کثیر تعداد میں بے روزگار اور مایوس نوجوان پیدا ہوئے جو مسلمانوں کی افرادی قوت بن گئے۔ ان میں سے اکثر نوجوان ترکِ وطن کر کے مغربی ملکوں میں چلے گئے۔''

جواباً میں عرض کروں گی۔

مغربی ممالک مسلمانوں کی افرادی قوت سے خوفزدہ ہیں اور مسلمانوں کی کثرتِ آبادی کا سدِ باب

Marfat.com

انہوں نے گزشتہ 40 سال سے مسلمان ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی کے نفوذ سے کرنا چاہا ہے۔

دوم: ''اسلامی احیاء کی وجہ سے مسلمانوں میں مغرب کے مقابلے میں الگ تشخص کا احساس ابھرا ہے اور مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور اقدار کی قدر و قیمت کا ادراک ہوا ہے۔'' ہنٹنگ ٹن

مغربی دنیا نے اس دوسرے سبب کا سدِ باب ایک تو یوں کرنا چاہا کہ:

جدت پسندی (Modernization) اور مغرب پرستی (Westernization) کو خلط ملط کر کے ہم معنی سمجھنے پر زور دیا، تاہم مسلمان دانشوران کے مابین فرق و امتیاز کرنے لگے اور انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید سے مسلمانوں کو باز رہنے اور جدتوں کو اختیار کرنے کا شعور دیا۔

ع مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے

اہلِ مغرب نے انفارمیشن ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر دنیا کو ''گلوبل ویلیج'' قرار دیا اور عالمگیریت کا ڈھول پیٹ رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کے اپنے جداگانہ تشخص کو ملیامیٹ کیا جا سکے۔

سوم: ''مغرب اپنی اقدار اور اداروں کو فوقیت دلوانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی عسکری اور اقتصادی بالا دستی کو برقرار رکھنے کے اقدامات کیے ہیں اور اسلامی دنیا کے تنازعوں میں مداخلت کی ہے۔ اس وجہ سے مغرب کے خلاف مسلمانوں میں نفرت پیدا ہو گئی ہے۔'' ہنٹنگ ٹن۔

11 ستمبر 2001ء کے واقعے کے بعد مسلمانوں کے خلاف امریکہ کے انتہا پسندانہ رویے اور ریاستی دہشت گردی یعنی افغانستان اور عراق کو تباہ و برباد کرنے کے غیر انسانی رویے سے ساری دنیا کے مسلمان غیر مسلموں کے انتہا پسندانہ اور غیر منصفانہ اور افراط و تفریط کے روّیوں سے بہت دل گرفتہ ہیں اور مسلمان چوں کہ اعتدال پسند ہیں اور اسلام کی تعلیمات یہی ہیں کہ ''خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں اعتدال کی راہ سے نہ ہٹا دے'' تو مسلمان غیر اسلام قوتوں کے ''عدم اعتدال'' کو بہت افسوسناک سمجھتے ہیں اور کبھی مذہبی انتہا پسندی کے حامی نہیں ہو سکتے۔

چہارم: ''کمیونزم کے ختم ہونے سے مغرب اور اسلام کا مشترکہ دشمن فنا ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں مذاہب ایک دوسرے کے لیے بڑا خطرہ بن گئے ہیں۔'' ہنٹنگ ٹن۔

اس کے جواب میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کمیونزم کے خاتمے کے لیے مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کا سہارا لیا۔ ان کے مجاہدین کے جذبۂ جہاد کے ذریعے کمیونزم کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا گیا۔ بعد ازاں یہ سارے مجاہدین مغرب کی نظر میں ''دہشت گرد'' قرار پائے۔ اور مغرب کے اربابِ اختیار نے

Marfat.com

مہذب دنیامیں جنگل کا قانون نافذ کرنا چاہا ہے۔ وہ واحد سپر پاور بننے کے خام خیال میں مبتلا ہے۔
دنیامیں امن وامان، اعتدال اور میانہ روی سے قائم ہوسکتا ہے جو کہ اسلام کی تعلیمات کے روحِ رواں ہیں۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے اصول سے دنیا کا امن خطرے میں ہے۔ خداوندانِ مغرب نے دنیا کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں پر مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا الزام ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ہنٹنگ ٹن مزید رقم طراز ہیں:

''اسلام اور مغرب میں نئے تصادم کی بنیاد طاقت اور ثقافت کے مسائل پر ہے۔ جب تک اسلام، اسلام رہے گا اور مغرب، مغرب رہے گا، ان دونوں عظیم تہذیبوں کے درمیان تنازع موجود رہے گا۔''
اہلِ مغرب کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ اول تو کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دیا جائے یعنی اسلام، اسلام نہ رہے۔ نام کے مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کو بنیاد پرست، انتہا پسند، دہشت گرد قرار دیتے ہیں حالاں کہ اسلام کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ افراط وتفریط اسلام کے مزاج میں نہیں ہے۔
سیاسی اسلام، انقلابی اسلام، معتدل اسلام، موڈرن اسلام یہ تمام اصطلاحات مغرب کی وضع کردہ ہیں۔
اعتدال اسلامی تعلیمات کی روحِ رواں ہے۔ اسلام کی شانِ امتیاز ہے۔ اپنے دین پر قائم رہنا استقامت ہے، انتہا پسندی نہیں۔

برطانیہ کے مشہور جریدے ''دی اکنامسٹ'' نے اپنی 11 ستمبر 2003ء کی اشاعت میں دوسال قبل امریکہ میں ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر'' پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال امریکہ، مغربی ممالک اور مُسلم اُمہ کے درمیان پیدا ہونے والی کش مکش کے حوالے سے نیز عالمی سیاست، معیشت، تعلیم، سائنس، جدید علوم اور سماجی شعبے کے مطالعے کے حوالے سے آٹھ اہم رپورٹیں (اسلام کے نام پر) شائع کی تھیں۔
ان رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھتا ہے۔ امریکہ میں عام تاثر یہ ہے کہ مسلمان ''خفتہ دہشت گرد'' ہیں۔

دنیا کے ہر خطے میں دہشت گردی ہو رہی ہے اور مختلف مذاہب کے لوگ دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ دہشت گردی انفرادی سطح پر بھی ہو رہی ہے، گروہی سطح پر بھی اور قومی سطح پر بھی۔ بلکہ کئی ممالک

Marfat.com

میں ریاستی دہشت گردی کی مثالیں دنیا کے سامنے ہیں۔ مگر امریکہ کے ''تھنک ٹینکس'' (Think Tanks) کو اور اربابِ اختیار کو ان کی ''دہشت گردی'' نظر نہیں آتی۔

نہیں جاتی کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

''دی اکنامسٹ'' کی رپورٹ کے حوالے سے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ تحقیقی رپورٹس مرتب کرنے والے خود اسلام کے بارے میں کس قدر علم وفہم رکھتے ہیں اور یہ کہ کیا وہ ''غیر جانبدار'' محقق ہیں یا اسلام کے بارے میں کسی قسم کے تعصب کا شکار ہیں۔ کیوں کہ غیر جانبدار تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ تحقیق کرنے والا وسیع النظر اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ اہلِ مغرب نے جس قدر تحقیق اسلام کے متعلق کی ہے اگر وہ عیسائیت اور یہودیت کے بارے میں اتنی تحقیق کا اہتمام کر لیتے تو ان کو اپنے اپنے مذہب کی لفظی ومعنوی تحریفات کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس کے تفرقے اور افراط وتفریط اور غلو سے بچ سکتے۔

ممتاز مغربی اسکالر برنارڈ لیوس نے 1990ء میں ''مسلمان نفرت کی جڑیں'' کے زیرِ عنوان تجزیہ کیا۔ ان کے بقول:

- ''اب یہ امر واضح ہو جانا چاہیے کہ ہم ایک ایسی تحریک کے مقابل ہیں جو ان کا سامنا کرنے والی حکومتوں اور پالیسیوں سے ماوراء ہے۔ یہ تہذیبوں کے تصادم سے کم نہیں۔ ہوسکتا ہے یہ غیر منطقی ہو لیکن یہ ہمارے یہودی، عیسائی ورثے، ہمارے سیکولر حال اور ہر دو کی آفاقی توسیع سے ''پرانے دشمن'' کا یقینی طور پر تاریخی ردِ عمل ہے۔ اہم ترین چیز یہ ہے کہ ہمیں اس دشمن کے خلاف مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔''

سب سے پہلے تو عنوان چونکا دیتا ہے۔ ''مسلمان نفرت کی جڑیں''۔ مغربی اسکالر کی باطنی کیفیت عیاں ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے متعلق کیا سوچتے ہیں، کتنے وسیع القلب اور روادار ہیں۔ دوسرے اس اقتباس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ یہودی، عیسائی ورثے کو مشترک قرار دیتے ہیں یعنی یہودی، عیسائی کے مابین کوئی مذہبی تعصب نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں سے انتہا درجے کا مذہبی تعصب رکھتے ہیں اور مذہبی انتہاپسندی کا الزام دیتے ہیں مسلمان کو۔ ہنٹنگ ٹن لکھتے ہیں:

''مغرب کا حقیقی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں بلکہ خود اسلام ہے۔''

آخر کار ہنٹنگ ٹن کے قلم سے یہ سچائی صفحۂ قرطاس پر آ ہی گئی کہ مغرب کا حقیقی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں بلکہ خود اسلام ہے۔ گویا اہلِ مغرب کے اہم اسکالرز اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مغرب کا حقیقی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی یا مسلمانوں کی مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ خود اسلام میں ہے، ورنہ بنیاد پرستی عیسائیت اور یہودیت کی اصطلاح ہے۔ اسلام پر اس کا اطلاق ایک بے معنی اور بھونڈا الزام ہے اور انتہا پسندی اسلام میں سرے سے پائی ہی نہیں جاتی بلکہ اعتدال اور میانہ روی اسلام کی شان ہے اور ارشاداتِ ربانی اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کے حوالے سے مقالے کے حصۂ اول میں یہ پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے۔

آیئے دنیا کی تاریخ کا دہشت گردی کے حوالے سے ایک جائزہ لیں۔

تاریخ کے جھروکوں سے:۔

روس، چین اور مغرب دس کروڑ انسانوں کو قتل کر چکے ہیں۔ انگلستان، فرانس کی 115 سالہ جنگ میں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ جرمنی، فرانس، آسٹریا، سویڈن 30 برس کی جنگ 1618ء سے 1648ء تک ہوئی۔ اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی مارے گئے۔ یورپ کی دو تہائی آبادی ہلاک ہوگئی جو باقی بچی اس کی حالت نہایت ابتر تھی۔ امریکی خانہ جنگی 1860ء سے 1865ء تک جاری رہی۔ اس میں تین لاکھ آدمی شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے۔ ستر لاکھ ریڈ انڈین قتل کیے گئے۔

1700ء سے 1872ء تک یورپ میں 130 جنگیں لڑی گئیں۔ ان جنگوں میں 19 لاکھ افراد کو سزائے موت دی گئی۔ 29 لاکھ افراد کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ پچاس لاکھ افراد کو جلاوطن کیا گیا۔

تازہ ترین اعداد و شمار:۔

تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق روس کے سرخ انقلاب سے لے کر 1980ء تک کل 68 لاکھ افراد قتل کیے گئے۔ کوریا کی جنگ میں صرف دو سال کے اندر 50 لاکھ مرد عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ نیز کوریا میں مزید 50 لاکھ لوگ صرف قحط اور بھوک سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ کوریا کی جنگ میں ایک کروڑ افراد زخمی ہوئے۔ چین میں کمیونزم کے نفاذ کے لیے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دی گئی اور لاکھوں افراد ہلاک کیے گئے۔

امریکہ کی جانب سے پابندی کے باعث پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے۔ ویت نام کی جنگ میں 70 لاکھ آدمی مارے گئے۔ افغانستان کی جنگ میں 60 لاکھ آدمی مارے گئے۔ یہ جنگ امریکہ اور روس نے مسلط کی تھی۔ فلسطین کی جنگ میں 20 لاکھ افراد مارے گئے۔ برطانیہ اور امریکہ کی مسلط کردہ

Marfat.com

ایران عراق جنگ میں 2 لاکھ افراد مارے گئے۔ الجزائر میں فرانس نے 70 لاکھ افراد قتل کیے تا کہ آزادی کو روکا جاسکے۔ اس وقت بھی اسلامک فرنٹ کے دو لاکھ آدمی قتل کر دیے گئے ہیں۔ یوگوسلاویہ کو توڑنے کے لیے آئی ایم ایف اور امریکہ نے 40 لاکھ انسانوں کو بے گھر اور بیس لاکھ انسانوں کو قتل کر ڈالا۔

اب آیئے اسلامی تاریخ کا تقابلی جائزہ لیں۔

عہدِ رسالت ﷺ میں تیس لاکھ مربع کلومیٹر علاقہ فتح ہوا لیکن شہداء کی کل تعداد ڈیڑھ سو تھی۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک اسلامی سلطنت کی حدود پوری دنیا تک پھیل گئی تھیں مگر سات صدیوں کے دوران صرف پانچ ہزار افراد شہید اور قتل ہوئے۔

جنگِ جمل اور جنگِ صفین جنگیں نہیں بلوے تھے اور حضرت حسن بصریؒ کی شہادت کے مطابق اس میں صرف سات صحابی شہید ہوئے مگر اسے تاریخ کی ہولناک جنگ بنا کر اسلامی تاریخ کو مجروح کیا گیا۔

یہ تقابلی جائزہ واضح کر دیتا ہے کہ انتہا پسند کون ہے اور دہشت گردی کس کا ماضی ہے اور کس کا حال ہے۔ اللہ مستقبل کو ان قوموں کی دہشت گردی سے محفوظ رکھے۔ آمین

آج مغربی پروپیگنڈا مسلمانوں کے خلاف یہ سوچ پیدا کر رہا ہے کہ ''مسلمان انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں۔ ستمبر 11 کے بعد سے امریکہ میں مسلمانوں کو ''خفتہ دہشت گرد'' Sleeping terrorists کہا جاتا ہے۔

مسٹر کے۔ ون اسمتھ کے خیالات اس کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ قرآنی آیات کو اپنے دعوے کی بنیاد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن سیاق وسباق کے حوالے کے بغیر وہ کہتے ہیں:

نعوذ باللہ ''خود قرآن کی رُو سے اسلام امن اور رواداری کا مذہب نہیں ہے۔ دہشت گرد اس مقدس کتاب کی خلاف ورزی کر رہے۔ وہ توعین اس کے الفاظ پر عمل کر رہے ہیں۔''

اسلام کے خلاف جاری مستقل پروپیگنڈے کے نتیجے میں اس سوچ کا جنم لینا بالکل فطری ہے۔ تاہم اس کا حل اعتراض کرنے والوں کو بُرا بھلا کہنا نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کو ان کے صحیح تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

اس پروپیگنڈے کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اسلام کے خلاف غلط فہمیوں کا جواب دینے کا موقع ہمیں فراہم ہو گیا ہے اور ایک حد تک یہ کام ہو بھی رہا ہے۔

بھارت کے شہر بنگلور سے شائع ہونے والے ''اسلامک وائس'' نامی انگریزی ماہنامے کے ایک شمارے میں مسٹر اسمتھ کی تحریر کو نقل کرنے کے بعد اسلام کی تعلیمات کی وضاحت بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔

Marfat.com

جریدہ لکھتا ہے کہ قرآن صرف دو طرح کے حالات میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی کسی ریاست پر کوئی اسلام دشمن طاقت حملہ کردے۔ اس صورت میں قرآن کہتا ہے۔

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔'' (22:39-40)

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی ملک میں ظلم کا شکار ہو اور مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ اس حالت میں مسلمانوں کو دفاع کا نہیں بلکہ ظلم کی طاقت پر حملہ کر کے اسے ظلم سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔'' (4:75)

پہلی آیت میں ہم نے دیکھا کہ مسلمانوں کو جارحیت کا نشانہ بننے کی صورت میں دفاع کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس صورت میں بھی تاکید ہے کہ ظلم اور زیادتی سے باز رہا جائے اور حملہ آور جیسے ہی لڑائی بند کریں، مسلمان بھی جنگ روک دیں۔ یہ حکم قرآن میں یوں ملتا ہے:

''اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر ظلم و زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تم انہیں پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، اس لیے کہ قتل اگرچہ بُرا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ بُرا ہے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ تم ان سے لڑتے رہو، یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ ظالموں کے سوا کسی اور پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ (2:191-193)

مسٹر اسمتھ نے جن آیات کو اپنے اعتراض کی بنیاد بنایا ہے، اس عبارت میں ان میں سے ایک آیت بھی شامل ہے لیکن اپنے سیاق و سباق میں اس کا اصل مفہوم پوری طرح واضح ہے۔ یہ ہدایات عام زندگی کے لیے نہیں بلکہ حالتِ جنگ کے لیے ہیں اور مسٹر اسمتھ با آسانی دیکھ سکتے ہیں کہ حقوقِ انسانی کی

محافظت کے خودساختہ دعوے داروں کے حالتِ جنگ کے خالص ظلم اور ناانصافی پر مبنی طرزِ عمل اور اس مقدس کتاب کی متوازن تعلیمات میں، جس سے وہ اس قدر برگشتہ ہیں، کیسا نمایاں فرق ہے۔ اس کے مذکورہ بالا ہر جملے میں مسلمانوں کو عدل وانصاف کی حدود میں رکھنے کے لیے چیک کیے جانے کا اہتمام اس طرح کی ہدایات سے کیا گیا ہے کہ:

''زیادتی نہ کرو...... اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا...... ان سے مسجدِ حرام کے قریب نہ لڑو جب تک وہ خود تم سے نہ لڑیں...... اگر وہ لڑائی سے باز آ جائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے...... اگر وہ جنگ سے رک جائیں تو خبردار ہو کہ ظالموں کے سوا کسی پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں۔''

قرآنی آیات کے سیاق وسباق کی اس تفصیل سے واضح ہے کہ مسٹر اسمتھ نے قرآن کو ظلم کا علم بردار ثابت کرنے کے لیے آیات کے درمیان سے عبارتیں منتخب کی ہیں جب کہ اصل صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ یہی معاملہ ان دوسری آیات کا بھی ہے جن کا حوالہ انہوں نے دیا ہے۔ یہ بات خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے کہ یہ ہدایات زمانۂ امن کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تعلیمات اس صورتِ حال کے لیے ہیں جب مسلمانوں پر غیر مسلموں کی طرف سے جارحانہ جنگ مسلط کر دی گئی ہو۔ قرآن یہ ہدایت بھی کرتا ہے کہ مسلمان کی لڑائی برسرِ جنگ غیر مسلم گروہ کے ہر فرد سے نہیں ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ عین جنگ کے دوران بھی یہ حکم ہے کہ غیر مسلموں میں سے جنہوں نے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر رکھا ہو، جنگ کا دائرہ ان تک وسیع نہیں ہونا چاہیے۔ معاہدوں کی پاسداری حالتِ جنگ میں بھی کی جانی چاہیے۔ حتیٰ کہ جن غیر مسلموں نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی ہے، ہدایت کی گئی ہے کہ سال کے چار مقدس مہینوں میں ان کے خلاف بھی جنگی کارروائیاں بند رکھی جائیں۔

ایسا لگتا ہے کہ برادر کے ون اسمتھ نے کہیں سیاق وسباق سے الگ کی ہوئی قرآنی آیات کا ترجمہ پڑھ کر اسلام کے بارے میں تشدد کا مذہب ہونے کی رائے قائم کر لی ہے۔ ان کی یہ معلومات قطعی غلط ہیں کہ قرآن میں امن وسلامتی اور بقائے باہمی سے متعلق آیات، جنگ کی تلقین کے مقابلے میں برائے نام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ سے متعلق آیات میں بھی ہر جگہ عدل وانصاف اور تحمل ورواداری کے تقاضے پورے کرنے اور ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے باز رہنے کی پُرزور تلقین موجود ہے۔ پھر یہ سب محض کتاب میں لکھی باتیں نہیں ہیں بلکہ ان کی پوری روح کے ساتھ ان پر عمل کیا گیا ہے۔ مخالفینِ اسلام کے ساتھ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا طرزِ عمل قرآن کی ان تعلیمات پر حرف بحرف عمل درآمد کی تاریخ شہادت ہے۔ زمانۂ جنگ کے لیے رسول اکرم ﷺ نے جو ضابطۂ اخلاق مقرر فرمایا تھا اس کی روح سے دشمن کی عورتیں، بچوں اور ان

مزدوروں تک کو قتل کرنا ممنوع تھا جو خواہ میدانِ جنگ میں دشمن کی کارروائیوں میں بالواسطہ مدد فراہم کر رہے ہوں لیکن براہِ راست جنگ میں شریک نہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ اس ضابطۂ اخلاق پر عمر بھر پوری طرح کاربند رہے۔ اس کا سب سے بڑا مظاہرہ فتحِ مکہ کے موقع پر ہوا۔

ہجرت کے آٹھویں سال رسولِ اکرم ﷺ نے مکہ پر فوج کشی کی۔ مسلمان اس وقت تک اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ اہلِ مکہ مقابلے کی ہمت نہ کر سکے اور مسلمان آٹھ سال بعد کسی مزاحمت کے بغیر اس شہر میں داخل ہو گئے جہاں کے رہنے والوں نے ان پر ہر طرح کا ظلم و تشدد روا رکھا تھا اور خاندانی رشتوں تک کا کوئی لحاظ نہ کیا تھا۔ اس شہر میں رسول اللہ ﷺ اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کا سر اللہ کے شکر کے جذبے سے جھکا ہوا تھا۔ ایک سینئر کمانڈر نے کہا۔ ''آج کا دن انتقام اور بدلے کا دن ہے'' تو اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ ناگواری کے احساس سے سرخ ہو گیا۔ اس کمانڈر سے پرچم واپس لینے کا حکم دیا اور فرمایا: نہیں، آج کا دن رحم اور معافی کا دن ہے۔ آپ نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے لئے عام معافی کا اعلان کیا جو گھر اور سامان چھوڑ کر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے مکے سے ہجرت کی تھی، انہیں بھی واپس نہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔ اسلام کا مطالعہ اس کے اصل ماخذوں سے پورے سیاق و سباق کے ساتھ کیا جائے تو ہر غیر جانبدار قاری اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ تشدد اور نفرت کا نہیں، تحمل، رواداری اور محبت کا دین ہے۔

برادر اسمتھ۔ اور ان کے توسط سے اہلِ مغرب پر میں یہ واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ:

جذبۂ جہاد سے فقط اہلِ ایمان ہی سرشار ہو سکتے ہیں اور خوفِ خدا مسلمانوں کی اصل شان ہے، ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ جہاد کے دوران بھی مسلمانوں کا دل خوفِ الٰہی سے لبریز رہتا ہے۔ یادِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ بلکہ مسلمان جس وقت جہاد کر رہے ہوتے ہیں وہ اس وقت ذِکر بالجوارح، یعنی اعضائے جسمانی کے ذریعے یادِ الٰہی میں، ذِکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہی لو لگائے اور قوت و طاقت کے حقیقی سرچشمے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ سے مدد کے طالب ہوتے ہیں اور اسی کے بھروسے پر جہاد کر رہے ہوتے ہیں اور اسی احکم الحاکمین سے مدد و نصرت کے طالب ہوتے ہیں۔

دورانِ جہاد بھی ان کا انتہا پسندی سے، تشدد و دہشت گردی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور یہی پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور مغازی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔

اختتامیہ:۔

دنیا بھر میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کی جڑ میں پائے جانے والی ناانصافیوں، استحصالوں اور بالادستی کی پالیسیوں کو ختم کرنے کے لیے جس فہم و فراست تدبر اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے ہم مسلمان

Marfat.com

اس کے لیے تحریک چلائیں۔ بنی نوعِ انسان کے ان مسائل کا حل فقط رحمت اللعالمین ﷺ کی تعلیمات اور ان کو عطا ہونے والی کتابِ ہدایت قرآن کی تعلیمات کے عملی نفاذ کے ذریعے ممکن ہے۔ پہلے ہم خود صحیح معنوں میں اہلِ ایمان کا کردار وعمل اپنے اندر پیدا کریں اور پھر اقوامِ عالم کو صحیح رستہ دکھائیں اور بنی نوعِ انسان کے مسائل کے حل میں اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں اجتماعی سطح پر پائی جانے والی معاشرتی بے راہ روی، معاشی استحصال اور سیاسی جبر اور......انفرادی و اجتماعی سطح پر ہماری اپنے دین سے دوری کے باعث آج غیر مسلموں کو ہمارے خلاف انگشت نمائی کی نہ صرف جرأت ہے بلکہ وہ ہمارے دین پر بھی بے بنیاد خیال آرائیاں کر رہے ہیں اور الٹے سیدھے الزامات لگا رہے ہیں۔

پیر کرم علی شاہ صاحب ضیاء القرآن میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 143 کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب (اُمتِ وسط) کا پاس تھا، اس وقت ان کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا، اس ارشادِ ربانی کا لیکن آج تو ہم یوں بگڑ چکے ہیں کہ قرآن میں جس اُمت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمادے۔ آمین''

اُمتِ مُسلمہ کے اربابِ علم ودانش علماء ومشائخ اور اربابِ اختیار کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں میں ان کے اس عظیم منصب (اُمتِ وسط) ہونے کا احساس بیدار کریں اور اُمتِ وسط کا کردار وعمل ان میں پیدا کریں۔ دین کا فہم، صحیح فہم ان کے اندر پیدا ہو اور اس کے لیے سب سے پہلے تو یہ دعا ہے کہ اے اللہ ہمارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرما اور ہمارے سینے کو علمِ دین کے لیے کھول دے۔ آمین۔ ہمیں کتاب وسنت پر مضبوطی سے عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ نیز ہمارے کردار وعمل میں افراط وتفریط کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے۔ ہمیں دین پر استقامت عطا فرما۔ ثم آمین۔ اگر انتہا پسندی ہمارے کردار وعمل کے کسی پہلو میں پائی جاتی ہے تو اس کو دور فرمادے۔ اور عالمِ اسلام میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی نافذ فرمادے، قائم فرمادے۔ آمین۔ اور انفرادی طور پر بھی ہمیں انتہا پسندی سے بچا اور اجتماعی طور پر بھی۔ ثم آمین۔

☆......☆......☆

Marfat.com

کتابیات

1۔ ضیاء القرآن از پیر کرم علی شاہ

2۔ تفسیر ابنِ کثیر

3۔ تفہیم القرآن از مولانا مودودی

4۔ صحیح بخاری۔ جلد اول، دوم، سوم

5۔ مشکوٰۃ شریف

6۔ ریاض الصالحین از امام محی الدین ابی ذکریا بن شرف النووی

7۔ معارف الحدیث از نعمانی

8۔ احیاء العلوم از حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

9۔ کیمیائے سعادت از حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ ترجمہ از مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی

10۔ مذہب اور فرقہ بندی از رسائل امام غزالیؒ

11۔ سیرۃ نمبر۔ نقوش (جلد اول) مدیر محمد طفیل۔ لاہور

12۔ سیرت الرسول ﷺ۔ جلد ہفتم از پروفیسر محمد طاہر القادری

13۔ سیرت احمد مجتبیٰ از شاہ مصباح الحق

14۔ ماہنامہ ترجمان القرآن مدیر پروفیسر خورشید احمد۔ متعدد

15۔ ماہنامہ الابرار، مدیر حکیم محمد اختر صاحب۔ رمضان المبارک 1424ھ

16۔ ماہنامہ ساحل۔ مدیر محمد طارق۔ کراچی، مئی 2001 اور بہت سے

17۔ اسلام اور تربیتِ اولاد از احمد علوان

18۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

19۔ تزکیہ نفس، مرتبین خلیل الرحمٰن چشتی اور محمد خان منہاس۔ الفوز اکیڈمی

20۔ الصدیق (ماہنامہ) جولائی 2003ء

21۔ اسلام اور دہشت گردی از سید معروف شاہ شیرازی

22۔ تہذیبوں کا تصادم از سیموئیل۔ پی ہنٹنگ ٹن تلخیص و ترجمہ عبد المجید طاہر

23۔ مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال از کیرن آرمسٹرانگ

Marfat.com

نیا عالمی نظام اور اُمتِ مُسلمہ کی ذمہ داریاں
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

نیا عالمی نظام کیا ہے؟ اُمتِ مُسلمہ کے خلاف یہود ونصاریٰ اور ہنود کی ملی بھگت کا نام ہے۔ اسلام دشمنی کا ڈپلومیٹک نام "نیا عالمی نظام" ہے۔

یہ 11 ستمبر 1990ء کی بات ہے جب امریکی صدر جارج بُش نے پہلی مرتبہ "نئے عالمی نظام" کی اصطلاح اپنی تقریر میں استعمال کی تھی۔ اس کے بعد اس کی معنویت کی دانشورانہ سیاسی، سماجی اور معاشی تشریحات کے بارے میں ایک بحث چل پڑی۔ یہ اصطلاح عراق کے خلاف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی مسلط کردہ جنگ کے حوالے سے منظرِعام پر آئی ہے۔ عجب اتفاق یہ کہ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والے واقعے اور اس پر امریکی ردِعمل نے "عالمی نظام" کو مزید اجاگر کر دیا ہے۔ 11 ستمبر تاریخ کی یہ یکسانیت محض اتفاقی بھی ہوسکتی ہے مگر، بہرکیف "نئے عالمی نظام" کی اصلیت کو اجاگر کرنے میں بھی یہ تاریخ سنگِ میل ثابت ہو رہی ہے۔

جارج بُش نے "نئے عالمی نظام" کی اصطلاح کی تشریح اور وضاحت کے لیے کوئی مقالہ اور دستاویز بھی پیش نہیں کی۔

ملائشیا کے سابق رکن اسمبلی اور اقوامِ متحدہ میں ملائشیا کے سابق مندوب فان یونگ نے لکھا ہے:

جریدہ ''ٹائم'' میں بُش سے سوال کیا گیا کہ آپ نے نئے عالمی نظام کا ذکر کیا ہے، کیا یہ اس بات کو ایک اور ڈھنگ سے دہرانا نہیں ہے کہ امریکہ دنیا بھر میں پولیس مین کا کردار ادا کرتا رہے گا؟ بُش نے جواب دیا ''سیدھی بات یہ ہے کہ جب امنِ عالم کا معاملہ درپیش ہو تو امریکہ کی ذمہ داریوں میں دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ میں اسے عالمی تھانے دار کا کردار تو نہیں کہوں گا کیوں کہ دنیا میں ایسے خطے بھی ہیں جہاں ہم اپنی مرضی سے قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور نہ ہی ہماری ایسی خواہش ہے۔ تاہم آزادی اور مختلف ممالک کے تحفظ کے ضمن میں ہمیں غیر معمولی ذمہ داریاں لینا پڑتی ہیں۔''

ظاہر ہے جو دنیا میں ایک سو تیس ملکوں میں خود مداخلت کر چکا ہو وہ، کس منہ سے امن اور تحفظ کی بات کر سکتا ہے؟

لہٰذا کیا دنیا کو ایسے نئے عالمی نظام اور ایسی امریکی سلطنت کی حمایت کرنا چاہیے جو ازمنۂ قدیم کے کسی جاگیردارانہ نظام سے بھی بدتر ہے۔

MIT کے پروفیسر ناؤم چومسکی کے بقول: ''نیا عالمی نظام امریکی سامراج کا نیا روپ ہے۔''

''نئے عالمی نظام'' کے بلند بانگ دعوے امریکی ''دہشت گردی'' کے تسلسل کی داستان ہیں۔

امریکہ جیسا ملک جس کی گزشتہ صدیاں اندرونِ ملک خون خرابے اور بیرونِ ملک جارحیت کی داستانوں سے اٹی پڑی ہیں، استحکام اور انصاف پر مبنی نئے نظام کی ضمانت کیسے دے سکتا ہے؟

جناب فان یونگ (ملائیشیا) سابق رکن پارلیمنٹ اور نمائندہ برائے اقوام متحدہ لکھتے ہیں کہ ''باقی ماندہ دنیا خاص طور پر تیسری دنیا کو ''مبنی بر انصاف امن'' پر زور دینا چاہیے۔ کسی بھی قیمت پر امن قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ذلت، غربت اور قبرستان کا امن حاصل کیا جائے۔ ہمیں جرأت اور اتحاد سے کام لے کر اس قسم کے امریکی امن اور امریکی ساختہ نئے عالمی نظام کو رد کر دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ تو کوئی عالمی نظام بھی نہیں محض مفاد پرستانہ، خود غرضانہ اور خود پسندانہ امریکی سامراج ہوگا۔''

''تیسری دنیا کے عوام کو بھی اس سامراج سے مزاحمت کرتے ہوئے لڑنا چاہیے۔''

''نئے عالمی نظام'' کی اصطلاح ایک تاریخی سرقہ ہے:۔

جارج بُش کے نئے عالمی نظام کا نعرہ تاریخی اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ ایک تاریخی سرقہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا نعرہ بھی نہیں جو پہلی مرتبہ لگایا گیا ہو۔ امریکی تاریخ کے حوالے سے نئے عالمی نظام

Marfat.com

کا نعرہ امریکہ کے تیسرے صدر، (جو 1801ء سے 1809ء تک امریکہ کا صدر رہا)، تھامس جیفرسن کے عہد سے رائج چلا آرہا ہے۔

امریکی کرنسی کے ایک ڈالر کے نوٹ کی پشت پر اہرام کی شکل کی ایک مہر کے نیچے لاطینی زبان میں بہت واضح الفاظ میں "Novus Ordo Seclorum" لکھا ہوا ہے جس کا مطلب نیا عالمی نظام ہے۔

دوسری عالمی جنگ سے پہلے ہٹلر نے بھی یہی نعرہ لگایا تھا۔ اور اس دور میں یہ نعرہ سب سے پہلے سوویت یونین کے گورباچوف نے لگایا۔ گورباچوف نے 7 ستمبر 1988ء کو اقوام متحدہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نئے عالمی نظام کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ تخفیفِ اسلحہ کے موضوع پر اپنا موقف پیش کرتے ہوئے نئے عالمی نظام کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ تخفیفِ اسلحہ کے موضوع پر اپنا موقف پیش کرتے ہوئے انہوں نے یہ الفاظ یوں بیان کیے تھے۔

> "Today, further world progress is only possible through a search for universal human consensus as we move farword to a world order"

ترجمہ: ''آج دنیا اس موڑ پر آ گئی ہے کہ مزید ترقی صرف اور صرف عالمی سطح پر ایک اتفاق رائے کے ذریعے ہی ممکن ہوگی۔ ہم لوگ ایک نئے عالمی نظام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔''

وارسا پیکٹ کے خاتمے سے کچھ پہلے گورباچوف نے ایک بار پھر اس خیال کا اعادہ کیا کہ نئے عالمی نظام کو قابل عمل بنانے کے لئے روس اور امریکہ کا باہمی تعاون بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز امریکہ کی ژیل یونیورسٹی کے ماٹو (Motto) پر لاطینی زبان میں کندہ ہے۔ ''نیو ورلڈ آرڈر'' یعنی نیا عالمی نظام اور جارج بش، ژیل یونیورسٹی کے سابق طالب علم ہیں۔ ژیل یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی میں لاشعوری طور جارج بش کے ذہن میں یہ ترکیب یا اصطلاح بیٹھ گئی ہو جو آج دنیا بھر میں عام سنائی دیتی ہے۔

امریکہ کی سرکاری مہر پر بھی تو یہی الفاظ کندہ ہیں۔ چنانچہ یہ اصطلاح ہر امریکی ڈالر کی پشت پر پائی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ''نیا عالمی نظام'' تو اس وقت سے گردش میں ہے جب تھامس جیفرسن نے امریکی جمہوریت کی اصطلاح ایجاد کی تھی۔ تاہم امریکہ کے سرکاری نقطۂ نظر کے مطابق اس اصطلاح کو آزاد دنیا میں پہلی بار اس وقت پذیرائی نصیب ہوئی جب صدر بش اگست 1990ء کے وسط میں اپنے قومی سلامتی کے مشیر برنٹ سکوکرافٹ کے ساتھ کشتی میں ایک طویل سیر پر گئے۔ کشتی کی سیر سے واپسی پر صدر بش بڑے یقین اور جوش کے ساتھ ''نئے عالمی نظام'' کا ذکر کر رہے تھے۔

Marfat.com

بحرِ اٹلانٹک میں حالاتِ حاضرہ اور مچھلی کے شکار کے چار گھنٹے کے اس سفر کا حاصل تین مچھلیاں اور خارجہ پالیسی کا ایک نیا تصور تھا جو بعد کے دنوں میں صدر بش کی تمام تر گرم بازاری کا مرکز و محور بن گیا یعنی ''نیا عالمی نظام''۔

چند ہی ہفتوں کے اندر عالمی نظام کے نعرے نے امریکہ کی نئی عالمی پالیسی کے مرکزی ستون کی حیثیت اختیار کر لی۔ امریکی کانگریس کے خطاب سے لے کر اقوامِ متحدہ کے خطاب تک صدر بش نے نئے عالمی نظام کا غلغلہ بلند کیا۔ 11 ستمبر 1990ء سے لے کر مارچ 1991ء تک صدر بش نے بیالیس بار اپنے بیانوں اور تقریروں میں اس نئے نظام کی بات کو پورے زور شور سے پیش کیا اور اسے اپنی مستقبل کی پالیسی کی اساس قرار دیا۔ اس سلسلے میں بلند بانگ دعوے کئے گئے اور حسین الفاظ کا سہارا لیا گیا۔ ان بلند بانگ دعووں اور حسین لفظوں کے ساتھ ساتھ اس نئے عالمی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت بھی زبانوں پر آ گئی کہ اب امریکہ دنیا کی واحد ''سپر پاور'' ہے اور آنے والے دور کا نام اب ''امریکہ کی صدی'' ہوگا۔

برطانوی اخبار ''گارڈین'' نے نئے عالمی نظام کے بارے میں 1991ء میں دنیا کے چوٹی کے سات مفکرین کے تجزیے کو جس عنوان سے پیش کیا وہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ اگرچہ مغرب کے اہلِ نظر اس نظام کو صرف ایک سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھ رہے ہیں لیکن تیسری دنیا اور خصوصیت سے عالمِ اسلام اور اُمتِ مُسلمہ کے اہلِ دانش و بینش صرف ایک سوالیہ نشان ہی نہیں دیکھ رہے بلکہ ان کو افق پر وہ خونی آندھیاں بھی صاف نظر آ رہی ہیں جو اس نظام کے جلو میں ان کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔

چین کے وزیرِ خارجہ چھیان چھی چن (Qian Qichan) نے 9 اپریل 1991ء کو صاف لفظوں میں کہا کہ:

''یہ خیال بھی اپنے اندر خطرات کا ایک طوفان رکھتا ہے کہ اب دنیا میں صرف ایک سپر پاور ہوگی جو پوری دنیا پر چھا جائے۔'' (صفحہ نمبر 60-59، ترجمان القرآن، جلد 116، عدد، 2 اکتوبر 1991ء)

اس سلسلے میں پاکستان کے سابق صدر جناب غلام اسحاق خان اور ایران کے رہبر جناب آیت اللہ خامنہ ای کا اعلامیہ اُمتِ مُسلمہ کے دل کی آواز ہے جس میں انہوں نے کہا:

''اسلامی ممالک آج کی دنیا اور نیو ورلڈ آرڈر کے چیلنج سے نمٹنے کے لیے متحد ہو جائیں تا کہ نئے عالمی نظام میں ان کے مفادات کا احترام کیا جا سکے۔ مسلم ممالک باہم تعاون کریں تا کہ نیا عالمی نظام ان پر مسلط نہ کیا جا سکے۔ (وقت کی ضرورت ہے کہ) اسلامی ممالک باہمی تعاون کے ذریعہ ایک منصفانہ

Marfat.com

عالمی نظام کے قیام کے لیے سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ (روزنامہ جنگ، دی نیوز، 16 ستمبر 1991ء)

نیا عالمی نظام اور امریکی عزائم/لائحہ عمل:۔

16 مارچ 1991ء کو وائس آف امریکہ نے امریکی قومی مجلسِ امن کے فیصلہ پر مبنی ایک پروگرام نشر کیا۔ یہ جدید امریکی عالمی نظام کے اہم نکات کا بیان ہے۔ ①

1۔ مستقبل میں قیامِ امن کے نظام میں دیگر ممالک مثلاً فرانس، برطانیہ، اٹلی اور روس کو شامل کیا جانا چاہیے۔

2۔ ایران اور ترکی ایسے غیر عرب ممالک کو ان ممالک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے تیار کیا جانا چاہیے جنہوں نے ہمارے ساتھ مل کر عراق کے خلاف جنگ لڑی مثلاً خلیجی ریاستیں، مصر، شام اور مراکش۔

3۔ ایران اور عراق میں ہونے والے واقعات کے پیشِ نظر ہماری مستقبل میں سیاست یہ ہوگی کہ ایک ایسی فوج تیار کی جائے یا موجود رکھی جائے جو کسی بھی دوسری فوجی طاقت کا مقابلہ کر سکے، اس طرح اس منطقہ (مشرقِ وسطیٰ) میں طاقت کا توازن بھی قائم رہے گا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ کسی عرب ریاست سے یا ترکی یا ایران یا ایتھوپیا (حبشہ) کو (علاقہ کا پولیس مین بنا کر اسے یہ اجازت بھی دی جائے کہ وہ) امریکی مفادات کے لیے خطرہ بن سکے۔

4۔ خلیجی ریاستوں کی دفاعی طاقت (نہ کہ جنگی صلاحیت) کو بہتر بنایا جائے اور یہاں فوجی خدمات کو لازمی بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ ان ریاستوں کے ہمسایہ ممالک میں سے کسی کو بھی فوجی اعتبار سے اس قدر طاقتور نہ بننے دیا جائے کہ وہ ان پر حملہ آور ہو سکے۔

5۔ جارحانہ اور مکمل تباہ کن جنگی ساز و سامان کی فروخت عربی اور اسلامی ممالک کے لیے بند کر دی جائے۔

6۔ اگر کسی خاص ضرورت کے تحت اس (مذکورہ بالا) قسم کا اسلحہ ان ممالک کو فروخت کرنا ہی پڑے تو درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔

i۔ ایسا اسلحہ زیادہ مقدار میں نہ دیا جائے۔

ii۔ اس قسم کا اسلحہ نہ دیا جائے جو تیزی کے ساتھ حرکت میں لایا جا سکے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔

iii۔ فاضل پرزہ جات پوری مقدار میں نہ دیے جائیں۔

iv۔ اس اسلحہ کا سودا پانچ عرب ریاستوں (غالباً سعودی عرب، عرب امارات، شام، مصر اور مراکش) کی نگرانی میں کیا جائے۔

v۔ بعض خصوصی اقسام کا اسلحہ فروخت نہ کیا جائے بلکہ کرایہ پر دیا جائے۔

Marfat.com

7۔ شام، مصر اور بعض دوسری چھوٹی غیر عرب ریاستوں مثلاً ایران، ترکی اور ایتھوپیا کی معمولی نمائندگی کے اشتراک سے ایک مشترکہ امن فوج تیار کی جائے۔

8۔ خلیجی ریاستوں کی دولت جوان پر حملوں کا سبب بنی ہوئی ہے، کی مناسب تقسیم ایک بینک برائے تعمیر کے ذریعے عمل میں لائی جائے گی مگر اس بینک کی اصل پالیسی امریکہ، برطانیہ اور فرانس وضع کریں گے۔ اس بینک کی نمایاں ترجیحات یہ ہوں گی۔

i۔ مشترکہ امن فوج کا کنٹرول سنبھالنا۔

ii۔ ایسے ممالک میں بڑے منصوبوں کی تعمیر و تکمیل کے لیے فنڈ مہیا کرنا جو (مذکورہ بالا) مشترکہ فوج کے معاون ہوں مثلاً شام۔

iii۔ اس طرح ان بعض غیر عرب ممالک میں ایسے منصوبوں کی تکمیل کے لیے فنڈز مہیا کرنا جو اس منطقہ میں امن کے لیے بڑا رول ادا کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایران، ترکی اور حبشہ۔

iv۔ بعض غیر اہم اور غریب حکومتوں مثلاً یمن، تیونس اور سوڈان کی مالی معاونت کرنا البتہ ان حکومتوں کی اس طرح مدد کرتے وقت ان باتوں کو زیرِ غور رکھنا ہوگا۔

الف۔ یہ مالی مدد معمولی قسم کی تعمیر و ترقی کے لیے ہو۔

ب۔ اس کے بدلے ان سے مضبوط تعلقات کی استواری کی توقع کرنا۔

ج۔ اس مالی مدد کا مقصد ان حکومتوں سے امریکی پالیسی کی ہم نوائی کرنا ہوگا۔

9۔ تمام عرب ملکوں کے ایسے حکومتی نظاموں کو تبدیل کرنا جو امریکی پالیسی سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ اس منصوبے کی بعض تفصیلات یوں ہوں گی۔

1۔ خلیجی ریاستیں:۔

ان ریاستوں کے حکومتی نظام میں ردوبدل کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمیشہ امریکی پالیسی کی پُرجوش حامی رہی ہیں اور رہیں گی۔ ان کے اس حکومتی نظام کو باقی رکھنا ہی امریکی مفادات کا تحفظ ہے۔ البتہ یہ کوششیں جاری رکھی جائیں کہ ان ریاستوں میں زمامِ اقتدار ایسے افراد کے ہاتھوں میں آئے جو مغرب کے تعلیم یافتہ ہیں اور ایسی کوششیں بھی کی جائیں جن کی بدولت ان ریاستوں کی مذہبی ثقافت کو بدل دیا جائے۔

Marfat.com

2۔ دیگر ممالک:۔

I۔ شام: شام کے حکمران حافظ الاسد ہمیں قبول ہیں۔ انہیں اس منطقہ میں کام کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ شام کو ترقی کے اس مقام پر لے جانا چاہیئے جو حافظ الاسد کو اس خطہ کا مردِ آہن بنا سکے کیونکہ انہوں نے (عراق کے خلاف جنگ میں) عملاً ثابت کر دیا ہے کہ ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

II۔ مصر: اگرچہ مصر کی موجودہ قیادت نے (امریکی پالیسی کے اتباع میں) صحیح اور قابلِ قبول رویہ اختیار کیا لیکن یہ حکومت مصری رائے عامہ کو کنٹرول نہیں کر سکتی۔ لہٰذا، ہمیں اس کے بارے میں جدید خطوط پر سوچنا ہوگا۔ دراصل جمال عبدالناصر اور انور سادات کے دور میں آزادئ رائے پر پہرہ لگا دیا گیا تھا جس کے جمہوریت پر منفی اثرات ظاہر ہوئے۔ ضروری ہے کہ مصر میں جمہوریت کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جانا چاہیئے تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکے اور اسلامین (بنیاد پرستوں) کو راہ سے ہٹانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

III۔ فلسطین اور اسلامی تحریکات: اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکنے اور فلسطین کے قبضہ پر مسلمانوں کے (دینی، اخلاقی اور نفسیاتی) دباؤ کو کم کرنے کے لیے ان خطوط پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔

☆ مسلمانوں کو ان کے فروعی اختلافات میں الجھا کر ایک دوسرے سے لڑانا تاکہ وہ اپنی طاقت کا آپ مقابلہ کرتے رہیں جیسے مصر کے محمد الغزالی نے اسلام میں عورت کے مقام کے موضوع کو چھیڑ کر باہمی منافرت کی جنگ کو بھڑکایا۔

☆ وہ خلیجی ریاستیں جو اسلامی شریعت کے نفاذ پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہیں یا اس کے نفاذ کے بارے میں غور کر رہی ہیں، ان کی حکومتوں کو تبدیل کرنا۔ جب کوئی حکومت اسلامی شریعت کا نفاذ کرے، اس کے خاتمہ کے لیے پوری کوشش کرنا مثلاً سعودی عرب میں شرعی حدود کا نفاذ ہے۔ اس کے لیے ان کے بعض شیوخ کو ورغلانا اور ان کی سرگرمیوں کو معطل کرنا چاہیے۔ اس طرح تمام اسلامی تحریکات اور مظاہر پر بھاری ضرب لگانا ضروری ہے۔

☆ جہاں اسلامی ذہن رکھنے والی حکومتوں کے بدلنے سے ایسے شرعی قوانین سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے گا وہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہوگی کہ وہ علماء اسلام جو رائے عامہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ان کے خیالات کی عوام تک رسائی میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہوں گی۔

☆ حساس قسم کے حکومتی اداروں میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کو ملازمت کے مواقع نہیں ملنا چاہئیں۔

Marfat.com

یہ پالیسی صرف خلیجی ریاستوں تک ہی محدود نہ ہوگی بلکہ اس کا دائرۂ کار تمام اسلامی ریاستوں تک بڑھانا ہوگا۔ اسلامی فکر کو آگے بڑھانے والوں کو تعلیم وتربیت اور ابلاغِ عامہ کے ذریعے اپنے خیالات عوام الناس تک پہنچانے سے روکنا ہوگا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کی بدولت اسلام کی ترویج اور ترقی کے لیے کام کرنے والوں کو رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع دیا جاسکتا ہے، مثلاً عبدالمعز عبدالستار اور یوسف القرضاوی نے انہی ذرائع (تعلیم وتربیت اور ابلاغِ عامہ) سے عوام الناس میں پذیرائی پائی۔ اس طرح بعض عراق اور کویت کی شمولیت حاصل کر کے طاقتور بن گئے اور اسلامی فکر کی قیادت ان کے ہاتھ آگئی۔ اسی طرح سعودی عرب میں مناع لقطان نے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

☆ اسلامیین کو (ان کے اپنے ممالک میں بھی) اقتصادی اور اجتماعی معاملات میں نمایاں مقام پیدا کرنے سے باز رکھنا ہوگا ورنہ وہ ان کے توسط سے اپنے ممالک سے باہر بھی اثر انداز ہوں گے۔

10۔ بہت ہی قابلِ توجہ معاملہ عرب اور مسلمان ممالک سے افرادی قوت کی خلیجی ریاستوں میں آنے کا ہے۔ اس کا روکنا نہایت ضروری ہے۔ ان کے مقابل افرادی قوت کا سری لنکا، فلپائن اور تھائی لینڈ سے لانا ضروری ہے کیوں کہ ان ممالک سے لائی گئی غیر مسلم افرادی قوت اسلامی اعتقادات اور اقدار پر منفی اثرات چھوڑے گی۔ ان تینوں ملکوں کی افرادی قوت، ضرورت یا معیار یا مقدار پوری کرنے سے قاصر ہوں اور دیگر ممالک (اسلامیہ اور عربیہ سے لوگ منگوانا ہی پڑیں تو پھر یہ ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان اور بنگلہ دیش سے نہ ہوں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ دیگر (غیر مسلم) ممالک سے رابطہ رکھا جائے (تاکہ بوقتِ ضرورت وہاں سے افراد بلائے جاسکیں)

11۔ ضروری ہوگیا ہے کہ (مسلم ممالک کے) نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کیا جائے اور ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگراموں کا وقت بڑھایا جائے۔

12۔ اسلامی اور دینی جماعتوں مثلاً سلفی اور اخوانی کے مابین اختلافات کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں زیادہ بڑھایا جائے۔

13۔ اسلامی فکر و کردار رکھنے والی حکومتوں مثلاً پاکستان اور سوڈان کو پس ماندگی اور مشکلات کا شکار رہنے دیا جائے۔

امریکی قومی مجلسِ امن کا یہ 13 نکات پر مشتمل نئے عالمی نظام کا منصوبہ کس قدر جامع ہے؟ کتنی ژرف نگاہی اور مطالعاتی کاوشوں کے بعد تیار کیا گیا ہے؟ کتنا قابلِ عمل، عالمِ اسلام کی دشمنی میں

Marfat.com

کس قدر چابک دست ہے؟ اور کس قدر واضح حکمتِ عملی رکھنے والا ہے؟ اس کا اندازہ تو ہم میں سے ہر ایک نے اس کے ترجمہ سے کر ہی لیا ہوگا بشرطیکہ ہماری سوچ وفکر کے سوتے بالکل ہی خشک نہ ہوگئے ہوں اور ہماری رگِ حمیت نے پھڑکنا بالکل ہی نہ چھوڑ دیا ہو، امریکی دیوِ استبداد کے سامنے ہماری مرعوبیت، احساسِ کمتری کی تمام حدود کو پھاند نہ چکی ہو اور ہم مکمل طور پر اپنی بربادی پر رضامند نہ ہوئے ہوں۔

''الفاظ جو بھی استعمال کیے جائیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نئے نظام کے بنیادی خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔'' ⑤

1۔ امریکہ دنیا کی واحد عالمی قوت ہے۔ دنیا کے تمام ملکوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور امریکہ سے اور خود آپس میں تعلقات کو استوار کرنے میں اس کو بنیاد بنانا ہوگا۔

2۔ روس میں اشتراکیت کی پسپائی اور روسی ایمپائر کا تتر بتر ہونا صرف اشتراکیت کی شکست ہی نہیں بلکہ مغربی لبرل ازم، سرمایہ داری، جمہوری طرزِ حکومت سے اور منڈی کی معیشت کے تصور کی فتح ہے۔ اب یہ دعویٰ بھی کیا جا رہا ہے کہ جس طرح امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے، اسی طرح مغربی لبرل ازم اور سرمایہ داری اب دنیا کا غالب سیاسی اور معاشی نظام بھی ہے۔ اس سلسلہ میں امریکی حکومت کے ایک مشیر فرانسس فاکویامی کے مضامین کو بڑی ہوا دی جا رہی ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اب تاریخ اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے اور مغربی نظام کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہوگئی ہے۔

امریکہ کا یہ ہدف ہوگا کہ وہ اس عالمی حیثیت کو قائم رکھے۔

1۔ سرد جنگ کے دورِ تحدید (Containment) کے مقابلے میں نئے نظام میں اجتماعی سلامتی (Collective Security) کا انتظام کیا جائے گا جس کی قیادت امریکہ کرے گا۔ البتہ اس کو عالمی ادارہ اقوامِ متحدہ کی چھتری حاصل ہوگی۔ اجتماعی سلامتی کے اس نظام کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاں کہیں سلامتی کے لیے کوئی خطرہ رونما ہو، اس کا تدارک کیا جائے گا۔

2۔ دنیا میں کہیں بھی اور خصوصیت سے یورپ، ایشیا اور افریقہ میں اب کسی ملک کو یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ ایک عالمی قوت کی حیثیت سے ابھر سکے۔ علاقائی توازن کی بھی حفاظت کی جائے گی اور جہاں کہیں علاقائی توازن کو خطرہ ہو یعنی علاقے میں جن قوتوں کو بالادستی حاصل ہے (جیسے مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل) ان کی حیثیت کو تبدیل ہونے سے بچایا جائے گا۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کا تحفظ اور پورے علاقے پر اس کی بالادستی کا قیام اس نئے نظام کا ایک لازمی حصہ ہے۔

3۔ امریکہ کے عالمی مفادات کا تحفظ جس میں سرِ فہرست تیل کی رسد، قیمت اور مآخذ پر کنٹرول ہے خواہ یہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ اس طرح امریکہ کے دوسرے مفادات کی دیکھ بھال جن میں عالمی منڈیوں تک امریکی مصنوعات کی رسائی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

4۔ اسلحہ کی تیاری، تحقیق اور ترقی کے نظام پر کنٹرول جس کے نتیجے میں دنیا میں ایسے دوسرے ممالک یا مراکز وجود میں نہ آسکیں جو اسلحہ کے میدان میں امریکہ کی بالادستی کے لئے اب یا مستقبل میں خطرہ بن سکتے ہوں۔ اس سلسلے میں جوہری، کیمیاوی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے فروغ کو روکنا فوری اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس کام کو معاہدات اور عالمی نگرانی کے ذریعے انجام دیا جاسکے تو فھو المراد لیکن اگر ضرورت پڑے تو قوت کا استعمال کر کے بھی اسلحہ کے اس پھیلاؤ کو روکنا اس عالمی نظام کا ایک لازمی حصہ ہے۔

5۔ روس، جرمنی، جاپان، انگلستان اور فرانس کو بڑی طاقتوں نہ کہ عالمی طاقتوں کی حیثیت سے تسلیم کرنا البتہ اس امر کی کوشش کہ ان میں سے بھی کوئی مستقبل میں عالمی طاقت نہ بن سکے۔ اس سلسلہ میں روس کو معاشی طور پر اپنے زیرِ اثر لانے اور جرمنی اور جاپان کی معاشی قوت اور مسابقت کی طاقت کو عالمی شراکت کے لئے کسی نظام کے تابع کر کے عالمی قوت بننے سے روکنا۔

''یہ وہ بنیادی اہداف ہیں جو امریکہ کے نئے عالمی نظام کے حدود اربعہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر عالمی سیاست میں امریکہ کی ترجیحات بدل چکی ہیں۔'' (3)

1۔ اب نہ افغانستان کا مسئلہ اہم ہے اور نہ پاکستان کی کوئی جیواسٹریٹجک اہمیت ہے۔

2۔ روس اب مخالف نہیں حلیف قوت ہے اور وسط ایشیا میں کسی ایسی قوت کا ابھرنا جو روس کے لئے خطرہ بن سکتی ہو، مغرب کے لئے قابلِ قبول نہیں۔

3۔ اسرائیل کی بالادستی کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کو تحلیل کر دیا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک طرف ''اسلامی بنیاد پرستوں'' کو قابو میں کیا جائے تو دوسری طرف اسرائیل کو اس کے سارے ہمسایہ عرب ممالک سے کیمپ ڈیوڈ طرز کے معاہدات میں جوڑ دیا جائے اور سب سے بڑھ کر کویت، امریکہ دفاعی معاہدہ کے انداز پر علاقے کے دوسرے ممالک سے بھی دفاعی معاہدے کئے جائیں تا کہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی افواج کے قیام اور اسلحہ کے مستقل ذخیروں کا بندوبست کرلیا جائے۔

Marfat.com

4۔ پوری دنیا میں احیاء اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی بنیاد پر ان تحریکوں کو دبانے اور دبوانے کی کوشش کی جائے۔

5۔ ہندوستان کو جنوبی ایشیا میں ایک علاقائی قوت کی حیثیت سے تقویت دی جائے تاکہ پاکستان، ایران اور افغانستان کے اثرات کو محدود کیا جا سکے۔

''ساری بحث کے بعد امریکی نیو ورلڈ آرڈر مختصراً مندرجہ ذیل امریکی خواہشات اور منصوبوں کا نام ہے۔'' (4)

1۔ امریکہ کا اپنا عالمی ''قائدانہ'' کردار برقرار رہے۔

2۔ سرمایہ داری نظام برقرار رہنے کے علاوہ فروغ پائے۔

3۔ یورپ، جاپان اور مستقبل کی اقتصادی قوتیں امریکہ کو بڑا ساجھے دار تسلیم کریں۔

4۔ سوویت یونین معاشی اور سیاسی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو۔

5۔ تیسری دنیا کے وسائل پر جاپان، جرمنی یا یورپ کا اثر و رسوخ قائم ہونے کی بجائے امریکہ کو کنٹرول حاصل رہے۔

6۔ دنیا بھر میں جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہو تاکہ صنعتی جمہوریتیں قائم ہوں جو عالمی سرمایہ داری نظام کی بازو بنیں۔

7۔ آئی۔ ایم۔ ایف، ورلڈ بنک، آئی۔ بی۔ آر۔ ڈی اور گیسٹ جیسے مزید عالمی اقتصادی ادارے قائم کئے جائیں جو عالمی اقتصادیات پر امریکی کنٹرول کو وسیع کریں۔

8۔ تیسری دنیا کے ان شہروں کا معیارِ زندگی بلند کیا جائے جہاں پر غربت کے سبب انقلاب پھوٹ سکتے ہیں۔

9۔ تیسری دنیا کے کسی بھی ملک کو ایٹمی قوت یا مضبوط فوجی قوت نہ بننے دیا جائے۔

10۔ تیسری دنیا کے باہمی فوجی معاہدات (اینٹی امپریلسٹ) نہ ہونے پائیں۔

11۔ اپنے دفاعی بجٹ کو گھٹا کر، وار انڈسٹری کو کم کر کے جدید صنعتیں قائم کر کے نئی عالمی اقتصادی قوتوں پر فوقیت برقرار رکھی جائے۔

12۔ بڑے ملکوں بھارت، چین، سوویت یونین یا جو امریکہ کے لئے چیلنج بن سکتے ہیں، ان کی جغرافیائی توڑ پھوڑ کر کے چھوٹے چھوٹے جمہوری ممالک (امریکہ پر انحصار کرنے والے) قائم کئے جائیں۔

Marfat.com

13۔ اپنی طاقت استعمال کرکے اور خوف مسلط کرکے اپنی فوج گھٹانے کی خاطر دوسری بڑی فوجی قوتوں کو محدود کیا جائے۔

14۔ عالمی صنعت کی انرجی (تیل وغیرہ) پر براہ راست فوجی کنٹرول مضبوط کیا جائے (خصوصاً مشرقِ وسطیٰ میں)۔

15۔ اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل کو گلف وار کی طرح امپریلزم کے ایک طاقتور فوجی آلے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس طرح اب یہ دونوں ادارے عالمی سرمایہ کاری نظام کے بھرپور انداز میں محافظ ہوں گے۔

نئی پالیسی کی یہ تمام شاخیں امریکی عالمی نظام (Pax Americana) کا لازمی حصہ ہیں اور پاکستان اور عالمِ اسلام ان سے صرفِ نظر کرکے جو حکمتِ عملی بھی بنائے گا، وہ خطرات سے پُر ہے۔

امریکہ کے عزائم کا توڑ:۔

آیئے امریکہ کے ان عزائم / لائحۂ عمل کا ایک سرسری تجزیہ کریں۔ تقریباً 12 سال پہلے وائس آف امریکہ بہ بانگِ دہل جس کو نشر کر چکا ہے۔ گویا یہ کوئی خفیہ اور ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ البتہ اگر ہم مسلمانانِ عالم عموماً اور ہمارے اربابِ اختیار خصوصاً غفلت برت رہے ہیں یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، اگر وہ امریکہ کے نشر کردہ اس لائحۂ عمل کو غیر موثر اور ناکامیاب بنانے کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کرتے، اُمہ کی سطح پر کوئی کانفرنس نہیں بلاتے اور اس کا اثر انگیز رد نہیں کرتے۔ اگر وہ کھلم کھلا ایسا کرنے کی ہمت نہیں پاتے تو نہ سہی مگر خاموشی سے تو اس کا رد کرتے رہیں۔

1۔ مثلاً عرب اور غیر عرب میں جو فرق و امتیاز امریکہ قائم کرنا چاہتا ہے تمام مسلمان ممالک نبیٔ اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اس عصبیت کو اپنے اندر سے شعوری کوششوں سے ختم کر دیں۔

2۔ امریکہ اپنے نئے عالمی نظام کے ذریعے دنیا کے تمام مسلمان ممالک کی آزادی حقیقی معنوں میں غصب کر لینے کا خواہش مند ہے ورنہ مختلف آزاد ملکوں مثلاً خلیج کے ممالک کے متعلق اسے یہ طے کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ کتنی جنگی یا دفاعی طاقت رکھیں؟

3۔ عرب اور اسلامی ممالک کو جنگی ساز و سامان کی فروخت پر بندش امریکہ کے کس خوف کی آئینہ دار ہے؟ خیر اس کے اسباب تو واضح ہیں مگر اس کا ردِ یہ ہونا چاہیے کہ مسلمان ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی میں اتنی محنت کریں کے اسلحہ سازی میں وہ خودکفیل ہو جائیں۔

Marfat.com

4۔ خلیجی ریاستوں کی دولت کی تقسیم کرنے والے بینک کی اصل پالیسی کے وضع کرنے کا اختیار امریکہ، برطانیہ اور فرانس کو کیوں دیا جائے؟

5۔ تمام عرب ممالک اپنے حکومتی نظاموں کی خود اصلاح کریں۔ وہ اسلامی طریقہ انتخاب کے مطابق جو جمہوری اور شورائی نظام ہے، اپنے اپنے ملکوں میں خود انتخابات کروائیں۔

6۔ خلیجی ریاستوں کے حکومتی نظام میں ردوبدل کی کوئی ضرورت نہیں۔ دیکھا جناب جمہوریت کے اس چیمپیئن اور حامی کا جمہوریت کی کاز (Cause) سے اصل اخلاص۔ بات صرف امریکی مفادات کے تحفظ کی ہے، اس سے زیادہ کچھ اور نہیں۔ جمہوریت تو محض ڈھونگ ہے۔

7۔ زمامِ کار مغرب کے تعلیم یافتہ افراد کے ہاتھ میں رکھنے پر اصرار گویا مغرب جن لوگوں کو تعلیم دیتا ہے ان کی Brain Washing کرتا ہے۔ یہ اصرار اس بات پر مہر تائید ثبت کرتا ہے۔ اس کا ردّ یہ ہے کہ یہ مسلمان مائیں اپنے بچوں کے رگ و پے میں اسلام اس طرح اتار دیں کہ کوئی تعلیم ان کی Brain Washing نہ کر سکے۔

8۔ ان ریاستوں کی مذہبی ثقافت کو بدل دیا جائے۔ امریکہ دشمنی رکھتا ہے مسلمانوں سے اور اسلامی ثقافت سے کسی آزاد ملک کی ثقافت کو بدلنے کا مفہوم کیا یہ نہیں ہے کہ گویا امریکہ ان سب ممالک کو اپنا غلام تصور کرتا ہے۔ اسلام مسلمان ممالک کا طرزِ حیات ہے۔ Way of Life ہے۔ اس کو بدلنے کا کیا مطلب؟

9۔ شام کے حافظ الاسد کیا اُمتِ مُسلمہ کے لیے قابلِ اعتماد ہیں؟

10۔ جمہوریت پر مثبت اثرات مرتب کرنے کے خیال سے امریکہ مصر کی عوام کے لیے آزادیٔ افکار کا اصرار کر رہا ہے تا کہ وہ دین کی راہ پر نہ رہیں دراصل امریکہ مصر میں باشعور مسلمانوں کی موجودگی نظر انداز نہیں کر پا رہا۔ لہٰذا، اب ہر مسلمان اپنے ایمان کا اظہار کرے۔ سچا اور پکا مسلمان بن کر رہے اور دین کی راہ نہ چھوڑے۔

11۔ مسلمانوں کو ان کے فروعی اختلافات میں الجھانا امریکہ کا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ لہٰذا، ہم مسلمان دانستہ اور شعوری طور پر تمام فروعی اختلافات کو پسِ پشت ڈال دیں تا کہ دشمنانِ اسلام اپنے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہ ہوں۔ تمام فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے اُمتِ مُسلم متحد و یک جہت ہو جائے۔

12۔ اسلامی شریعت کے نفاذ کی راہ میں تمام اُمت صدقِ دل سے کوشش کرے۔ ہر مسلمان یہ سمجھ لے کہ

Marfat.com

یہ دشمنانِ دین اسلامی شریعت کے نفاذ میں روڑے اٹکاتے ہیں لہٰذا ان کے ورغلانے میں نہ آئے۔

13۔ایسے علماء اسلام جو رائے عامہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، ان کے خیالات کی عوام تک رسائی کے لیے اربابِ اختیار اور ذرائع ابلاغ خصوصی انتظام کریں۔

14۔حساس قسم کے حکومتی اداروں میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کو ملازمت کے مواقع دیئے جائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فیصلہ میرٹ پر نہ ہو بلکہ اسلامی ذہن رکھنے والے اپنی محنت اور صلاحیتوں سے اس کے اہل ثابت ہوں بلکہ ہر مسلمان نوجوان کی صلاحیتوں کی جلا کے لیے اس کی تعلیم و تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہن رکھتا ہو۔

15۔سرکاری طور پر اسلامی افکار کی ترویج و تبلیغ کے لیے تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جائے۔

16۔اسلامی ذہن رکھنے والوں کو اقتصادی اور اجتماعی معاملات میں نمایاں مقام حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کرنا چاہیے۔ نیز ہر مسلمان ملک کلیدی عہدوں پر تعیناتی کے معیار میں دیگر مطلوبہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اسلام کے رچاؤ کو بھی اہمیت دے۔

17۔تمام عرب ممالک اور خلیج کے ممالک بلکہ تمام اسلامی ممالک یہ قانون غیر تحریر شدہ بنالیں کہ ملازمت کے جو مواقع پیدا ہوں گے ان پر ترجیحاً مسلمانوں کا انتخاب کریں گے تاکہ ان کی اقدار و ثقافت کو تحفظ حاصل ہو اور اپنے مسلمان بھائیوں کا بھلا ہو اور اپنے پیشِ نظر یہ حدیثِ مبارکہ رکھیں کہ:

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔''

18۔اسلامی اور دینی جماعتیں شعوری کوشش کریں کہ ان کے اختلافات دور ہو جائیں۔ اگر ان کے اختلافات قائم رہے تو فائدہ یہود و نصاریٰ کو ہوگا یا دشمنانِ اسلام کو فائدہ ہوگا۔

19۔مسلمان ممالک اپنے نظامِ تعلیم اور ثقافت کو کلیتاً اپنے نظریۂ حیات کے مطابق متشکل کریں۔

20۔ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی تعلیمی اور دینی نشریات کا وقت بڑھایا جائے۔ تفریحی نشریات کو محدود کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ کا قبلہ ہمہ وقت درست رکھا جائے۔

21۔اسلامی فکر و کردار رکھنے والی حکومتیں اگر صحیح معنوں میں اسلام میں پوری کی پوری داخل ہو جائیں، دیانتداری سے جان توڑ کر محنت کریں، صحیح منصوبہ بندی کریں اور مُسلم اُمہ ان کے منصوبوں کی مالیات کاری میں تعاون کرے تو ان کی پسماندگی دور ہو جائے گی اور مشکلات انشاء اللہ حل ہو جائیں گی۔

امریکی قومی مجلسِ امن کا یہ 13 نکات پر مشتمل نئے عالمی نظام کا منصوبہ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ

Marfat.com

امریکہ کا اصل ہدف یہ ہے کہ مسلمان ممالک صحیح معنوں میں مسلمان نہ رہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں پیش آنے والے واقعے کے بعد سے تو امریکہ نے عالمِ اسلام کے خلاف اصول وضوابط سے ماوراطرزِ عمل اختیار کرلیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسلام دشمن عناصر نے 11 ستمبر 2001ء کے واقعے کی منصوبہ بندی ہی اس لیے کی تھی کہ امریکی روّیہ ''بھڑک اٹھنے'' کا رنگ اختیار کر لے۔

بنیاد پرستی اور اس کا پس منظر:۔

امریکہ نے نیشنل سکیورٹی کونسل کے تجویز کردہ اقدامات کی روشنی میں نیو ورلڈ آرڈر کے تحت عالمِ اسلام میں ایک بھرپور نفسیاتی حملہ شروع کر رکھا ہے جس کے تحت ہر اس تحریک اور ملک کو بنیاد پرست (Fundamentalist) قرار دے دیا جاتا ہے جو اسلامی عقائد ونظریات پر پختہ ایمان رکھتا ہو۔ پھر تمام جرائم اور عیب ان سے وابستہ کر دیے جاتے ہیں اور ان پر دہشت گرد ہونے کا الزام لگا کر ان کے خلاف فوری کارروائی شروع کر دی جاتی ہے۔

ایران، سوڈان، لیبیا اور پاکستان کو بنیاد پرست بھی کہا جاتا ہے اور دہشت گرد بھی۔ حتیٰ کہ کشمیر کی تحریکِ آزادی کو بھی بھارت دہشت گردی قرار دے رہا ہے اور بھارت کو امریکہ کی حمایت حاصل ہے۔

گویا کہ یہود ونصاریٰ اور ہنود کی مشترکہ سوچ ہے۔ اسی طرح دنیا بھر میں مختلف اسلامی تحریکوں اور اسلامی تنظیموں کو بنیاد پرست قرار دے کر جرائم کی ایک طویل فہرست ان کے نام منسوب کر دی گئی ہے۔

بنیاد پرستی کی اصطلاح کا سب سے پہلے استعمال امریکہ میں 1920ء میں ہوا تھا اور یہ اصطلاح بنیادی طور پر صرف عیسائیت کے لٹریچر اور تاریخ میں ہی مستعمل ہوئی۔ اس کے علاوہ دنیا کے کسی اور مذہب میں یہ اصطلاح استعمال نہیں کی گئی۔

''بنیاد پرست، عیسائیوں کی ایسی تحریک کو کہا جاتا تھا جو انجیل کو حتمی وقطعی اور سچی کتاب مانتے تھے۔ اس کے متن (text) اور اس کی لفظی ومعنوی تشریحات وتعبیرات پر بھی پختہ ایمان رکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی مانتے ہوئے ان کے احکامات پر دل وجان سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ تاریخِ عیسائیت میں بنیاد پرست اس شخص کو کہا جاتا ہے جو راسخ العقیدہ ہو، شریعتِ عیسوی پر کامل ایمان رکھتا ہو، بائبل سے مکمل رہنمائی حاصل کرتا ہو، اپنے عقائد وعبادات کو قائم رکھتا ہو اور بائبل کی تعلیمات کے مطابق فواحش ومنکرات اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو بلکہ شراب اور رقص وسرود کی محفلوں سے بھی اجتناب کرتا ہو۔''

مختصر یہ کہ راسخ العقیدہ اور صحیح العمل عیسائیوں کو بنیاد پرست کا نام دیا جاتا تھا، اب باعمل مسلمان بھی

Marfat.com

نئے عالمی نظام کے تحت بنیاد پرست قرار دیئے جاتے ہیں۔ گویا امریکہ کی نظر میں ہر وہ مسلمان بنیاد پرست ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے پر فخر کرتا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ رکھتا ہے۔ یعنی ہر وہ مسلمان جو شریعت محمدی ﷺ پر کامل ایمان رکھتا ہے، (اپنا اسلامی تشخص قائم و برقرار رکھتا ہے)۔ اسلامی شعائر (یعنی داڑھی اور حجاب) کا پابند ہے وہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت بنیاد پرست ہے بلکہ دہشت گرد بھی ہے۔

اس کے برخلاف وہ شخص جو اپنے مسلمان ہونے پر نادم ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسے نافذ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، وہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر میں اس دنیا کا امن پسند، جمہوریت پسند اور باعزت شہری ہے۔

لہٰذا، نئے سامراجی نظام میں اُمتِ مُسلمہ کے ہر فرد کو انفرادی طور پر بھی اور اُمتِ مُسلمہ کو اجتماعی طور پر بھی سب سے پہلے بنیادی فیصلہ تو اپنے ایمان اور عقیدے کے بارے میں کرنا ہے کہ وہ دین دار ہیں یا لادین۔ وہ اپنے ایمان میں سچے اور پکے ہیں تو لادین اور آزاد خیال کہلوانا ان کو زیب نہیں دیتا۔ ایمان کی خاطر تو اہلِ ایمان جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ہمیں اپنے وجود پر اور اپنے معاشرے اور ملک میں نفاذِ اسلام کا جذبہ سچے دل سے رکھنا ہوگا۔ اپنے اسلامی تشخص کو کسی قیمت پر بھی قربان نہیں کرنا ہوگا۔ اور بنیاد پرستی کے امریکی پروپیگنڈے سے خوفزدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں بلکہ ہم مسلمانوں کو ایک سچا اور پکا مسلمان ہونے پر یعنی امریکی لغت کے مطابق بنیاد پرست ہونے پر فخر کرنا چاہیے کیوں کہ مسلمان کے ایمان کی بقا ہی قرآن وسنت کی تعلیمات پر کامل یقین اور اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ میں مضمر ہے اور یہی کردار امریکہ کے نزدیک بنیاد پرستی اور دہشت گردی ہے۔

عیسائیت کی بنیاد پرستی کی اصطلاح کا انطباق اہلِ ایمان پر نہیں ہوسکتا:۔

عیسائیت کی بنیاد پرستی کی اصطلاح کا اطلاق مسلمانوں پر کرنا بجائے خود غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ عیسائیت کا بنیادی منبع و مصدر بائبل تو تحریف شدہ ہے۔ لہذا، اس کی قطعی صحت، اس کے متن کی حجیت اور اس کی تعلیمات پر مکمل ایمان کے خلاف ردِ عمل تو ایک فطری بات لگتی ہے۔ نہ بائبل صحیح صورت میں برقرار رہی، نہ اس کی تعلیمات اصلیت پر قائم رہیں۔ اس کے متن اور مختلف نسخوں میں اس قدر تضادات ہیں کہ ان سب باتوں پر اصرار کرنے والوں کو بنیاد پرست کہہ کر دراصل مذہب کے نام پر نامعقولیت کو رد کیا گیا ہے۔

مگر راسخ العقیدہ اور صحیح العمل مسلمانوں کو بھی بنیاد پرست کا نام دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں

Marfat.com

ہے۔اس طرح بالواسطہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے اور بائبل کی طرح انہیں بھی معاذ اللہ نا قابلِ عمل اور نا معقول ٹھہرایا جارہا ہے۔ہم مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی صحت وحقانیت کا پورا ایقان وایمان ہے۔قرآن وہ کتابِ ہدایت ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود ذات باری تعالیٰ کا ہے۔لہذا، نہ قرآن کے متن میں آج تک کوئی ردو بدل ہوا ہے اور نہ ابدالآباد تک کبھی ہوگا۔اور نہ اس کے مختلف نسخوں میں کہیں کوئی تضاد پایا جاتا ہے۔نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی سیرت وسنت طیبہ مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل تھی، ہے اور رہے گی۔اسلام وہ دین ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آیا ہے۔

اسی طرح نہ قرآن مجید اور حدیثِ نبوی ﷺ کی تعلیمات سائنسی تحقیقات واکتشافات کے منافی ہیں اور نہ جدید تصوراتِ زندگی کے مقابلے میں نا قابلِ عمل۔دینِ اسلام اور قرآن وسنت کی تعلیمات کبھی بھی رفتارِ زمانہ سے پیچھے رہ جانے والی نہیں بلکہ خود ان کے اندر ہر دور کے جدید تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت اور ضابطہ وطریقہ موجود ہے۔لہذا، ثابت یہ ہوا کہ عیسائیت میں ''بنیاد پرستی'' کے خلاف جو فکری وعملی عوامل اور اسباب موجود تھے، اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات پر ان کا انطباق نہیں ہوتا۔بلکہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

امریکی جدّت پسندوں نے اپنے تحریف شدہ مذہب کا حال اسلام پر بھی چسپاں کردیا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ان کی بائبل کی طرح مسلمانوں کے دینی مصادر قرآن وسنتِ نبوی ﷺ بھی معاذ اللہ اس قدر بدل چکے ہیں یا پرانے ہوچکے ہیں کہ اب من وعن ان کی تعلیمات کی ثقاہت وحجیت پر اقرار کرنا سراسر نا معقول بات ہے، بلکہ یہ دورِ جدید کی رفتار میں ایک رکاوٹ ہے۔اس لئے قرآن وسنت کی تعلیمات سے پختہ وابستگی کے تصور کے خلاف بھی بھرپور مہم چلائی جائے تاکہ مسلمانوں میں بھی قرآن مجید اور حدیثِ نبوی ﷺ کی وہی اخلاقی حیثیت باقی رہ جائے جو مغرب کے عیسائی معاشروں میں بائبل کی رہ گئی ہے۔

بائبل مغرب کے عیسائی معاشروں میں صرف ''مقدس کتاب'' کہلانے اور چرچ میں کبھی کبھار پڑھے جانے کے لیے ہے۔اس کا عملی زندگی اور معاشرہ، معیشت، سیاست وریاست کے نظام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ''مسلمان بنیاد پرستی'' کے خلاف چلائی جانے والی مہم کا مقصد بھی یہی ہے کہ عالمِ اسلام میں قرآن وحدیث اور اسلام کو عملی زندگی، معاشرت، معیشت، سیاست اور ریاست کے ساتھ متعلق کرنے والے دین اور عناصر کا خاتمہ کیا جائے اور اسلامی دنیا سے اس سوچ کو مٹایا جائے کہ اسلام بطور دین مکمل نظامِ حیات ہے اور اسے عملاً نافذ ہونا چاہیے۔امریکی مہم کا ہدف ایک تو یہ

Marfat.com

ہے کہ مسلمان حکومتیں اور اُمت مُسلمہ اس ''مغربی خیال'' پر متفق ہو جائیں کہ اسلام فقط ایک مذہب ہے اور قرآن و حدیث کا تعلق محض مذہبی رسوم کی حد تک ہے۔ اسلام کو صرف عبادات اور مذہبی رواجات میں استعمال کرنا چاہیے۔ اسے ایک نظام کے طور پر پوری زندگی اور معاشرے کے سماجی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں پر نافذ کرنے کی بات چھوڑ دینی چاہیے تاکہ اسلام کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر کوئی دینی، سیاسی اور ثقافتی تشخص باقی نہ رہے۔ اسلام فقط مسلمانوں کی زندگی میں ایک نجی مسئلے (Private Affair) کی حیثیت سے موجود رہے اور لوگ انفرادی طور پر اس کی تھوڑی بہت دلچسپی رکھیں۔ اس کا بنیادی مقصد اجتماعی اور عالمی سطح پر بڑھتے ہوئے اسلام کے اثر و نفوذ اور قبولیت و پذیرائی کو روکنا اور خود مسلمانوں کو بہ حیثیت اُمت اپنے دین سے ہٹانا ہے۔

اسلام دشمن سامراج کے ان ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لیے اُمتِ مُسلمہ کے اصحابِ دانش و بینش کو اُمت کے ایمان اور دین کے تشخص کے بچاؤ کی فکر کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے دینی تشخص کی حفاظت کر سکیں۔ آمین۔

امریکی حکومتیں وقتاً فوقتاً تمام اُمتِ مُسلمہ کو ''دہشت گرد'' قرار دیتی رہتی ہیں۔ کیا کبھی انہوں نے اسرائیل کی بھی مذمت کی ہے؟ جب اس کی اپنی دہشت گرد تنظیم ''موساد'' کھلے بندوں دہشت گردی کرتی تھی اور کر رہی ہے۔ آج بھی امریکہ کی ''ایف بی آئی'' اور دیگر ایجنسیاں اور بھارت کی ''را'' (RAW) اپنی دہشت گردی سے پاکستان کو کہیں زیادہ نقصان پہنچا رہی ہیں جب کہ کشمیر کی آزادی کے لیے جو لوگ اور تنظیمیں جہاد کر رہی ہیں، وہ بھارت کے شہروں میں بم دھماکے نہیں کرتیں بلکہ ایک کھلی جنگ لڑ رہی ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نعرہ بے بنیاد اور بے معنی ہے۔ اس نعرے کی آڑ میں بڑی طاقتیں انسانی حقوق کی پامالی کی عالمی مثالیں قائم کر رہی ہیں۔ انسانی حقوق کی لغت میں دہشت گردی لفظ کا استعمال نہیں ہوتا جب کہ بین الاقوامی قانون میں بھی دہشت گردی کی تعریف کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ جن علاقوں میں دہشت گردی کے واقعات رونما ہوئے ہیں، وہاں تحریکِ آزادی اور اپنے حقوق کی جنگیں جاری ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کو عقل و خرد کے دشمن، شرفِ انسانی سے دور، جمہوریت کے قاتل، بنیاد پرست اور دہشت گرد قرار دینے کے لیے سینکڑوں کی تعداد میں ریسرچ سینٹرز قائم کیے گئے ہیں۔ مختلف مفکرین اس کام میں مصروف ہیں۔

Marfat.com

امریکہ کا نیا عالمی نظام کسی نیک نیتی کی بنیاد پر استوار نہیں:۔

امریکہ کے نئے عالمی نظام کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ امریکہ ملکوں کے معاملات کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ عالمی امن اور عالمی برادری کی خوش حالی کے نظریات اس کے اپنے معیارات کے مطابق وضع کردہ ہیں۔ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر کسی نیک نیتی کی بنیاد پر استوار نہیں کیا گیا۔ اس کا نفوذ واطلاق انصاف اور سراسر انصاف کے مطابق نہیں کیا جارہا۔ گزشتہ 12 سال میں امریکہ کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی کھل چکی ہے۔ یہ نیو ورلڈ آرڈر امن کے نام پر دنیا پر غلبہ پانے کے اقدامات کا نام ہے۔ سامراجیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ، دوسری جنگ عظیم کے بعد اسرائیل کا قیام اور اب سردِ جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا نفاذ بیسویں صدی کے تین اہم واقعات ہیں۔

امریکہ کو نیو ورلڈ آرڈر کی سطح تک پہنچانے میں مسلمان ممالک نے اہم کردار ادا کیا ہے اور مسلم حکومتوں کی مدد سے ہی امریکہ بلا شرکتِ غیرے واحد سپر پاور بن بیٹھا ہے کیوں کہ سرد جنگ میں اشتراکیت کا مقابلہ کرنے کے لیے سامراجیت کے پلیٹ فارم پر مسلمانوں کے سوا کوئی ایسی قوم نہ تھی جو نظریاتی محاذ پر امریکی حکمتِ عملی کا حصہ بن سکتی، چناں چہ اس طویل سرد جنگ کے آخری دور میں فیصلہ کن کردار افغانستان کے مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی نے ادا کیا۔ اور بالآخر 12 سالہ جہاد نے دنیا کی ایک بڑی سپر پاور کو جس طرح گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا، اس سے دورِ جدید میں ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کی اثر انگیزی ثابت ہوگئی۔

اب امریکہ کو، مغربی دنیا کو بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہود ونصاریٰ کو سب سے عظیم خطرہ مسلمانوں کے ''جذبۂ ایمانی'' اور ''جذبۂ جہاد'' سے ہے اور مسلمانوں کے اس ''جذبۂ جہاد'' کی مدد سے اپنا کام نکالنے کے بعد یا مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنانے کے بعد امریکہ کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ عالمِ اسلام کی اجتماعی حیثیت کا خاتمہ کیا جائے بلکہ یہ امریکہ کی ترجیحات میں سرِفہرست ہے۔

ماضی کی روایات کے تسلسل میں امریکہ کے مفکرین اور دانشور اپنی حکومت کو مشورہ دے رہے ہیں کہ اشتراکی نظام کے انہدام کے بعد اب صرف اسلامی نظام بحیثیت حریف کے باقی رہ گیا ہے۔

پچھلے کچھ عرصے سے S.P.Huntington کا تصورِ تہذیبی کشمکش (Clash of Civilizations) بڑے زور شور سے پیش کیا جارہا ہے۔

Huntington کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ روس اور اشترا کی نظام کے انہدام کے بعد اب امریکہ اور مغربی تہذیب کو سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے ہے۔ اس بات کو وزنی بنانے کے لیے اس نے یہ تصور پیش کیا۔

''مستقبل میں ہتھیاروں کی بجائے تہذیبوں کی جنگ ہوگی اور صرف اسلامی تہذیب ایسی ہے جس سے جنگ کا پورا پورا خطرہ ہے۔''

گویا اس نے یہ تصور پیش کیا کہ آئندہ عالمی جنگ تہذیبی بنیادوں پر لڑی جائے گی۔ جس میں اسلامی دنیا اور چین ایک طرف ہوں گے اور باقی دنیا بشمول امریکہ اور اس کے مغربی اتحادی دوسری جانب ہوں گے۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

''اشترا کیت کے بعد اب جنگ ختم ہوگئی ہے۔ اب تو مغربی تہذیب کے لیے موقع ہے کہ وہ اپنی توسیعی سرگرمیاں دکھلائے۔ مغربی تہذیب کو ساری دنیا پر مسلط کر دے۔ دل و دماغ کی ساری قوتیں مغرب میں اب اس غرض کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔ مفکرین حسبِ سابق حکومتوں کو مشورے دے رہے ہیں۔''

F.Fukuyama بھی کچھ ایسے ہی تصورات کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کا خیال یہ ہے کہ اشترا کی نظام اور اس کے بانی روس، کے خاتمے کے ساتھ ہی تاریخ بھی ختم ہوگئی۔ کیوں کہ تاریخ کا سفر تو نظریاتی کشمکش کا مرہونِ منت ہے۔ اب جب کہ اشترا کیت ختم ہوگئی اور صرف سرمایہ داری نظام اور مغربی جمہوریت باقی رہ گئے ہیں تو اب تاریخ کیسے زندہ رہ سکتی ہے؟ اب تو یہ نتیجہ اظہر من الشمس ہے کہ یہی نظام عالمِ انسانی کا نظام رہے گا اور جہاں یہ نظام نہیں، وہاں نافذ ہوتا جائے گا اور یوں مغربی تہذیب فی الحقیقت انسانی تہذیب کا روپ دھار لے گی۔

ہمارا ایمان ہے کہ جب تک انسان باقی ہے، انسانی تاریخ باقی رہے گی۔ خیر و شر اور حق و باطل کی جنگ ازل سے ہے اور ابد تک باقی رہے گی۔ تاریخ کا خاتمہ اسی وقت ہوگا جب انسان کا خاتمہ ہو جائے گا ورنہ کشمکش کا یہ سلسلہ جلد ہی کسی اور شکل میں نمودار ہو جائے گا۔ بقول اقبال:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

جہاد کی تڑپ کو زندہ رکھیں:۔

1۔ ان حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کو بھی یہ سوچنا چاہیے کہ وہ عالمِ اسلام کے طور پر کس طرح

Marfat.com

جی سکتے ہیں؟

2۔ اپنے اسلامی تشخص کو کیوں کر قائم و برقرار رکھیں؟

3۔ اپنے جذبۂ جہاد کو کیسے زندہ اور قائم رکھیں بلکہ جہاد کی روح کو صیقل کرنے کے لیے اپنے آپ کو آسائش و تعیش کی وادیوں میں گرنے سے بچائیں اور تقدیرِ اُمم کو سمجھنے کے لیے، شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر رکھنے کے لیے انفرادی و اجتماعی سطح پر کوشاں رہیں۔

خلیفۂ اوّل سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا۔

''جو قوم بے حیائی اور اباہیت سے سمجھوتہ کر لے اور اس میں جہاد کی تڑپ ٹھنڈی پڑ جائے تو وہ زمین کی سطح پر چلنے کا حق کھو بیٹھتی ہے اور اس کے بطن میں دفن ہونے کی حق دار بن جاتی ہے۔''

خلیفۂ اوّل کے اس خطبہ کو اُمتِ مُسلمہ ہمیشہ یاد رکھے اور بے حیائی اور اباہیت سے ہرگز سمجھوتہ نہ کرے جسے کبھی تو انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے، کبھی الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے، کبھی گلوبل ولیج کے تصور کے سہارے عالمِ اسلام میں اتارا جا رہا ہے تاکہ اس میں جہاد کی تڑپ ٹھنڈی پڑ جائے۔ اے اُمتِ مُسلمہ کے مردانِ ہوش مند جہاد کی تڑپ کو زندہ رکھنے کی شعوری کوشش ہم سب کا فریضہ ہے۔ امریکہ ہمارے ''جذبۂ جہاد'' سے بوکھلا کر مسلمان ممالک کو ''دہشت گرد'' قرار دے رہا ہے۔ مسلمانوں سے ان کا اسلامی تشخص چھین لینے کے لیے انہیں ''بنیاد پرستی'' کا الزام دے رہا ہے۔ عالمِ اسلام اور اُمتِ مُسلمہ کے خلاف امریکہ اور اس کے حواریوں نے مختلف محاذ کھول رکھے ہیں۔ سماجی سطح پر، ثقافتی سطح پر، معاشی سطح پر اور سیاسی سطح پر، بین الاقوامی امداد کی سطح پر، غرض یہ ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر تو برملا مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت کو ختم کرنے کی حکمتِ عملی کا آئینہ دار ہے۔

آج کی اُمتِ مُسلمہ اور مومن کی فراست:۔

سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اُمتِ مُسلمہ اپنے اندر ''مومن کی فراست'' کو پیدا کرے اور مومن کی فراست کو اختیار کرے۔ حدیث شریف ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

جو سادہ لوح اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ خلیجی بحران کا واحد سبب عراق کا کویت پر قبضہ تھا اور یہ قبضہ نہ ہوتا یا عراق کا سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق انخلاء ہو جاتا تو امریکہ اور اس کے حلیفوں کی افواج عراق کے خلاف حرکت میں نہ آتیں۔

Marfat.com

امریکہ نے اپنی نا قابلِ مزاحمت طاقت کے ذریعے مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی علاقے کو زیر دست لانے کو اولین ترجیح بنایا اور منصوبہ بندی کی۔ اس ترجیح کے کئی واضح محرکات تھے۔ یہاں تیل کا خزانہ تھا جس کی تحویل سے امریکہ دنیا کی اقتصادیات پر کنٹرول کر سکتا تھا اور جرمنی اور جاپان کو اپنے سیاسی قابو میں رکھ سکتا تھا۔ دوسرے، مشرقِ وسطیٰ، اسلام کا مرکز ہے اور مغربی تہذیب کا سب سے بڑا مدِ مقابل اسلامی تہذیب ہے تو کیوں نہ اس مرکزِ اسلام کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا جائے اور پورے مشرقِ وسطیٰ کی تہذیب کا رخ موڑا جائے۔ مقصودِ ہدف امریکہ بنیاد پرستی کی جگہ موڈریٹ اسلام یا موڈرن ازم کا نفوذ چاہتا ہے۔ تیسرے، علاقے میں اسرائیل کو مغربی طاقت کا قلعہ اور سپر پاور بنانا تھا اور اس سلسلے میں پہلی چال عراق میں امریکی سفیر کی صدر صدام حسین کو کویت پر حملے کی ترغیب تھی۔

اگر عالمِ اسلام میں نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق معاملہ فہمی اور فراست ہوتی تو عراق کویت پر حملے کی ترغیب سے یوں اثر پذیر نہ ہوتا۔ سعودی عرب اور خلیج کے ممالک اپنی حفاظت و دفاع کے لیے امریکہ کو نہ پکارتے۔ اپنے اللہ پر اور اپنے مسلمان برادر ملکوں پر اور اپنے قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے۔

ٹیکنالوجی میں خود کفالت اور اسلحہ سازی:۔

امریکہ اپنی اسی منصوبہ بندی کے تحت کہ اسرائیل کو مشرقِ وسطیٰ کا نا قابلِ تسخیر قلعہ بنا دے۔ مشرقِ وسطیٰ کو نیوکلیئر کیمیکل، بائیولاجیکل ہتھیاروں اور میزائلوں کے پھیلاؤ سے پاک کیا جائے گا نیز روایتی اسلحہ کی غیر ضروری ذخیرہ اندوزی میں کمی کی جائے گی۔ وہ موثر اقدامات کر رہا ہے کہ آئندہ عراق، ایران، لیبیا، شام، مصر، اسرائیل، لبنان، اردن، سعودی عرب اور امارات غرضیکہ دنیائے اسلام کو نہ ہی متذکرہ بالا ہتھیار بنانے میں کوئی مدد دی جائے گی اور نہ ہی انہیں میزائل بنانے کے لیے کوئی پرزہ فراہم کیا جائے۔ اس اعلان پر پوری شدت سے عمل درآمد کروانے کے لیے پانچ بڑی طاقتوں (امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین) کی کانفرنس بلائی گئی کہ یہ پانچ ممالک جو دنیا کا 80 فیصد اسلحہ فراہم و فروخت کرتے ہیں۔ ان ممالک کو دنیائے اسلام کو اسلحہ فروخت کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔

اس پابندی سے واضح ہوتا ہے کہ نئے عالمی نظام کا اصل ہدف دنیائے اسلام کو بے دست و پا کرنا ہے۔ پاکستان پر پہلے ہی ہر قسم کے امریکی اسلحے کی بندش ہے اور اس کی ایٹمی صلاحیت امریکہ کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ اس کا مقصود مسلمانوں کو نہتا کر کے بے بس کرنا ہے۔ عراق کو اسلحی طور پر ختم کر کے اب باقی مسلمان ملکوں کو ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

Marfat.com

سیرت طیبہ ﷺ کی رو سے ہمیں اپنے اسلحے، سامانِ حرب، جنگی فنون اور ٹیکنالوجی میں نہ صرف خود کفیل ہونا چاہیے بلکہ اپنے دشمن پر اپنا دبدبہ قائم رکھنا چاہیے۔ ایسا کرنے کے لیے اُمتِ مُسلمہ کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم میں آگے ہونا چاہیے۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی رو سے حصولِ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کا فرض ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات میں حصولِ علم کی جو اہمیت ہے اس کے باعث اُمتِ مُسلمہ کے ہر فرد کے لیے حصولِ علم فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔ جس اُمت میں خواندگی کی شرح سو فیصد مطلوب ہو، اس میں ہی سائنس اور ٹیکنالوجی کا فروغ دیگر اقوامِ عالم سے زیادہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا، اسلحہ سازی میں اور ٹیکنالوجی میں مغرب کا دست نگر ہونا بجائے خود شرمناک اور غیر شرعی ہے۔ لہٰذا، اُمتِ مُسلمہ اور عالمِ اسلام کی اولین ترجیح خواندگی کی صدفی صد شرح کا حصول اور علومِ فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی ہونا چاہیے۔

اتحاد و یک جہتی:۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

آج نئے عالمی نظام کے ساتھ امریکہ دنیا میں سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا ہے لیکن جب وہ مستقبل کے خدشات پر نظر ڈالتا ہے تو اسے عالمِ اسلام سے خطرہ محسوس ہوتا ہے، چناں چہ اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ عالمِ اسلام کو متحد اور مضبوط نہ ہونے دے گا۔ لہٰذا، ہمیں عالمِ اسلام میں ایک قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے ملت کی نئی شیرازہ بندی کرنا ہوگی اور اس میں اتحاد و یک جہتی کی ایک نئی روح پھونکنی ہوگی۔

امریکہ اپنے نئے عالمی نظام کو امن اور سلامتی کے ایک منصوبے کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ انگریزی میں اسے ”پیکس امریکانا“ (Pax Americana) کہا جا رہا ہے۔ Pax رومن کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے امن۔ صحیح معنوں میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امریکہ کی شرائط پر امن۔ جسے امن چاہیے وہ امریکہ کی شرائط مان کر اپنے لیے امن خریدے۔ پرانی تاریخ میں، سلطنتِ روما نے اس انداز سے دنیا کی منڈیوں میں امن بیچا تھا۔ چند سال پیشتر برطانیہ نے ”پیکس برٹینیکا“ قائم کر رکھا تھا جس کی ایک شکل برطانوی کامن ویلتھ کے طور پر آج بھی موجود ہے۔

عالمِ اسلام یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اپنے خلاف ہونے والی تمام کارروائیاں اور حکمت عملیاں اس کے سامنے ہیں۔ بعض لوگ کہیں گے کہ ہمارا مدِ مقابل بہت تیز ہے۔ میں کہوں گی کہ نہیں ہم بہت سست

Marfat.com

ہیں۔ بہت غفلت میں ہیں۔ ہمیں احساسِ حالت بھی نہیں ہے۔ بقول شاعر:

کامیابی کے لیے احساسِ حالت چاہیے

ایک ہوجاؤ اگر دنیا میں عزت چاہیے

سوال یہ ہے کہ مسلمان ممالک آئندہ اپنے لیے امریکہ سے کس قیمت پر امن خرید سکتے ہیں؟ اور کیا اُمتِ مُسلمہ کے لیے وہ قیمت ادا کرنی ممکن اور مناسب ہے؟ جب ہی امریکہ کا اصل تصادم ہی عالمِ اسلام سے ہے۔ ان حالات میں اُمتِ مُسلمہ کا اتحاد اور یک جہتی ہی واحد حل ہے۔

پہلے تو یہ کہ ہر مسلمان ملک اپنی بقا اور استحکام کے لیے اپنے اندر متحد ہو۔ آج سے زیادہ قومی مفاہمت کی کبھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فرقہ وارانہ اختلافات ہوں یا صوبائی یا لسانی تعصبات ہوں ان کو پس پشت ڈالنا ضروری ہے۔ امت کے عظیم تر مفاد کے لیے مسلمان صرف اسلام کے نام پر متحد ہو جائیں تا کہ امریکہ کے ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں۔

پورا عالمِ اسلام نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہو جائے، یعنی اپنے اندر اتحاد اور یک جہتی پیدا کرے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مثل ہوتا ہے جس کے اجزا ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔“

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”اُمتِ مُسلمہ ایک جسدِ واحد کی مانند ہے۔ اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو بخار اور تکلیف پورے بدن کو ہوتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی مسلمانوں اور ان کی حکومتوں پر آفت آتی ہے تو سارے مسلمان رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور ان کو کامیابی ہوتی ہے تو خوش ہوتے ہیں۔ اس احساس کی مقدار ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ بڑے واقعات سے زیادہ گہرا احساس ہوتا ہے اور معمولی واقعات سے واجبی احساس ہوتا ہے۔ یہ احساسِ وحدت، عالمِ اسلام کی روح ہے۔ اس میں جان ڈالنا اور اس کو پُر اثر بنانا مسلمانوں کا کام ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستانیوں میں اُمتِ مُسلمہ کا درد زیادہ ہے۔ اور ممالک تو ہمارا نام بھی نہیں لیتے۔ یہ خیال دراصل صحیح نہیں ہے۔ نیز ہم کو عالمِ اسلام سے اُمتِ مُسلمہ سے محبت ہے اور محبت ہونی بھی چاہیے اور ایسا اس لیے ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، یعنی یہ محبت اللہ کے لیے ہے، اسلام کی خاطر ہے اور خود اپنی خاطر ہے۔

Marfat.com

دنیائے اسلام ہماری ہے۔ وہ ہماری اس وقت ہو کر رہے گی جب ہم اس کے ہوں گے۔ یہ کوئی تجارتی اور کاروباری محبت تو ہے نہیں۔ اگر بیوپار کا انداز اپنایا گیا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اب سن 2003ء میں اُمتِ مُسلمہ کا رویّہ کس قدر غیر ملّی ہے۔ احساسِ وحدت اس درجہ مفقود ہو گیا ہے کہ آج کل امریکہ کا یہ دباؤ کہ وہ عراق پر حملہ کرے گا، اس متوقع حملے کے خلاف صدائے احتجاج یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا سے بلند ہو رہی ہیں۔ عراق کے مظلوم عوام، معصوم عراقی بچے اور بے گناہ بوڑھے، عورتیں اور مرد امریکہ کے اس نئے عالمی نظام کے تحت جنگ کے خوفناک اندیشے میں گھرے ہوئے ہیں۔ عالمِ اسلام کے 61 ملکوں ہی میں عراق کا شمار ہوتا ہے۔ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ ہمارا ان کا اللہ، رسول، دین، ایمان ایک ہے۔ حرمِ پاک بھی اور قرآن بھی ایک ہے لیکن عالمِ اسلام کے 61 ملک خاموش، چپ اور لاتعلق دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا اس لیے کہ ہم بے حس ہیں؟ یا خودغرض ہیں؟ یا ہم اپنی بے بضاعتی سے واقف ہیں؟ ہم اس درجہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ اس درجہ مرعوب ہیں امریکہ کے واحد سپر پاور ہونے سے۔ ہم مغلوب ہیں، اس لیے کہ اللہ کی رسی کو تو ہم نے مضبوطی سے تھام نہیں رکھا۔ جو ہم جڑے رہتے، غالب رہتے۔

اُمتِ مُسلمہ کی بنیاد اسلامی نظریۂ حیات پر ہے۔ اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی ہر شخص اُمتِ مُسلمہ کا رکن بن جاتا ہے۔ قوم نسل، قبیلے، ذات پات، وطن، زبان، رنگ، خاندان کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

اور رسول ہاشمی حضرت محمد ﷺ کی اُمت کی تشکیل کی بنیاد ہی اسلام ہے۔ کلمۂ طیبہ ہے۔ جو شخص کلمۂ توحید کے دائرے کے اندر آ گیا وہ اُمتِ مُسلمہ کا فرد بن گیا۔

باہمی اتفاق واتحاد اور اخوت و یک جہتی ہی وہ ستون ہے جس پر اُمتِ مُسلمہ کی عمارت کھڑی ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر 103:

ترجمہ: ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے فرقے نہ ہونا''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو اور انتشار (تفرقے) سے بچو''۔

اُمت کے اتحاد و اتفاق کی اہمیت سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشادات مبارکہ سے واضح ہو گئی ہے۔

Marfat.com

مشکوۃ شریف کی حدیث میں آتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کا با آسانی شکار کر لیتا ہے اسی طرح شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے۔ اگر جماعت بن کر نہ رہیں تو یہ ان کو الگ الگ نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے، تو اے لوگو! پگڈنڈیوں پر مت چلنا بلکہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔''

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو تنہا ہوا وہ آگ میں علیحدہ کر دیا گیا۔''

دورِ حاضر کے مسلمانوں کو آج اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔ آج اسلام دشمن قوتیں اسلام کی مخالفت میں متحد اور طاقتور ہیں۔ مسلمانوں کی یک جہتی اور اتحاد کو اپنے مفادات کے لیے خطرہ سمجھتی ہیں، اس لیے ان میں افتراق اور اختلاف پیدا کرنے کے لیے متواتر کوششیں کرتی رہتی ہیں۔ قوم کے مختلف طبقات تب ہی یکجا اور متحد رہ سکتے ہیں جب ان کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔ جہاں عدل و انصاف غائب ہو جائے، وہاں سے اتحاد و یگانگت بھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ عالمِ اسلام میں معاشرتی عدل و انصاف کا بہت فقدان ہے جب کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہر معاملے میں عدل و احسان کا حکم دیا ہے۔

عالمِ اسلام نے آئندہ حالات سے نبرد آزما ہونے کی منصوبہ بندی تو کجا اس کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ فی الحال عالمِ اسلام چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم ہے اور اکثر ممالک پر خود غرض اور کوتاہ نظر حکمرانوں کی حکومت ہے جو عالمِ اسلام کے اجتماعی مفاد کی بجائے ذاتی مفادات کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ عالمِ اسلام کے دشمن ان نااہل حکمرانوں کی کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اٹھا رہے ہیں۔ باوجود اس کے عالمِ اسلام منتشر ہے اور حکمراں طبقہ عالمی استعماری قوتوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے۔ اُمت کا تصور موہوم ہے لیکن دنیا بھر کے مسلمانوں میں سامراجی قوتوں کے خلاف نفرت اور بیداری کی لہر پروان چڑھ رہی ہے۔

بیداری کی لہر:۔

عالمِ اسلام کے عام مسلمان اور خاص طور پر نوجوان نسل کی یہی بیداری، اسلام دشمن قوتوں کے لیے باعثِ تشویش ہے۔ مسلمان طلباء امریکہ اور یورپ کے تعلیمی اداروں میں بھی اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھتے ہیں۔ امریکہ اور مغربی طاقتیں، مسلمانوں کی بیداری کی لہر اور اسلامی تہذیب و اقدار سے محبت کو اپنے

Marfat.com

ثقافتی، سیاسی، معاشی اور فوجی ''نظامِ نو'' کے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر عراق کی تباہی اور افغانستان کی تباہی کے بعد اب ہر عام مسلمان کے دل میں امریکہ کے خلاف شدید نفرت بھر چکی ہے اور ان کا یہ شعور مزید پختہ ہو گیا ہے کہ خلیج میں امریکہ آنے اور افغانستان پر حملہ کرنے کے امریکی مقاصد وہ نہیں ہیں جو اب تک ظاہر کیے جا رہے تھے۔

غرض یہ کہ آنے والے حالات میں عالمِ اسلام کو دشمنوں کی سازشوں اور درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ٹھوس اقدام کرنے ہوں گے۔ عرب و عجم اور دوسرے جھگڑوں سے آزاد ہو کر اتحادِ عالمِ اسلام کے لیے کام کرنا ہوگا۔ اگر ایک متحد عالمِ اسلام، متحد اُمت ہوگی تو پھر کوئی ورلڈ آرڈر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ عالمِ اسلام کو سلامتی کونسل میں بھی ایک مستقل نشست حاصل کرنا ہوگی تا کہ عالمی ادارہ آئندہ کسی مسلمان ملک کے خلاف ظلم و زیادتی میں فریق بننے سے محفوظ رہے یا پھر عالمِ اسلام اپنی مسلم اقوامِ متحدہ کے قیام پر غور کرے۔

علم و تعلیم کا فروغ:۔

اللہ نے اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ:۔

''علم حاصل کرو'' اور ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

ہم نے علم کے معنوں کو ہی محدود کر دیا۔ علم قرآن اور علومِ حدیث ہی علوم تسلیم کیے گئے۔ غیروں کی زبان، غیروں کے علوم، سائنس اور ٹیکنالوجی، تحقیق و تدقیق سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ (بتائیے ہمارے دینی مدارس اور دارالعلوم میں یہ سب کہاں پڑھائے جاتے ہیں؟) جدتِ عمل اور جدید علوم بدعت ٹھہرے۔ کچھ غیر نافع اور کچھ خطرۂ ایمان قرار دیئے گئے۔ نتیجہ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور پس ماندگی ہو گیا۔

ہر نئے طریقے، ہر نئی ایجاد، ہر نئی اختراع کو ابتداً ہم نے ناجائز قرار دیا اور بعد ازاں انہیں اختیار کر لیا۔ یعنی ہمارا شعار اور طریقہ تنگ نظری ہے جو کہ اسلام کے شعار کے صریحاً غیر مطابق ہے۔ اسلام تو وسعتِ قلب و نظر پیدا کرتا ہے۔ اہلِ ایمان کا ذہنی افق سب سے زیادہ کشادہ ہونا چاہیے۔ ان کو سب سے زیادہ روشن خیال اور وسیع قلب و نظر کا مالک ہونا چاہیے۔ روشن ضمیر ہونا چاہیے۔ ایمان تو انہیں مومن کی فراست عطا کرتا ہے۔ بصیرت عطا کرتا ہے۔

ابتدائی زمانے سے لے کر اب تک کے حالات پر نظر ڈالیئے تو آپ پائیں گے کہ راستے میں سینکڑوں پتھر ایسے آئے جن کو ٹھوکر سمجھ کر ہم نے ان سے بچنا چاہا لیکن وہی سیڑھیاں ثابت ہوئے۔ تو

Marfat.com

لاکھوں ٹھوکریں ایسی ہیں جن کو بعد میں نصیحت سمجھا گیا۔ایک وقت تھا کہ جب کلام اللہ کو چھپوانا نہایت بے ادبی کے الزام کا مورد ہوا۔قرآن کریم کا ترجمہ کر کے دنیا میں پھیلانا ناجائز بتایا گیا تھا۔غیر منقسم ہندوستان میں ترجمہ کرنے والے بزرگ پر خانۂ خدا میں قاتلانہ حملہ کیا گیا۔انگریزی زبان کا پڑھنا اور سیکھنا فرنگی ہونے اور داخلِ کفر ہو جانے کے مترادف قرار دیا گیا۔لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا حرام تھا۔اب لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے روکنا اشتعال کا باعث ہے۔ایک زمانے میں فوٹو گرافی حرام تھی،عرب میں سعودی حکومت کے آنے کے بعد گاؤں میں ٹیلی فون کے استعمال کے تعلق سے زبردست فسادات ہو چکے ہیں۔ریلوے انجن کو شیطان قرار دے کر پھانسی پر لٹکایا گیا۔پاکستان کے قیام کے خلاف فتوے دیئے گئے۔مسلمانوں کے بڑے بڑے دینی اور دنیاوی رہبر اور معززین کفار کی صفوں میں کھڑے کر دیے گئے۔

ذرا غور فرمایئے کہ جب کوئی اُمت اپنے اوپر وہم وگمان کی یہ حالت طاری کر لے تو وہ کوئی علوم ایجاد کر سکتی ہے؟ یا جدید علوم سیکھ سکتی ہے؟ لہٰذا یہ واضح بات ہے کہ مسلمانانِ عالم عموماً جدید علوم،فنون، ہنر، ٹیکنالوجی، صنعت، حرفت، انفارمیشن ٹیکنالوجی، اسلحہ سازی اور جدید فنون ہائے جنگ سب سے نابلد ہیں۔دراصل وہ ان بنیادی علوم سے واقف ہی نہیں جو ان ایجادات کا منبع ہیں۔لہٰذا اگر ہم علم وہنر کی دنیا میں بے نام ہیں تو کون سی حیرت کی بات ہے۔یہی تو اس طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔

ع کیا تعجب ہے جو خالی رہ گیا تیرا ایاغ

جب علم وہنر کے میدان میں ہم اتنے پیچھے اور خالی ہاتھ ہوں کے تو اپنے اعتقادات پر فخر کس طرح کر سکیں گے؟ پھر ایمان مضبوط کس طرح رہ سکے گا۔اس کے جواب میں وہ لوگ جو اسبابِ دنیا اور تدبیرِ دنیوی کے قائل نہیں۔کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی پستی تو بس ایمان کی کمزوری سے ہے۔

بے عملی:۔

ایمان کی کمزوری اور طاقت کا کوئی ترازو کوئی پیمانہ تو ہے نہیں۔ہم میں سے لاکھوں ہیں جو ایمان پر جان دیتے ہیں۔پھر بھی ہم ایمان کے کچے ہیں اس لیے جناب کہ ایمان پر اضطراری طور پر ہم جان تو دے سکتے ہیں اور ہماری اسی صفت کی بدولت امریکی سامراج نے ہم مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر ''جہادِ افغانستان'' کی بدولت دوسری بالمقابل عالمی طاقت یعنی کمیونزم کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔لیکن ایمان جس عمل کا تقاضہ کرتا ہے، ہماری اجتماعی زندگی میں اس کا بہت فقدان ہے۔جس نظامِ حیات کا نفوذ چاہتا ہے اس میں بہت کوتاہیاں ہیں۔ہمارے یہاں معاشرتی انصاف نہیں ہے۔انصاف کا حصول ناممکن بنا ہوا

Marfat.com

ہے۔ مسلمانوں کے کسی ملک میں بھی اسلام کا سماجی، ثقافتی، معاشی، سیاسی نظام نافذ نہیں ہے۔ ان اسلامی نظاموں کو نافذ کرنے کے لیے جس تحقیقی عمل اور کاوش کی ضرورت تھی، وہ ہوم ورک ہم نے نہیں کیا۔ روزمرہ معاملات میں یہود و نصاریٰ اور کفار و ہنود ہم سے زیادہ دیانتداری برت رہے ہیں؟ ہمارے ادارے کیسے ہیں؟ اپنے اداروں کی کارکردگی پر نظر ڈالیے، کیا یہ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہیں؟ کیا ان کی کارکردگی مطلوبہ معیار کی ہے؟ کیا ہمارے سربرآوردہ لوگ اُمت کے خادم ہیں یا آقا؟ کیا ہمارے اربابِ اختیار اپنے آپ کو اُمت کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں؟ کیا روزِ قیامت اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور ان میں موجود ہے؟ کیا اس اُمت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو فریضہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ نے عائد کیا تھا کیا آج بھی یہ فرض موثر طور پر ادا کیا جا رہا ہے؟ کیا حقوق و فرائض کی ادائیگی کا ہمیں احساس ہے؟ کیا ہم سب جو کچھ ہماری ضروریات سے بچ رہے وہ اللہ کے نام پر خرچ کر رہے ہیں۔ یعنی ''انفاق'' پر عمل پیرا ہیں؟

فرض کیجیے ہم بھی کہتے ہیں کہ ایمان کمزور ہے لیکن یہ بھی تو بتائیے کہ کیوں کمزور ہے؟ یہ بھی بتائیے کہ مسلمان کا تو صرف ایمان کمزور ہے لیکن دنیا میں کامیاب اور حاوی تو وہ لوگ ہیں جن کا ایمان ہی نہیں۔ جو کفر، شرک، بت پرستی اور الحاد کے دلدادہ ہیں۔ کیا مولا نے ان کی دنیاوی کوششوں کو سراہا نہیں؟ اور کامیابیاں نہیں دیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ یہ فرمان دین و دنیا، دونوں کے لیے ہے۔

لیس للانسان الاماسعی

انسان کے بس میں سوائے کوشش کے کچھ اور نہیں یا انسان کو اس کے سوا کچھ نہیں ملتا جس کی وہ کوشش کرے۔

اس کا واضح مطلب یہی نکلا کہ ہماری کوشش یعنی جہادِ اکبر (جہاد بالنفس) ہی میں کوتاہی ہے۔ خیر اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا کافروں کے لیے ہے۔ یہاں تو وہی کامیاب ہوں گے۔ آخرت مسلمانوں کے لیے ہے۔ وہ ان کا میدان ہے۔ یہ جواب ان معنوں میں درست ہے کہ آخرت میں کافروں کا حصہ نہیں مانا جاتا۔ لیکن اس دنیا میں ایمان والوں کا حصہ تو ہے۔ مثلاً قرآن میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے سورۂ بقرہ آیت نمبر 102 میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اے رب مجھے اس دنیا کی بہتری اور آخرت کی بہتری عطا فرما اور آگ کے عذاب سے بچا۔''

نیز تلقینِ خداوندی ہے کہ اس دنیا سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ سورۂ قصص آیت نمبر 77 میں ارشاد ہے:

''جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔''

Marfat.com

اس دنیا میں آج ہمارے لیے اپنا حصہ لینے کے لیے اب ضروری ہے کہ ہم جدید علوم وفنون میں قیادت کا مرتبہ پائیں۔

مسلمانوں کی ذمہ داری فزوں تر ہے:۔

اب امریکہ کے پاس دنیا کو دینے کے لیے سوائے سرمایہ داری نظام کے کچھ نہیں ہے اور سرمایہ داری نظام دنیا کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ دنیا کے مسائل کا حل دنیا کے پیدا کرنے والے خالق نے دیا تھا۔ اسلام کے نام سے اور پیغمبرِ اسلام نے اپنے بعد ہمارے درمیان دو چیزیں چھوڑی تھیں۔ قرآن اور سنت وسیرت۔

یہ کام، یہ ذمہ داری ہم اہلِ ایمان کی تھی کہ اس قرآن، سنت اور سیرت پر تحقیقی کام کر کے دنیا کے مسائل حل کرتے اور اسلام کا نظام ایک ایسا ماڈل ہے جو انسان کے تمام مسائل کا حل رکھتا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اس کتابِ ہدایت پر ایمان رکھنے والے اس رسول ﷺ کے امتی اس رسول ﷺ سے محبت کے دعوے دار ''کتاب وسنت'' کی ترجمانی اور اطلاق ونفوذ کے لیے مطلوب محنت سے عملی کاوش وجہاد سے پہلوتہی کرتے رہے۔ علم وحکمت جس اُمت کا شعار قرار دیا گیا وہ علم وحکمت سے دور اور دور ہوتی گئی۔

علوم فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی میں قیادتِ دنیا حاصل کریں تاکہ اپنی طاقت مجمع ہو جائے اور اس میں ترقی ہو۔ تحقیق وایجاد میں کمال حاصل کرنے کی طرف توجہ دیں تاکہ دوسری قوموں کے دست نگر نہ رہیں۔ جب تک وہ حاصل نہ ہو تو دوسروں سے علوم وفنون میں رہبری حاصل کرنے میں تامل نہ کریں بلکہ ان کی شاگردی اختیار کریں۔ یہ پیشِ نظر رکھیں کہ عمر بھر شاگردی میں نہیں گزارنی بلکہ جلد از جلد ان سے آگے بڑھ کر ان کا قرض ادا کرنا ہے۔

عالمِ اسلام کی کمزوری یہ ہے کہ موجودہ حالات میں جن اسبابِ دنیا کی ضرورت ہے اس کو اس نے نہیں پہچانا یعنی جدید علوم وفنون میں عالمی قیادت کی اہمیت نہیں سمجھی۔ تحقیق وتدقیق کے راستے کو اختیار کرنے کی بجائے قدیم وجدید دونوں علوم وفنون کی نقالی اختیار کی۔ جس کا نتیجہ دنیاوی لحاظ سے ذہنی غلامی ہو گیا اور دینی لحاظ سے ان راستوں سے ناواقفیت بڑھتی گئی جن پر چلنے سے اُمتِ محمدی ﷺ کے ایمان میں کمزوری نہ آتی۔

ہم نے یہ نہ سمجھا کہ جدید علوم وفنون میں آگے بڑھنے سے خود اعتمادی بھی آتی، مسلمان گدائے بے نوا ہونے کی بجائے اسلام کے وقار کا علمبردار ہوتا۔ ایمان کی کمزوری، پستی، پسماندگی، بے ہمتی، ہماری ذہنی غلامی ہمارے شکست خوردہ ہونے سے ہے۔ اس کا تدارک کے لیے حصولِ علم اور آہنی ارادے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

مشترکہ لائحۂ عمل:۔

غیر مسلم اقوام، مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جاتی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک اپنے مفاد میں متحد نہیں ہو سکے، کم از کم اپنے تحفظ کی خاطر ہی متحد ہو جائیں جس طرح مزدور کی قوتِ سودا بازی کمزور ہوتی ہے لیکن محنت کی اجتماعی قوتِ سودا بازی موثر حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ مسلمان ممالک کو بھی مشترکہ لائحۂ عمل بنانے سے اجتماعی قوتِ سودا بازی کے باعث موثر اور مستحکم حیثیت حاصل ہونے کا پورا پورا یقین رکھنا چاہیے اور عالمِ اسلام یا اُمتِ مُسلمہ:

1۔ اپنے دفاع یعنی اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مشترکہ دفاعی حکمتِ عملی وضع کرے اور مشترکہ دفاعی افواج کا قیام عمل میں لائے۔

2۔ بین الاقوامی عدالتِ انصاف کی طرز پر مسلمان ممالک کے باہمی تنازعات اور کشیدگیوں کو حل کرنے کے لیے اسلامی عدالتِ انصاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

3۔ عالمی اسلامی بینک کا قیام عمل میں لایا جائے اور مسلمان حکومتیں اور مسلمان افراد اپنے اثاثے وہاں محفوظ رکھیں۔

4۔ عالمی اسلامی سرمایہ کاری بینک کے ذریعے دولت مند اسلامی ممالک ترقی پذیر اور سرمائے کی قلت سے دوچار مسلمان ممالک کے ترقیاتی منصوبوں کی مالیات کاری میں تعاون کریں۔

5۔ اسلامی مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں لانا چاہیے تاکہ بین الاقوامی تجارت میں ترجیحاً درآمد و برآمد اسلامی ممالک سے ہو اور مسلمان ممالک کی مصنوعات کی خریداری کے لیے دیگر اسلامی ممالک میں بازار کاری ہو سکے۔ اسلامک چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری قائم کیا جائے۔ مسلم ممالک کی ملٹی نیشنل کمپنیاں قائم کی جائیں۔

6۔ اسلحہ سازی کے مشترکہ پروجیکٹ، عالمِ اسلام سائنس، ٹیکنالوجی اور اسلحہ سازی کے لیے ایک مشترکہ ادارے کا قیام عمل میں لائے۔

7۔ مسلمان ممالک کے درمیان محنت کی حرکت پذیری کو بڑھایا جائے اور مشترکہ Empolyment Exchange قائم کی جائے تاکہ جن ممالک میں روزگار کے مواقع پیدا ہوں ان میں مسلمان بھائیوں کو وہ مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس طرح مسلمان ممالک میں بیروزگاری کو گھٹانے کی کوشش ہو۔

8۔ تعلیم و تحقیق کے فروغ کا مشترک ادارہ قائم کیا جائے تا کہ اُمتِ مُسلمہ قرآن وحدیث پر تحقیق و تدقیق سے استفادہ کرتے ہوئے بنی نوع انسان کے مسائل کے حل کے لیے اسلام کے مختلف نظاموں معاشی، سیاسی، معاشرتی کو ٹھوس بنیادوں پر متشکل کرے اور دنیا کے مسائل کا حل پیش کرے۔ نیز تحصیلِ علم کے لیے مسلمان ممالک کی جامعات میں دیگر مسلمان ممالک کے طلباء و طالبات کے لیے حصولِ علم کے بہتر مواقع فراہم کیے جائیں۔

9۔ مسلم ممالک کے مشترکہ "Muslim Think Tank" کا قیام عمل میں لایا جائے، اعلیٰ مفکرانہ صلاحیتوں کو یکجا کر کے تفکر و تدبر کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا جائے تا کہ عالمِ اسلام کی بہتری اور استحکام کے لیے سوچا جا سکے۔

10۔ مشترکہ ادارہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قائم کیا جائے جو ہر مسلمان ملک کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ بالخصوص اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے امور میں۔

11۔ اسلامی دنیا کا عالمی ادارہ حکمتِ عملی۔ اسلامی دنیا کے نظریاتی تحفظ اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لیے حکمتِ عملی وضع کرنے کے لیے اسلامی دنیا کا عالمی ادارہ قائم کرنا چاہیے جو مسلم اُمہ کے لیے اس کے دشمنوں کی حکمتِ عملیوں کا توڑ پیش کرے۔

ایک جھنڈے کے تلے جس روز ملت آئے گی
ساری دنیا اس کے آگے خود بخود جھک جائے گی

یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہیں:۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 51 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو (اپنا) دوست (مددگار) نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے سو وہ انہیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

گویا یہود و نصاریٰ جو کہ دشمنانِ دینِ اسلام ہیں ان کو دوست بنانے، ہم راز وصلاح کار بنانے اور ان پر کامل اعتماد کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے۔ یہ عام حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ گہرے یارانے نہ گانٹھو۔ انہیں دوست مت سمجھو، ورنہ جو انہیں دوست سمجھے گا اس کا شمار بھی انہیں میں سے ہوگا۔

Marfat.com

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 120 بھی اس کی تائید کرتی ہے:

ترجمہ: ''اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں گے ان کے دین کی۔ آپ (انہیں) کہہ دیجئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔'' ''اور اگر (بالفرضِ محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی جو آپ کے پاس آ چکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار۔''

خزائن الفرقان کے مطابق یہ خطاب اُمتِ محمدیہ ﷺ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سیّد الانبیاء ﷺ تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز یہود و نصاریٰ کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمہیں کوئی عذابِ الٰہی سے بچانے والا نہیں۔

(دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔) (البقرہ آیت نمبر 217 میں):

ترجمہ: ''(مسلمانو! خبردار رہو) یہ لوگ (یعنی سربراہانِ کفر) ہمیشہ تم سے جنگ (سیاسی، فوجی اور اقتصادی دباؤ کے حربے) جاری رکھیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین (یعنی اسلامک آرڈر) سے پھیر دیں (اور تمہیں اپنے وضع کردہ کافرانہ نظام کے تابع چلائیں۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے) (اور اگر تم اپنی راہ سے پھر گئے تو دنیا و آخرت کی تباہی تمہارا مقدر بن جائے گی۔)

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے: (آل عمران 149-150)

ترجمہ: ''مسلمانو! اگر تم نے کفر کے سرغنوں کا کہا مان لیا (اور ان کے کافرانہ نظام اور آرڈر کے تابع چل پڑے) تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر (مرتد کر) دیں گے پھر تم بڑے خسارے (یعنی دنیوی و آخروی تباہی) میں پڑ جاؤ گے۔ (یاد رکھو) یہ تمہارے مددگار نہیں (دشمن ہیں) بلکہ تمہارا مددگار تو اللہ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔

یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں۔ اس عنوان کے تحت میں نے دراصل ان آیاتِ قرآنی کی جانب اُمتِ مُسلمہ کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے جو حقیقت میں اُمتِ مُسلمہ کے نام قرآن کا پیغام ہے اور قرآن کا پیغام ابدی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ لہٰذا آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جب کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے دنیا کے فاصلوں کو سمیٹ کر ''گلوبل ولیج'' بنا دیا ہے، ٹی وی اور ڈش کلچر کی بدولت ہنود، یہود اور نصاریٰ کی جانب سے ہم پر ثقافتی یلغار ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بدولت یہودی

Marfat.com

اور عیسائی کمپنیوں کی مصنوعات نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے پاکستان کو امداد دینے والے بین الاقوامی اداروں اور ملکوں کے رعب اور دباؤ میں رہتے ہوئے بھی ہمیں ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں کا عروج و زوال اور اس کے اسباب:۔

مسلمانوں کی تاریخ کا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ جب ان میں تفرقہ بازی پروان چڑھی، ان کا اتحاد و یک جہتی پارہ پارہ ہوئی نیز مسلمانوں میں بے عملی اور علم کی جانب سے عدم توجہی پیدا ہوئی تو وہ بے دست و پا ہوتے گئے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ محض علم، دنیا کی امامت اور قیادت کے لیے کافی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً جب یونانی اور ایرانی علم و حکمت میں آگے تھے تو دنیا کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ پھر رومیوں نے یونانیوں کی جگہ اس لیے لے لی کہ علم و فن میں وہ آگے نکل گئے۔ مسلمان بھی جب علمی اور اخلاقی اعتبار سے آگے تھے تو دنیا کی قیادت صدیوں تک ان کے پاس رہی جب کہ رومی اور ایرانی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی علم و اجتہاد مسلمانوں کی صفوں سے غائب ہوا اور شورائی نظام کی جگہ ملوکیت اور مطلق العنانی نے لے لی تو وہ امامت کے حق سے محروم ہوتے چلے گئے۔ اب مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے تو نئے عالمی نظام کے تحت امریکہ کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کر دیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنے لیے نظامِ تعلیم خود تشکیل دینا چاہیے اور اپنے نظریۂ حیات کے مطابق تعلیم و ثقافت کو متشکل کرنا چاہیے۔

موجودہ عالمِ اسلام کا جائزہ:۔

عالم اسلام 61 ممالک پر مشتمل ہے۔ یہ اسلامی ممالک دنیا کے ایک تہائی وسائل کے مالک ہیں، دنیا کے 23 فیصد رقبے پر مسلمانوں کی حکومت ہے۔ 57 اسلامی ممالک بندرگاہوں کے مالک ہیں۔ بحری جہاز شمال سے جنوب کو جائیں یا مشرق سے مغرب، انہیں کسی نہ کسی اسلامی ملک کی سمندری حدود سے گزرنا پڑے گا۔ عربوں کے پاس تیل کے سو سال تک برقرار رہنے والے ذخائر ہیں۔ صرف افغانستان میں دس ارب ٹن لوہا ہے۔ دنیا میں تانبے کا سب سے بڑا ذخیرہ افغانستان میں ہے۔ افغانستان میں ایک لاکھ ٹن سونا ہے، ہائیڈروجن بم کے لیے لیتھم چاہیے۔ افغانستان دنیا کا واحد ملک ہے جس میں لیتھم کے ذخائر ہیں۔ میزائل بنانے کے لیے ٹائی ٹینیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ افغانستان کے پہاڑوں میں ٹائی ٹینیم کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

Marfat.com

سن 2002ء - 2001ء میں افغانستان پر امریکہ کی بمباری کا اصل سبب اس کے معدنی وسائل ہیں۔اسی طرح تمام عالمِ اسلام کے معدنی وسائل کے متعلق اسلامی ممالک سے زیادہ خود امریکہ باخبر ہے اوران کو اپنے قبضے میں لینے کے لیے وہ یہ سب حیلہ سازیاں کررہا ہے۔

پروفیسر نوم چومسکی نے کہا:

''11 ستمبر 2001ء کے واقعے کو بنیاد بنا کر افغانستان پر حملے کا مقصد منصوبہ بندی کے تحت سینٹرل ایشیا میں تیل اور گیس جو دنیا کے دوسرے بڑے ذخائر ہیں اور دیگر معدنیات کے وسیع ذخائر پر قبضہ کرنا ہے۔اس طرح سینٹرل ایشیا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہر کوئی اسے اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔افغانستان پر حملے کی اقوامِ متحدہ سے منظوری نہیں لی گئی۔''

معدنی اور انسانی وسائل سے مالا مال اسلامی ممالک نے اگر کبھی اسلامی کردار بھی صحیح معنوں میں اختیار کرلیا تو دنیا کی قیادت ان کے ہاتھ آجائے گی اور اہل مغرب کے اس اندیشے نے عالمِ اسلام پر عرصۂ حیات تنگ کردیا ہے۔لہٰذا ان حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ اصلاح ذات کی طرف توجہ دے اور مسلمان من حیث الأمہ اپنے اجتماعی نظام کی خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کریں۔

دوسروں کو الزام دینے اور عالمی بے انصافی کا ذمہ دار قرار دینے کی بجائے زیادہ مثبت سوچ یہ ہوگی کہ اپنے اندر اصلاح طلب پہلوؤں پر ہمہ تن توجہ دی جائے کیوں کہ بقول اقبالؔ:

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

آپ فوجوں کا اندازہ لگائیں۔اسلامی دنیا کرۂ ارض کی سب سے بڑی فوجی طاقت ہے۔ یہ واحد فورس ہے جس کے پاس جہاد کا جذبہ ہے۔لیکن اب چوں کہ حربی قوت کی بنیاد سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہے اور یہ کام عالمِ اسلام نے غیروں کے لیے چھوڑ رکھا ہے اس لیے ان 61 اسلامی ملکوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے دفاع کے قابل ہو۔ظاہر ہے دشمن سے خریدا ہوا اسلحہ ہمارے کس کام آسکتا ہے اور پھر اب جب کہ نئے عالمی نظام کے تحت اسلامی ممالک کو اسلحہ کی ترسیل پر پابندیاں ہیں تو ضروری یہ ہے کہ مسلم دنیا نیوکلیئر ٹیکنالوجی میں خود انحصاری پیدا کرے اور اس ضمن میں کسی قسم کا دباؤ قبول نہ کرے۔

مسلمان ممالک میں سے کوئی بھی ملک معاشی، اقتصادی، صنعتی، زرعی اور دفاعی اعتبار سے مکمل طور پر خود کفیل نہیں۔حالاں کہ مسلمان ممالک کے پاس کل دنیا کے 60 فیصد وسائل موجود ہیں اور ایک ارب سے

Marfat.com

زائد افرادی قوت کے مالک ہیں۔ مسلمان ممالک میں پاکستان واحد ملک ہے جو جدید ایٹمی ٹیکنالوجی میں مہارت رکھتا ہے اور اس نے مغربی ممالک کی اجارہ داری توڑی ہے لیکن فوجی اور اقتصادی امداد پر پابندی اور پاکستان کے خلاف تجارتی پابندیوں کے ذریعے مغربی دنیا پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

سوائے تیل پیدا کرنے والے ممالک کے تمام مسلمان ممالک غربت وافلاس کا شکار ہیں جیسا کہ فی کس آمدنی کے اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے۔ اسلامی ملکوں میں ناخواندگی اور جہالت بھی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ سائنس اور فنی تعلیم کی تہی دامانی کی وجہ سے ہم دوسروں کے محتاج ہیں۔ عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمان دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں جب کہ سائنسی ترقی پر جو اخراجات ہو رہے ہیں ان میں 97 فیصد مغربی ترقی یافتہ ممالک کر رہے ہیں۔ دو فی صد تیسری دنیا کے غیر اسلامی ممالک اور صرف ایک فیصد مسلم ممالک کر رہے ہیں، اور یہی مسلم دنیا کی پسماندگی اور مغرب پر ان کے انحصار کی بنیادی وجہ ہے۔

دنیا میں ہر سال بیس لاکھ تحقیقاتی مقالات اور ایک لاکھ کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں مسلم دنیا کا حصہ صرف ایک ہزار ہے۔ جہاں تک اعلیٰ تعلیم اور سائنسی ٹیکنالوجی پر ہونے والے اخراجات کا تعلق ہے، ترقی یافتہ ممالک اپنی قومی آمدنی (GNP) کا 2 سے 4 فیصد تک سائنس اور ٹیکنالوجی پر خرچ کر رہے ہیں جب کہ بعض غلط ترجیحات کے نتیجے میں اکثر مسلمان ممالک ایک فیصد سے بھی کم خرچ کر رہے ہیں۔

اس صورتِ حال سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی دنیا کو جن مسائل کا سامنا ہے وہ ان سے بحیثیت اُمہ کے نبرد آزما ہونے کے لیے بالکل تیار نہیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ نئے عالمی نظام کو جوں کا توں قبول کر لیا جائے اور اس چیلنج کا سامنا نہ کیا جائے۔ نیز اس کے علاوہ مسلمان اُمہ اس بات کی کوشش کرے کہ نئے عالمی نظام پر نظرِ ثانی کی جائے۔ امریکہ اور اقوامِ متحدہ پر اسلامی ممالک کی جانب سے دباؤ ڈالا جائے کہ:

1۔ اقوام متحدہ کے چارٹر اور تنظیمی ڈھانچے کو نئے بدلے ہوئے عالمی حالات کے مطابق از سرِ نو تشکیل دیا جائے۔

2۔ نئے عالمی نظام کو نئی تشکیل شدہ اقوامِ متحدہ کے تحت نافذ کیا جائے کیوں کہ اقوامِ متحدہ کی موجودگی میں کسی ملک کو نیا عالمی نظام جاری کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا، اقوامِ متحدہ کا چارٹر ہی نیا عالمی نظام قرار دیا جائے۔

3۔ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں پانچ مستقل ممالک کی ویٹو پاور کی حیثیت کو ختم کیا جائے اور مستقل اور عارضی رکنیت کے امتیاز کو ختم کیا جائے، نیز اسلامی دنیا اور تیسری دنیا کے ممالک کو بھی ویٹو پاور دی جائے۔

4۔ اسلحے کی تخفیف کے بارے میں دوہرا معیار ختم کیا جائے اور انصاف پر مبنی فارمولا بنایا جائے جو پوری دنیا میں یکساں طریقے سے نافذ العمل ہو یعنی اسرائیل اور مسلم ممالک کے لیے ایک ہی فارمولا ہو۔

اختتامیہ:۔

اُمۃ مُسلمہ کو اپنی حکمتِ عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے اور حکمتِ عملی کی ابتدا اپنی حالت کے احساس اور اپنی داخلی اصلاح سے ہو اور عالمِ اسلام کی اصلاح دین کے استحکام کے ذریعے اور نظامِ اسلام کے نافذ کرنے سے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے سے ہوگی۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے سے ہوگی۔ اسلام کا نام لے کر اُمت کا استحصال کرنے، برائے نام مسلمان ہونے یا موڈریٹ اسلام نافذ کرنے سے نہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ نے نبی نوعِ انسان کے لیے پورے عالم کی رہنمائی کے لیے جو ورلڈ آرڈر یا ''عالمی نظام'' دیا تھا اس کا اس دنیا میں نفاذ ہی دکھی انسانیت کے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔ دنیا کے مسائل کا حل ہے۔ ہر قسم کے استحصال، ظلم، ناانصافی اور جبر و تشدد کا خاتمہ ہے۔

عالمِ انسانیت کے لیے پہلا اور باقاعدہ انسانی حقوق کا چارٹر Charter of Human Rights ہے اور اقوامِ عالم کے لیے عالمی نظام ہے۔ صرف مسلمانوں کے حقوق کا چارٹر نہیں اور صرف مسلم اقوام کے لیے عالمی نظام نہیں ہے کیوں کہ خطبہ حجۃ الوداع میں عالمی سطح پر قیامِ امن کے لیے رہنما اصول بتا دیئے گئے۔ عالمی انسانی مساوات کا پیغام دیا گیا۔ انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کی ایک دوسرے پر مصنوعی فضیلت و برتری کے سب دعوؤں کو ختم فرما دیا اور انسانی مساوات کا عالمی اعلان فرما کر اس کے ساتھ ہی باہمی فضیلت کا دائمی عادلانہ اصول بھی مقرر فرما دیا۔

> ''کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے۔ ساری برتریاں، کردار و عمل (تقویٰ) پر مبنی ہیں۔''

یہ انسانی مساوات کا وہ عالمی اصول ہے جس پر حضور نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوریت اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ گویا آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔ اس ورلڈ آرڈر کے ذریعے سود کو ختم کر کے معاشی و اقتصادی استحصال کا خاتمہ کر دیا۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی۔ فرمایا:

> ''عورتوں کے حقوق کے معاملے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا''

Marfat.com

عالمی سطح پر عادلانہ اور غیر استحصالی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے یہ عظیم انقلابی اعلان فرمایا۔

''لوگو! زیردست انسانوں کا خیال رکھنا۔''

اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی طبقات میں غیر فطری تفاوت کے خلاف انقلاب آفرین نظام وضع کر دیا۔

غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے انسانیت کو ایسا ورلڈ آرڈر (عالمی نظام) عطا فرما دیا جو اس وقت بھی بہترین اور مکمل تھا اور آج بھی بہترین اور مکمل ہے اور آنے والے زمانوں کے لیے بھی بہترین اور مکمل رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ آج عالمِ اسلام عملاً اس کی قدر و قیمت اور بے پایاں افادیت و اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کر پا رہا کیوں کہ حیف صد حیف کہ اُمتِ مُسلمہ نے خود اپنے آپ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھاما۔ اپنے دینِ قیمّ پر، عروۃ الوثقیٰ پر اس کی گرفت نہیں رہی تو پھر بھلا عالمِ انسانیت کو وہ کیوں کر اس پر قائل کر سکتی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ''اس عالمی نظام'' کے نفاذ سے بدامنی اور ظلم و بربریت کا خاتمہ ہو گیا اور نظامِ مساوات اور انصاف کے نفاذ کی عملی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ایک ایسے بین الاقوامی معاشرے کی بنیاد پڑی اور تشکیل ہوئی، تعمیر ہوئی جس میں خیر، تعمیر، ارتقاء اور عدل ہی عدل تھا، جو انسان کے بنیادی حقوق کا ضامن تھا، جس میں بین الاقوامی قوانین کی پاسداری، عالمی امن کے قیام، پُر امن بقائے باہمی، غلامی سے نجات، حق کی معاونت اور ظلم سے نجات کے سنہرے اصول دیئے گئے تھے اور آنے والے وقت میں بھی یہی انسانوں کے عالمی معاشرے کا نظام ہو گا۔ انشاء اللہ

پیغمبرِ اسلام ﷺ جو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، ان کے دیئے ہوئے اس عالمی نظام نے دنیا کو، نبی نوعِ انسان کو ایسے اصول فراہم کیے جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اس لیے اُمتِ رسول ﷺ کا فرض و ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا سے اس ابدی سچائی (اسلامی عالمی نظام) کو تسلیم کروائے۔ اپنے ایمان کے ذریعے اور اس ایمان کے مطابق اپنے عمل کے ذریعے اور اس کے لیے بقول اقبالؔ:

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

☆......☆......☆

Marfat.com

حواشی:

1۔ ادارتی صفحہ، ''جدید عالمی نظام کے لیے امریکی لائحہ عمل'' پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری (عربی اخبار خلیج سے ترجمہ) روزنامہ جنگ لاہور 16 اگست 1992ء)

2۔ ترجمان القرآن جلد 116، عدد۔2، صفحہ 65، اکتوبر 1991ء

3۔ ایضاً، صفحہ 66

4۔ ''نیا عالمی نظام اور پاکستان'' از احمد سلیم، 1991ء، صفحہ 123، 124

کتابیات:

1۔ ضیاء القرآن، جلد اول، از پیر کرم علی شاہ

2۔ مشکوۃ شریف

3۔ معارف الحدیث

4۔ مسلم دنیا (ماضی اور حال)، از محمد الیاس ندوی

5۔ اسلامک ورلڈ آرڈر، از اسد سلیم شیخ

6۔ نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام، از پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری

7۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، (مدیر پروفیسر خورشید احمد) ۔متعدد شمارے

8۔ ماہنامہ ساحل، ستمبر تا نومبر، مدیر محمد طارق

9۔ نیا عالمی نظام اور مسلمانوں کا مستقبل، ڈاکٹر محمد سلیم

10۔ زیرو پوائنٹ، از جاوید چوہدری (روزنامہ جنگ کراچی)

11۔ نیا عالمی نظام اور پاکستان، از احمد سلیم

12۔ امریکہ کا عالمی نظام۔ایک مطالعہ، از جوہر میر

13۔ دنیائے اسلام کا مستقبل۔خطرات اور امکانات، از جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین احمد

14۔ نیو ورلڈ آرڈر۔دنیا پر امریکی بالادستی کا منصوبہ، از طیب فاروق بھٹی

15۔ امریکہ کا نیا عالمی نظام اور پاکستان، از سی آر اسلم

Marfat.com

پاکستان کے لیے مثالی نظامِ تعلیم کی تشکیل
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

صلوٰۃ وسلام ہو شہرِ علم پر کہ جن کی تعلیمات نے تعلیم و تعلّم کو مسلمانوں کا شعار بنا دیا۔ مسلمانوں کو تحصیلِ علم کی طرف جس چیز نے متوجہ کیا اور تعلیم و تعلّم کو مسلمانوں کا شعار بنا دیا، وہ قرآنی ہدایات تھیں اور ارشادات واقدامات نبوی ﷺ لیکن اُن کی تعلیمات خود اس قدر زور دار تھیں کہ انہوں نے نہ صرف اخلاقی قانون کی حیثیت اختیار کر لی بلکہ دین کے پیروکاروں کے لیے تحصیلِ علم اور نظامِ تعلیم کو مذہبی ضرورت کی حد تک پہنچا دیا۔

یہ کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے کہ نبیُ اُمی حضرت محمد ﷺ پر جو پہلی وحی آئی اس میں آپ ﷺ کو حکم تھا:

''اقرا'' یعنی ''پڑھیے'' اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔''

اس میں تین اہم باتیں ہیں۔

یعنی نبیِ کریم ﷺ کو اور آپ کی وساطت اور وسیلے سے گویا تمام اُمت کو پڑھنے کا حکم ملا، علم حاصل کرنے کا حکم ملا، لیکن علم برائے علم نہیں، علم برائے رزق نہیں۔ اس علم کا حصول کسی غیر کے نام پر نہیں بلکہ اپنے رب کے نام سے علم حاصل کرنا ہے جس نے پیدا کیا، یعنی دین کی ابتداء علم سے ہوئی۔ یہ آیت اور پھر اس کے بعد کی آیت یہ وضاحت کرتی ہے کہ پڑھیے اپنے رب کے نام سے یعنی علم کے ذریعے اپنے رب کو

Marfat.com

پہچان لیجئے۔ جان لیجئے یعنی "عرفہ ربہ" جو اللہ کو پہچان لے گا، جان لے گا، وہ اس پر ایمان لے آئے گا جس نے انسان کو جمے ہوئے قطرۂ خون سے پیدا کیا۔ یعنی اس علم کے ذریعے اپنی پہچان کیجئے، اپنے آپ کو جان لیجئے، یعنی "عرفہ نفسہ" اس کو اپنے رب، اپنے پیدا کرنے والے یعنی خالق کی پہچان، اپنی خلقت اور پیدائش کی حقیقت کو سمجھ لینے سے اپنی پہچان ہوگی۔ دنیا کی حقیقت اور دنیا کی زندگی کے متعلق حقائق کا علم حاصل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔

"ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم"

یعنی "تیرا رب بزرگی والا ہے جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے سے اور سکھایا انسان کو جو وہ نہ جانتا تھا"

ارشاداتِ ربانی جو تعلیم و تعلّم سے متعلق ہیں:۔

1۔ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں (سورۂ زمر آیت نمبر 9)

2۔ تم کو علم سے تھوڑی سی مقدار دی گئی ہے (سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر 85)

3۔ اللہ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں (سورۂ فاطر آیت نمبر 28)

4۔ اور کہہ میرے آقا مجھے علم میں زیادتی عطا کر (سورۂ طٰہٰ آیت نمبر 114)

5۔ تمہیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد (سورۂ انعام آیت نمبر 91)

6۔ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سات دیگر سمندروں کے ساتھ سیاہی بن جائے تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہو سکیں (سورۂ لقمان آیت نمبر 271)

7۔ قسم ہے پہاڑ کی اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔ ایک جھلی پر جو پھیلائی گئی ہے۔ (سورۂ طور آیت نمبر 1 تا 3)

8۔ نون! قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں (سورۂ قلم آیت نمبر 1)

9۔ اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجی ہوتی۔ (سورۂ انعام آیت نمبر 7)

10۔ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو یہ یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ (سورۂ نحل آیت نمبر 23)

علم و ایمان کا رشتہ:۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام جہاں بھی گیا اس نے نہ صرف دلوں سے کفر و شرک، بدعملی اور بدکاری کے آثار مٹائے بلکہ انہیں علم کی روشنی سے بھی منور کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت میں علم و ایمان کو

Marfat.com

یک جا بیان کیا گیا ہے۔

"وقال الذین اوتو علم والایمان" (الروم آیت نمبر 56)

ترجمہ: (اوران لوگوں نے کہا جو علم اور ایمان رکھتے تھے کہ

"یرفع الذین امنومنکم والذین اوتو العلم درجات" (مجادلہ آیت نمبر 11)

ترجمہ: "تم میں سے جو ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔"

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ

فلما طبقتی وطبقته اصحابی فاھل علم وایمان (سنن ابنِ ماجہ)

ترجمہ: "جہاں تک میرے اور میرے صحابہ کے طبقے کا تعلق ہے تو وہ علم اور ایمان والے ہیں۔"

ان العلم والا ایمان مکانھما من ابتغاھما وجدھما

ترجمہ: "علم اور ایمان کی ایک ہی جگہ ہے جو ان کی جستجو کرتا ہے ان دونوں کو پالیتا ہے۔"

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے نزدیک ایمان اور علم کو یکساں درجہ حاصل ہے۔ تو حقیقی علم وہی ہے جو ایمان سے رشتہ استوار کرے۔ قُربِ الٰہی کی منزل تک پہنچا دے، رب کی معرفت عطا کرے دنیا سے آگاہی عطا کرے۔ علم کے ذریعے مادی وسائل کی معرفت حاصل ہو، ان کو مسخر کرنے اور ان مادی وسائل کو رضائے الٰہی کے حصول کے مقصدِ اعلیٰ کے لیے بروئے کار لانے کے قابل بنا دے۔

قرآن مجید میں اس علم کو علم ماننے سے انکار کیا گیا ہے جو گمان، شک اور تذبذب کی طرف لے جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"مالھم به من علم الا اتباع الظن" (النساء آیت نمبر 157)

ترجمہ: "ان کے پاس سوائے گمان کی پیروی کے کوئی علم (حقیقی) نہیں۔"

"دراصل علم بکھری اور منتشر معلومات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ علم دینی اور دنیاوی معلومات کے اس حسین امتزاج (Synthetic Whole) کا نام ہے جو انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرے۔ انسان کو حقیقی انسان بنائے، علم بتانے کا نہیں بنانے کا نام ہے۔ یہ تعمیرِ سیرت ہے۔ یہ اخلاقی تربیت ہے۔" یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں وزارتِ تعلیم کا نام "وزارت تعلیم و تربیت ہے۔" ①

Marfat.com

علم ونبوّت :۔

علم کی اہمیت وعظمت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ پیغمبر کے بعثت کے اغراض ومقاصد میں تعلیم ایک اہم مقصد ہے۔ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔اس کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے۔چناں چہ فرمایا:

1۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے دعا کی،اے ہمارے آقا ان کے پاس ہی ان میں کا ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیات سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔تو ہی طاقت ور اور عقل مند ہے۔(سورۂ بقرہ۔آیت نمبر 129)

2۔ وہی ہے جس نے اُمیوں میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا تا کہ انہیں اس کی آیتیں سنائے،ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔اگر چہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔(سورۂ جمعہ آیت نمبر 2)

3۔ بے شک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی جب اس نے ان کے پاس انہیں میں کا ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں سناتا ہے،ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ اس سے پہلے وہ فاش گمراہی میں تھے۔(سورۂ آلِ عمران آیت نمبر 124)

دینِ اسلام نے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے:۔

ابنِ ماجہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"طلب العلم فریضة علی مسلم" ترجمہ: علم کا حاصل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔

اس حدیث میں، مسلم کا لفظ عام ہے جس میں عورتیں اور مرد دونوں برابر شامل ہیں۔

طبرانی "معجم کبیر" میں علقمہ سے وہ اپنے والد کے واسطے سے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے تقریر کی اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی تعریف کی اور پھر فرمایا:

"ان قوموں کو کیا ہو گیا ہے جو اپنے پڑوسیوں کو سمجھ کی باتیں نہیں سکھاتیں۔نہ تعلیم دیتی ہیں اور نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں اور نہ روکتی ہیں۔اور کیا ہو گیا ہے ان قوموں کو جو اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتیں۔نہ ان سے سمجھ کی باتیں اخذ کرتی ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔خدا کی قسم لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور سمجھ کی باتیں بتلائیں۔اور ان کو نصیحت کریں اور حکم کریں اور روکیں اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں، سمجھ حاصل کریں، نصیحت پکڑیں ورنہ میں ان پر

Marfat.com

جلد ہی عذاب نازل کردوں گا اور سزا دوں گا۔''

اور ابنِ ماجہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی ایسے علم کو چھپائے گا جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کے معاملے میں نفع پہنچاتے ہیں تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔''

لہٰذا، جب اسلام کی نظر میں طلبِ علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور علم کے سیکھنے سکھانے سے اِعراض کرنے والے کو حضور اکرم ﷺ نے عذاب سے ڈرایا ہے۔ نیز علمِ نافع کے چھپانے والے کو قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائی جائے گی تو کیا سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو تعلیم کو یعنی علم کے سیکھنے سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے۔

حصولِ علم کی فضیلت میں ارشادات نبوی ﷺ:۔

حصولِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس سلسلے میں تعلیمات نبوی ﷺ میں احادیث اور معلّمِ اعظم حضرت محمد ﷺ کی سنت سے ثبوت ملتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

1۔ ''علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔''
یعنی بقدرِ ضرورت ہر مرد اور ہر عورت پر علم کا حصول واجب ہے۔

2۔ ''علم حاصل کرو خواہ چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔''

3۔ ''اسلام میں اس مسلمان کا کوئی مقام نہیں جو نہ استاد ہے اور نہ طالب علم۔''

4۔ ''علم حاصل کرو مہد سے لحد تک۔''

5۔ ''میرے بعد سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا شخص وہ ہوگا جس نے علم سیکھا اور اسے دوسروں تک پہنچایا۔

6۔ ''حصولِ علم کے لیے اٹھنے والے ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔''

7۔ ''رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں علم کو انبیاء کا ورثہ قرار دیا ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب العلم)

8۔ ''اللہ تعالیٰ جس پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا علم عطا فرماتا ہے۔''

9۔ ''حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ'' ایک فقیہہ (عالمِ دین) شیطان کے مقابلے میں ہزاروں عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔''

10۔ ''حضرت انسؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ'' جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے، وہ جب تک واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے۔''

11۔ ''آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

12۔ ''حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے'' جو شخص حصولِ علم کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اس کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے۔ طالب علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔''

13۔ ''حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ'' جس کے قدم تحصیلِ علم میں خاک آلود ہوئے ہوں خدا اس کے بدن کو دوزخ پر حرام قرار دیتا ہے۔ اس کے دونوں فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اگر طالب علمی میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے اور اس کی قبر باغ ہائے جنت میں سے ایک ہوتی ہے۔ خداوندِ قدوس اس کی قبر کو اتنا وسیع کر دیتا ہے کہ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ اور اس کے ہمسائے کی چالیس قبریں، دائیں، چالیس بائیں، چالیس پیچھے اور چالیس آگے یعنی سامنے یہ تمام اس کے علم حاصل کرنے کی وجہ سے روشن ہو جاتی ہیں۔'' (مشکوٰۃ شریف)

14۔ ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے'' علم حاصل کرو اور علم حاصل کرنے کے لیے وقار اور سکون کو سیکھو اور جن سے علم حاصل کرتے ہو، ان کے سامنے تواضع اختیار کرو۔''

15۔ ''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے'' جس شخص نے علم طلب کیا پھر اسے حاصل کرلیا تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر علم حاصل نہ ہو تو اکہرا ثواب ملے گا۔''

16۔ ''جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اس غرض سے علم حاصل کر رہا ہو کہ اس سے اسلام کو تازہ زندگی بخشے تو اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔''

17۔ ''علم کی تحصیل و جستجو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جدوجہد ہے۔ چناں چہ جب طالبانِ علم پڑھتے ہیں تو رحمت کے فرشتے ان کے لیے اپنے پر کا سایہ دیتے ہیں۔''

18۔ ''جس شخص نے ایک اہلِ علم کی عزت و قدر کی اس نے ستر انبیاء کی عزت کی اور جس شخص نے ایک طالب علم کی عزت کی اس نے ستر شہیدوں کا احترام کیا۔''

19۔ جامع ترمذی میں روایت ہے۔'' دنیا ملعون ہے اور ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اس اللہ کا فرماں بردار ہوا اور سوائے علم اور طالب علم کے۔''

20۔ ''اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے'' (اس بھلائی سے مراد علم ہے)

21۔ ''آپ ﷺ نے علم و حکمت کو ''مومن کی گمشدہ میراث'' سے تعبیر کیا اور ہدایت فرمائی کہ جہاں کہیں بھی اسے پاؤ حاصل کرو۔

حکمت کو ایک گمشدہ لعل سمجھو

جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

حصولِ علم نفل عبادت پر فضیلت رکھتا ہے:۔

22۔ فرمایا نبیٔ کریم ﷺ نے ''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ چودھویں رات کا چاند ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔''

23۔ ''اگر تو جا کر علم کا کوئی باب سیکھے تو وہ سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔''

24۔ ''ایک عالم کی مجلس میں (بغرضِ علم) حاضر ہونا ہزار رکعت (نفل) پڑھنے، ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزار جنازوں کی شرکت سے بہتر ہے۔'' کسی نے پوچھا کہ قرآنِ حکیم کی تلاوت سے بھی بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا قرآن علم کے بغیر نفع پہنچا سکتا ہے۔''

25۔ ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔''

26۔ ''حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ دو مجلسوں میں سے گزرے جو مسجد میں منعقد ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا'' دو مجلسیں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے بہتر ہے۔ ان دونوں مجلسوں یا جماعتوں میں ایک عبادت میں مصروف ہے اور اللہ سے دعا کر رہی اور اس سے اپنی خواہش و رغبت کا اظہار کر رہی ہے اور دوسری جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے۔ لہٰذا یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'' اور یہ کہہ کر آپ ﷺ ان میں بیٹھ گئے۔

تعلیم کے فروغ کے ضمن میں معلمِ اعظم ﷺ کے عملی اقدامات:۔

آغازِ نبوت پر آپ ﷺ نے اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کی تعلیم و تدریس کے کام کا آغاز کیا۔

1۔ پہلے اس تعلیم و تربیت کا انتظام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ملکیتی مکان میں کیا گیا۔

2۔ کچھ عرصے بعد کوہِ صفا کے قریب واقع دارِ ارقم منتقل کر دیا گیا۔

3۔ بیعت عقبہ ثانی جیسے ابتدائی زمانے میں جو ہجرت سے 2 سال پہلے منعقد ہوئی تھی، کوئی ایک درجن مدینے والوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے آپ ﷺ نے فیضِ تربیت سے بہرہ ور

ایک مسلمان کو روانہ فرمایا۔(2) جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے اور دینیات سے واقف کرا سکے۔

4۔ زمانہ قبلِ ہجرت ہی سے آنحضرت ﷺ نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے اس کو لکھ لیں اور اس کی نقل کر یں۔ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ شہادت دیتا ہے کہ انہیں قرآن مجید کی چند سورتیں اپنی بہن کے گھر لکھی ہوئی ملی تھیں۔ ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھیں۔ آپ ﷺ کے کاتبانِ وحی کے تقرر کے عمل کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ قرآن کی کتابت ہوتی رہی، ذخیرۂ احادیث محفوظ ہوا، فنِ اسماء الرّجال کو فروغ ہوا۔

5۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد تو نبی اکرم ﷺ نے فروغِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی تشکیل کے لیے بے شمار عملی اقدامات کیے، مثلاً مدرسوں کا انتظام، امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانوں کی تدریس، نصابِ تعلیم، خواتین کی تعلیم، صوبہ جات میں تعلیمی انتظام، صوبہ جات میں دورہ اور تنقیح کرنے والے افسروں کا تعین وغیرہ۔ بعد ہجرتِ مدینہ اگر چہ کہ بے شمار اہم جنگی وسیاسی معاملات وامور توجہ طلب تھے اس کے باوجود آپ ﷺ اس کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور پر نگرانی کر سکیں۔ چنانچہ:

1۔ سعید بن العاص کا تقرر ''معلمِ حکمت''(3) کے طور پر کیا تا کہ وہ لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ یہ بہت خوش نویس بھی تھے۔(4) اس تقرری سے آپ ﷺ کی نگاہ میں لکھنے پڑھنے کی جو اہمیت تھی وہ واضح ہوتی ہے۔

2۔ رسول اللہ ﷺ کو ترویجِ علم کی جتنی فکر تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ بدر کے جو قیدی فدیہ نہ دے سکتے تھے ان کی رہائی کی شرط یہ قرار دی کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ یہ ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد کا واقعہ ہے۔(5) اس سے مشرک معلم سے تحصیلِ علم کا جواز بھی ملتا ہے۔

3۔ حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے صُفّہ میں اس غرض سے مامور کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے اور قرآن مجید کی تعلیم دوں۔'' (6)

4۔ عالمِ اسلام کی پہلی اقامتی درس گاہ صُفّہ :۔

صُفّہ سے مراد مکان کا ملحقہ حصہ ہوتا ہے۔ یہ مسجد نبوی کا ملحقہ حصہ تھا جو اس غرض کے لیے مختص کیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کے لیے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھر طلباء کے لیے دارالاقامہ کا بھی کام دے اور مدرسہ کا بھی۔ یہ مسلمانوں کی پہلی اقامتی درس گاہ تھی۔ صُفّہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ قرآن مجید حفظ کروایا جاتا تھا۔ فنِ تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا

Marfat.com

بندوبست تھا جس کی نگرانی خود آپ ﷺ شخصی طور پر فرمایا کرتے تھے اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بندوبست کیا کرتے تھے۔

5۔ درس گاہ صُفّہ میں نہ صرف مقیم طلباء کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے جن کے مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے، جنہیں آج کل کی اصطلاح میں Day Scholars کہتے ہیں۔ عارضی طور سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مقیم طلباء کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور ایک بیان کے مطابق ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی۔ (7)

6۔ دور دراز کے قبائل سے بھی طلباء آتے اور اپنا ضروری نصاب مکمل کر کے اپنے وطنوں کو واپس لوٹ جاتے۔ (8)

7۔ رسول کریم ﷺ اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ کر دیتے تاکہ وہ اس علاقے میں دین کی تعلیم کا بندوبست کریں اور ایسا کرنے کے بعد وہ مدینہ واپس آ جاتے۔ (9)

8۔ مدنی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی یہ مستقل حکمت عملی تھی کہ قبائل میں تعلیم و تربیت کے لیے معلم روانہ کریں۔ بیر معونہ کے واقعے میں ستر قاریانِ قرآن (10) بھیجے گئے تھے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں نجد کے ایک آباد علاقے میں کثیر قبائل میں کام کرنا تھا۔

9۔ مدینہ منورہ میں صُفّہ واحد درس گاہ نہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں عہد نبوی میں تھیں (11) اور بلاشبہ ہر مسجد اپنے اطراف والوں کے لیے درس گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ خاص کر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔

10۔ قبا مدینہ منورہ کے جنوب میں کوئی دو ڈھائی میل پر واقع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسول کریم ﷺ وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور پر نگرانی فرماتے تھے۔ (12) بعض احادیث میں رسول کریم ﷺ کے عام حکم ان لوگوں کے متعلق محفوظ ہیں جو اپنے محلے کی مسجد کے مدرسے میں تعلیم پاتے تھے۔ (13)

11۔ آنحضرت ﷺ نے یہ احکام بھی صادر کیے تھے کہ لوگ اپنے ہمسائیوں سے تعلیم حاصل کریں۔ یہ حدیث اوپر بیان ہو چکی ہے۔

رسول کریم ﷺ خود بھی شخصی طور پر اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے صحابہ ان درسوں میں شریک رہا کرتے تھے جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

یہ رسول کریم ﷺ کا ایک طے شدہ طریقہ تھا کہ صرف وہی لوگ قوم کی سیادت، سرداری اور رہنمائی کریں اور نتیجتاً مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے ان عملی اقدامات کی بدولت خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی دن گزرے تھے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہر تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو، صرف تحریری طور پر انجام پائے اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی دی جایا کرے۔

مدینے میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا گو اس میں شک نہیں کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اسی زمانے میں پتہ چلتا ہے۔ (14)

ہجرت کے بعد ہی سے سیاسی معاہدات، سرکاری خط و کتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضا کاروں کے نام کی فہرستیں (15) مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر، اوطاس وغیرہ میں خفیہ نامہ نگاروں (16) جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت ﷺ کو اپنے مقام کے حالات کی اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری (17) اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد و معاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے، تاریخ نے رسول کریم ﷺ کے کوئی ڈھائی تین سو خط محفوظ رکھے۔ (18)

عہدِ نبوی ہی میں ایک فنی ذوق یا تخصیص بھی ترقی کر گیا تھا اور خود رسالت مآب ﷺ اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے چناں چہ آپ فرمایا کرتے تھے جن کو قرآن سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے، جس کو تجوید یا تقسیمِ ترکہ کا حساب سیکھنا ہو وہ فلاں کے پاس جائے۔ (19)

ایک مملکت کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب ﷺ کو مترجمین (20) کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں، چناں چہ حضرت زید بن ثابت جو دربارِ رسالت ﷺ کے میر منشی کہے جا سکتے ہیں، فارسی، حبشی اور رومی (یونانی) زبانیں جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ انہیں حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیں اور چند ہفتوں میں وہ اس میں طاق ہو گئے تھے۔ (21)

عہدِ نبوی ﷺ کے اختتام پر حکومتِ اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے، دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔ کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلم بھیج دیئے جاتے تھے۔ نیز کچھ صوبہ دار گورنروں کے فرائضِ منصبی میں یہ امر صراحت کے

ساتھ شامل کر دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔ (22)

یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام طویل تقرر نامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالت مآب ﷺ نے لکھا تھا۔ اس میں بھی گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ اور علومِ اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ (23)

صوبہ دار درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے صوبہ یمن میں ایک صدر، ناظرِ تعلیمات مقرر کیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے۔ (24)

نبیٔ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی مسجدوں کے دروازے تعلیم و تعلم کے لیے کھلے رہے۔ لوگ صحابہ کرامؓ سے عقائد کے متعلق مساجد ہی میں سوال کرتے تھے اور صحابہ کرام مسجدوں ہی میں ان سوالات کا جواب دیتے تھے۔ عہدِ خلافت کے بعد اس سلسلے نے زیادہ وسیع و منظم صورت اختیار کر لی، یعنی طلباء حلقے باندھ کر درس میں شریک ہونے لگے اور حدیث و فقہ کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم و فنون کے اساتذہ نے بھی لیکچر دینا شروع کیے جن کا ذکر تاریخ میں بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ چنانچہ سعید ابن مسیّب (متوفی 95ھ مطابق 713ء) مسجدِ مدینہ میں اور حماد بن سلمٰی (متوفی 147ھ مطابق 764ء)، حسن بصری اور صاحب مقامات حریری بصرہ کی مسجد میں عربی ادبیات، لسانیات اور شاعری پر درس دیا کرتے تھے۔ مقدسی، سوس میں خود ایسے حلقوں میں شریک ہوا ہے اور اس کے علاوہ اس نے فلسطین، شام، مصر اور فارس کی بہت سی ایسی مسجدوں کا تذکرہ کیا ہے جہاں علمی مشاغل جاری تھے۔ امام شافعی، فسطاط کی مسجد میں جو عمرو ابن العاص کے نام سے مشہور ہے، اپنے انتقال 840ء سے پہلے عرصے تک روزانہ مختلف مضامین پر درس دیا کرتے تھے۔ 300 ہجری (912ء) میں الکسائی کا بھی اسی طرح مساجد میں درس دینا تاریخ سے ثابت ہے۔

منقولی علوم کے علاوہ معقولات پر بھی درس دیا جاتا تھا۔ چناں چہ ابو بشر متی بغداد میں ارسطو کی کتاب ''المنطق'' پر لیکچر دیا کرتے تھے۔

بغداد میں بہترین تعلیمی مرکز جامع منصور خیال کیا جاتا تھا اور اس مسجد میں تعلیم دینا اساتذہ اپنا فخر سمجھتے تھے۔

بعض مساجد میں تعلیم کے لیے علیحدہ جگہیں مقرر تھیں اور یہیں اساتذہ رہتے تھے۔ یہ جگہیں

Marfat.com

دارالقراء کے نام سے موسوم تھیں۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم کے مختلف طریقے تھے لیکن اصولی طور پر ملک میں یہ تعلیم قرآن مجید سے شروع ہوتی تھی تاکہ عقائدِ مذہب ابتداہی سے ان میں راسخ ہوجائیں۔ اہلِ اندلس میں تعلیمِ قرآن کے ساتھ دوسرے علوم کی تعلیم کا بھی رواج تھا۔

امام غزالیؒ احیاء علوم الدین میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

''العلم علمان علم الادیان و علم الابدان''

ترجمہ: ''علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ادیان و مذاہب کا علم اور مادی چیزوں کا علم''

پہلی اخلاقیات، روحانی اقدار اور ادیان و مذاہب کا علم۔

دوسری طبعی علوم کا علم جسم میں فزکس، کیمسٹری اور تمام جدید سائنس آتی ہے۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ نے دونوں قسموں کو ''العلم'' میں شامل فرمایا۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید طبعی علوم اور جدید معاشرتی علوم مثلاً تاریخ، جغرافیہ، معاشیات، سیاسیات، عمرانیات، نفسیات، طب، ہندسہ، زراعت، فلکیات، ریاضی، ادب وغیرہ کی متوازن تعلیم دراصل اسلامی تعلیم ہے۔

طریقِ تعلیم اور نظامِ تعلیم:۔

اعلیٰ تعلیم بھی اوّل اوّل مساجد ہی میں دی جاتی تھی اور طلباء حلقہ میں بیٹھ کر استاد سے املاء یا درس لیتے تھے۔ ابتدائی صدیوں میں املاء بہترین طریقۂ تعلیم خیال کیا جاتا تھا۔ حلقوں میں طلباء کی تعداد مختلف ہوتی تھی۔ خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق ابو حامد اسفرائنی کے حلقہ کی تعداد سات سو ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح رضی الدین نیشاپور کے حلقہ میں چار سو طلباء شریک ہوتے تھے۔ اس طریقۂ تعلیم املاء سے بہت سے علماء نے متعدد کتابیں لکھ دیں۔ معتزلہ الجبائی نے ہزاروں صفحے لکھوا دیئے۔ بوعلی القالی نے ''امالی'' کی پانچ جلدیں زبانی لکھوا دیں۔

دسویں صدی میں ماہر لسانیات مطرزی کی مشہور کتاب ''الیاقوت'' اسی طرح طریقۂ املاء سے لکھوائی گئی تھی۔

مشہور مفسر محمد ابنِ احمد سرخسی (متوفی 483ھ مطابق 1090ء) نے المبسوط کی متعدد جلدیں اسی طرح لکھوائیں۔

ابو القاسم الزجاجی (339ھ مطابق 950ء) دسویں صدی کا آخری شخص تھا جس نے لسانیات پر املاء لکھوایا۔

Marfat.com

دسویں صدی کے آخر میں یہ طریقۂ تعلیم بدلا اور بالخصوص علمائے لسانیات نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا جس کو تدریس کہتے ہیں۔ اس کی یہ صورت تھی کہ طلباء سے سبق پڑھوا کر تنقید وتشریح کی جاتی تھی اور استاد جو مطالبِ علمیہ بیان کرتے تھے ان کو طلباء احتیاط کے ساتھ قلم بند کر لیتے تھے۔ اس طرح کی یادداشتیں ''تعلیقات'' کہلاتی تھیں۔

تدریس کے اس طریقۂ تعلیم کے ساتھ ساتھ مناظرہ بھی شروع ہو گیا اور مسجدوں سے علیحدہ مدارس کے قیام کا ایک سبب یہ بھی ہوا۔

اسلام میں تعلیم کی مکمل آزادی تھی۔ ہر قابل شخص درس دے سکتا تھا بشرطیکہ اس کو اپنے علم پر پورا بھروسہ ہوا اور وہ اس کا اہل ہو۔ گیارہویں صدی عیسوی یعنی مدرسوں کے قیام سے پہلے علم الادیان کی تعلیم کے ضمن میں کسی قدیم عالم کا سلسلہ ضروری خیال کیا جاتا تھا لیکن علم الابدان کی تعلیم دینے کے لیے کسی سلسلہ کی ضرورت نہ تھی۔ چناں چہ بوعلی سینا نے جنہوں نے خود علمِ طب حاصل کیا تھا، سولہ برس کی عمر سے طب پر تعلیم دینی شروع کر دی تھی۔

بہر حال چوں کہ مدارس کے قیام سے حصولِ علم میں بہت سی آسانیاں پیدا ہونے کا امکان تھا اس لیے اسلامی ممالک میں تھوڑے ہی زمانے میں سینکڑوں مدارس قائم ہو گئے جن کی تفصیل کتبِ تواریخ اور تذکروں میں اس قدر شرح وبسط کے ساتھ ملتی ہے کہ اس کے بیان کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

بعض مورخین کا قول ہے کہ سب سے پہلے مدرسہ کا بانی خاندانِ سلجوق کا مشہور وزیر نظام الملک طوسی تھا جس نے پہلی درس گاہ مدرسۂ نظامیہ کے نام سے بغداد میں قائم کی۔ اس مدرسہ کی بنیاد 457ھ مطابق 1024ء میں رکھی گئی لیکن سیوطی اور مقریزی کے بیان کے مطابق نظامیہ کی تعمیر سے پہلے بھی مدرسے موجود تھے۔

نظامیہ بغداد اسلام میں پہلا مدرسہ تو نہ تھا البتہ طلباء کے طعام وقیام اور دیگر انتظام کے لحاظ سے اپنی نوعیت کا یہ پہلا مدرسہ ضرور تھا۔

نظام الملک اس مدرسہ پر اس دریا دلی سے خرچ کرتا تھا کہ ایک مرتبہ ملک شاہ نے نظام الملک سے کہا کہ ''جس قدر رقم آپ اس مدرسہ پر صرف کرتے ہیں، اس سے ایک نہایت اچھی فوج تیار ہو سکتی ہے جو سلطنت کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے۔''

نظام لملک نے جواب دیا ''خدا نے آپ کو عظیم الشان سلطنت عطا کی۔ میرے خیال میں خدا کی

Marfat.com

نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ اس سے بہتر نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ فوج کے تیر تو کچھ فاصلہ تک پہنچ کر رہ جاویں گے لیکن اس ادارہ سے جو طلباء تعلیم حاصل کریں گے، ان کی دعاؤں کے تیر تو آسمان تک پہنچیں گے۔"

یہ سن کر ملک شاہ خاموش ہو گیا۔ آج اگر ماہرینِ معاشیات بہترین سرمایہ کاری اور منافع بخش عمل فروغِ تعلیم یا انسانی سرمایہ کاری کو قرار دیتے ہیں تو صدیوں پہلے عالمِ اسلام میں سربرآوردہ زعماء فوج کی اثر انگیزی سے زیادہ افرادِ قوم کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی اثر انگیزی پر یقین رکھتے تھے۔

مسلمانوں نے حصولِ علم کو دینی فریضہ سمجھ کر ہمیشہ علم حاصل کرنے میں سرگرمی دکھائی اور منقولات و معقولات کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم میں وہ ترقی کی کہ دنیا کی تمام قوموں کو اس دوڑ میں پیچھے چھوڑ دیا۔ بعض علوم تو انہوں نے دوسری قوموں خصوصاً یونانیوں سے حاصل کیے لیکن اس میں بھی ان کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ بقول علامہ شبلی نعمانی:

"یونانیوں سے انہوں نے ایک ذرّہ لیا تھا مگر اس کو آفتاب بنا دیا"

اس کے علاوہ بعض علوم کی ایجاد کا سہرا خود مسلمانوں کے سر ہے۔ بعض علوم ایسے ہیں جن کو آج، مغرب کا عطیہ سمجھا جاتا ہے، ان سے دنیا کو مسلمانوں نے ہی روشناس کیا تھا۔ چناں چہ خود یورپی اقوام عمرانی علوم کا باوا آدم ابنِ خلدون کو قرار دیتی ہیں۔ تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کلیۃً مسلمانوں کی رہینِ منت ہیں۔ سائنس جس پر یورپ کو ناز ہے اور جس کو مسلمان بھی اپنی نادانی سے یورپ کی قوموں کی ایجاد سمجھتے ہیں، اس کو عدم سے وجود میں لانے والے خود مسلمان تھے۔ چناں چہ انگریز مستشرق رابرٹ بریفالٹ نہایت بلند آہنگی سے کہتا ہے:

> "ہماری سائنس پر عربوں کا جو احسان ہے وہ چونکا دینے والے انکشافات یا انقلابی نظریات پر مشتمل نہیں بلکہ سائنس اس سے بھی زیادہ عربی ثقافت کی ممنونِ احسان ہے۔ کیوں کہ دراصل سائنس کو اسی ثقافت نے جنم دیا ہے۔"

یونان نے اپنے سو سالہ دورِ عروج میں محض گنتی کے چند ایسے سائنس دان پیدا کیے جنہیں لافانی شہرت حاصل ہوئی اور وہ ارسطو، جالینوس، بطلیموس، اقلیدس، ارشمیدس وغیرہ ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے صرف چھ سات سو سال کے زمانۂ عروج میں ان سے کم سے کم چار گنا تعداد میں لافانی شہرت کے سائنس دان پیدا کیے ہیں جن کے نام یہ ہیں: جابر بن حیان، خوارزمی، ابنِ جاحظ، یعقوب الکندی، ثابت بن قرہ، الفارابی، ذکریا رازی، ابو الوفا، بوعلی سینا، ابنِ الہیثم، البیرونی، جابر بن افلح، غزالی،

عمر خیام، ابنِ رشد، ابنِ زہر، ابنِ بیطار، نصیر الدین طوسی، ابنِ نفیس دمشقی، الادریسی، کمال الدین، محمد بن موسیٰ، الدمیری، ابنِ بطوطہ، شمس الدین دمشقی اور الزہراوی وغیرہ۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمانوں میں خالد بن یزید بن معاویہؓ بابائے کیمیا پیدا ہوئے، پھر امام جعفر صادق نے کیمیا پر تحقیقی کام کیا۔ جابر بن حیان جیسا کیمیا دان، امام جعفر صادق کا شاگرد تھا۔

برِ صغیر میں مسلمانوں کا تعلیمی نظام:۔

بغداد، قاہرہ، دمشق اور نیشا پور میں اسلامی اور سائنسی علوم کی عظیم الشان درس گاہیں قائم ہو چکی تھیں۔ اس تعلیمی ترقی کا ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد گہرا اثر پڑا۔ محمد بن قاسم کے 712ء میں سندھ اور 713ء میں ملتان پر قبضہ کے بعد عربوں اور برصغیر کے باشندوں کے درمیان گہری راہ و رسم کا دروازہ کھل گیا اور پھر جب عباسیوں نے دمشق کی جگہ بغداد کو اپنا دارالحکومت بنایا تو سندھ عربوں کے علمی، سیاسی اور مذہبی مرکز سے اور بھی قریب ہو گیا۔ ابتداء میں دینی علوم کی اشاعت ہوئی بعد میں اور علوم بھی داخل ہوتے گئے اور کچھ عرصہ بعد یہاں کئی علمی مرکز قائم ہو گئے۔ منصورہ، ملتان، اوچ اور ٹھٹہ نے علمی میدان میں قابل قدر ترقی کی۔

اسلامی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم زیادہ تر تین طریقوں سے دی جاتی تھی۔

(ا) مکتب یا مدرسے (ب) مساجد و معابد (ج) گھروں میں

یہ تعلیم تین مراحل پر مشتمل تھی، یعنی اعلیٰ تعلیم جس میں موجودہ بی اے اور ایم اے کی سطح تک کا نصاب پڑھایا جاتا تھا۔

ثانوی تعلیم اور ابتدائی تعلیم جس میں بنیادی تعلیم کا انتظام ہوتا تھا۔ اس دور میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی بابت امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد 4 صفحہ 408 میں لکھا ہے کہ:

”مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم ماہرینِ تعلیم کے ہاتھوں میں ہوتی تھی جو بچوں کی تعلیم کے لیے خود کو وقف کر دیتے تھے۔ مسجدوں اور خانقاہوں کے ساتھ منسلک مدارس حکومت کی طرف سے نقد یا جاگیر کی شکل میں یا نجی اوقاف سے مالی مدد حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ علماء اور اساتذہ کو انفرادی طور پر حکومت کی طرف سے مددِ معاش کا انتظام ہوتا تھا۔ ہندوستان کے بیشتر شہر مثلاً گوپا مو ادر خیر آباد، صوبہ اودھ میں اور جون پور صوبہ آگرہ میں وقتاً فوقتاً تعلیمی مراکز رہے، جہاں نہ صرف ہندوستان بلکہ

Marfat.com

دور دراز علاقوں، افغانستان اور بخارا سے بھی طالب علموں کی کثیر تعداد تعلیم پاتی تھی۔''

ثانوی تعلیم مساجد و معابد میں یورپِ وسطیٰ کے گرجوں کی مانند (مذہبی اور غیر مذہبی دونوں قسم کی تعلیم) دی جاتی تھی۔ بزرگانِ دین کی درگاہوں اور مقبروں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جہاں درویش صفت حضرات لوگوں کی علمی خدمات کرنے میں منہمک رہتے تھے اور روحانی تربیت بھی کرتے تھے۔ ان بلند پایہ درویشوں میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت سلیم چشتیؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ جیسے معزز اولیاء عظام کے اسمائے مبارک شامل ہیں۔

دورِ مغلیہ میں خود فرمانروا علوم کے شیدائی تھے اور سوائے اکبر کے اور سب مغل شہنشاہ عالم تھے، اس لیے انہوں نے عوام میں بھی علوم کی اشاعت کو ضروری سمجھا۔ اکبر کو بھی رعایا کی تعلیم سے کافی دلچسپی تھی اور تعلیم کو آسان اور عام کرنے کے لیے اس نے جو تجربے کیے، ان کا تذکرہ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں کیا ہے۔ اس کے زمانے میں عملی سائنس کو بھی فروغ ہوا۔ چناں چہ حکیم فتح اللہ شیرازی نے بعض ایسی ایجادات کیں جن کا حال کتابوں میں پڑھ کر آج بھی حیرت ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی فتح اللہ شیرازی نے درسِ نظامیہ بھی ترتیب دیا تھا۔ جس نے فرنگی محل لکھنؤ میں ملا نظام الدین کے ہاتھوں برگ و بار پیدا کیے اور یہی درسِ نظامیہ ہے جو آج بھی عربی مدارس میں رائج ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم زیادہ تر فارسی میں ہوتی تھی جو کہ درباری اور سرکاری زبان تھی۔ اس کے علاوہ عربی کی تعلیم بھی لازمی ہوتی تھی اور تعلیم کے آغاز سے قبل قرآن کریم کا ناظرہ پڑھنا لازمی تھا۔ اس کے بعد ہی ابتدائی تعلیم کا باقاعدہ طور پر آغاز ہوتا تھا۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی نصاب میں مختلف علوم شامل تھے، مثلاً اخلاقیات، روحانیات، علم ہیئت، فنِ انتظام، حساب، الجبرا، جیومیٹری، علم طبیعات، معاشیات، تاریخ، زراعت، فلسفہ اور علم الادویات وغیرہ۔ البتہ زیادہ توجہ قرآن، احادیث اور فقہ و تفسیر پر دی جاتی تھی۔

مزید برآں مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ حکومت کی دخل اندازی سے آزاد تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی ''ہندوستان میں مسلمانوں کے نظامِ تعلیم و تربیت'' حصہ دوم صفحہ 15/14 میں تمثیلی انداز میں تعلیمی خیالات کی آزادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہرن کو اپنی چال سے اور اونٹ کو اپنی چال سے چلنے کی آزادی تھی''

اس کے علاوہ تعلیم کا دارومدار زیادہ تر علماء کے مخصوص طریقِ تدریس پر ہوتا تھا۔ مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف ''ماثر الکرام'' کا حوالہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

Marfat.com

''جو طلباء ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تعلیم حاصل کرنے آتے تھے ان کی رہائش اور طعام وغیرہ کا بندوبست مساجد کے حجروں اور درس گاہوں کی اقامت گاہوں میں کیا جاتا تھا۔'' (25)

اس نظامِ تعلیم میں بے شمار فوائد تھے۔ طلباء اور اساتذہ میں گہرا میل جول تھا۔ تعلیمی خیالات اور نظام کی آزادی تھی اور نصاب میں مذہبی تعلیم پر خاصا زور تھا، لیکن اس میں چند ایک نقائص بھی تھے۔ اولاً تعلیم کا مفہوم صرف کتابی تعلیم تک محدود تھا اور یہ تعلیم بھی زیادہ تر دینی، ادبی اور عقلی فنون جیسے مضامین کی دی جاتی تھی۔ ایک طرف یہ صورتِ حال تھی جب کہ زمانے کے تقاضوں کے موافق تعلیمی مفہوم وسیع ہونے کی وجہ سے نہ صرف کتابی تعلیم بلکہ ہر ہنر اور پیشہ بھی نظامِ تعلیم کا جزو قرار دیا جا رہا تھا۔ (26)

اس نظامِ تعلیم کا دوسرا نقص یہ تھا کہ نصابِ تعلیم کو زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق تبدیل نہیں کیا جاتا تھا جس سے طلباء ان تمام نئے علوم اور ایجادات وغیرہ سے بے خبر رہتے تھے جو دنیا میں تیزی سے وقوع پذیر ہو رہی تھیں۔

مثال کے طور پر ''رودِ کوثر'' میں درسِ نظامی کے متعلق درج ہے کہ درسِ نظامیہ کی پائیداری کی وجہ جو کچھ علمائے فرنگی محل کا اثر و اقتدار تھا اور کچھ علمائے متاخرین کی عقیدت مندانہ روش۔ ظاہر ہے کہ جس نظام کے تحت علماء نے خود تعلیم پائی ہو اس سے انہیں انس ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ علماء کے گروہ نے کوئی ایسا مجتہد ابھی تک پیدا نہ کیا تھا جو پرانے عربی مدرسوں کے نصاب میں مناسب تبدیلیاں کر کے اسے تبدیل شدہ حالات کے مطابق مفید بنا دے۔ (27)

جن لوگوں نے مغرب کی ذہنی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ دو تحریکوں یعنی اصلاحِ مذہب (Reformation) اور نشاۃ الثانیہ (Renaissance) سے واقف ہوں گے جنہوں نے سولہویں صدی میں وہاں نئی روح پھونک دی۔ عملی اور مذہبی نقطۂ نظر سے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ چھاپے خانے کی ایجاد سولہویں صدی میں ہوئی۔ نیز یورپ کے نشاۃ الثانیہ کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت درس و تدریس کا بلند معیار تھا۔

جنرل سلیمن جو ہندوستان کی تاریخ میں ممتاز مرتبہ رکھتے ہیں اس زمانے کے تعلیمی حالات کے متعلق لکھتے ہیں: (28)

''دنیا میں ایسی قومیں بہت کم ہوں گی جن میں یہ تعلیم اس قدر عام ہے جس قدر ہندوستان کے مسلمانوں میں۔ ان میں کوئی بیس روپے ماہوار کا متصدی ہوتا ہے۔ وہ اپنے لڑکوں کو اسی طرح تعلیم دیتا ہے جس طرح ایک وزیرِ اعظم اپنی اولاد کو اور جو علوم ہمارے بچے لاطینی اور یونانی زبانوں میں

Marfat.com

سیکھتے ہیں وہی یہ لوگ فارسی اور عربی زبانوں میں سیکھتے ہیں اور سات سال کے درس کے بعد ایک طالب علم اپنے سر پر جو دستارِ فضیلت باندھتا ہے۔ آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا تھا اور اسی طرح روانی سے سقراط، ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا پر گفتگو کر سکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔''

جنرل سلیمن نے ایک اور جگہ لکھا ہے:

''ایک تعلیم یافتہ مسلمان فلسفہ ادبیات اور دوسرے علوم وفنون پر قابلیت سے گفتگو کر سکتا ہے اور بالعموم ان مضامین پر گفتگو کرنے اور موجودہ زمانے میں ان میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں، انہیں سمجھنے کا بہت خواہش مند ہوتا ہے۔''

ان سطور سے یہ تو واضح ہوتا ہے کہ شمالی ہندوستان کا نظامِ تعلیم اس زمانے کے انگریزی نظامِ تعلیم سے (یا آکسفورڈ یونیورسٹی کے موجودہ کلاسیکل کورس سے) کسی طرح پست نہ تھا۔

انگریزوں کی پالیسیوں کے باعث مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر جو پہلے ہی شہنے سرکاری سرپرستی کے ختم ہونے کی وجہ سے زوال پذیر تھا، مزید بُرا اثر پڑا۔

برطانوی حکمران ابھی تک مسلمانوں کو سیاسی طور پر اپنا حریف سمجھتے تھے۔ مسلمان اپنی سیاسی برتری کو کھو دینے کے ساتھ ساتھ سرکاری ملازمتوں سے بھی محروم ہوتے جا رہے تھے۔ ان کا تعلیمی نظام حالات کے تقاضوں سے موافقت نہیں رکھتا تھا۔ 1835ء میں لارڈ میکالے کی آمد سے ذریعۂ تعلیم کے طور پر فارسی اور عربی کو ختم کر کے انگریزی کے حق میں فیصلہ کر لیا گیا۔

اس طرح ہندوستان میں انگریزی اور یورپی تعلیم کے آغاز کی عملی کوششوں اور ہندوستانیوں کی (خصوصاً مسلمانوں کی) تعلیم کو ان کی ''قومی زندگی کی جڑوں'' سے کاٹ دینے کی تحریک شروع کرنے کی زیادہ تر ذمہ داری لارڈ میکالے کے سر عائد ہوتی ہے۔

1835ء میں ایک کمیشن کا تقرر عمل میں لایا گیا جس کے نتیجے میں حکومت نے مسلمانوں کے بیشتر اوقاف کو جو اسلامی مدارس کے لیے وقف تھے، ضبط کر لیا۔ اس سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کو انتہائی نقصان پہنچا۔

1844ء میں حکومت نے اعلان کیا کہ سرکاری ملازمتوں میں انگریزی تعلیم یافتہ افراد کو ترجیح دی جائے گی۔ اس سے مسلمانوں کی حالت مزید مخدوش ہو گئی۔ مسلمان اپنے روایتی مکاتب کی حاصل کردہ تعلیم پر اکتفا کیے رہے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں کے ان خدشات کو مزید

تقویت پہنچی جو انہیں مسلمانوں سے لاحق تھے۔ مسلمانوں کی رہی سہی سیاسی طاقت کو ختم کر دیا گیا۔ ان پر بے شمار مظالم ڈھائے گئے۔ ان کی زمینیں، جائیدادیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ اس حکمتِ عملی سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور وہ مزید پستیوں کا شکار ہوتے گئے۔

یہ غلط خیال ہے اور مفروضہ ہے کہ مسلمانوں کو انگریزی زبان اور مغربی علوم سے نفرت تھی اور وہ انہیں سیکھنا گناہ سمجھتے تھے، اس لیے کہ احادیث نبوی ﷺ میں دیگر زبانوں کو سیکھنے کی ترغیب و ترہیب کی روشنی میں شاہ عبدالعزیز کے اس فتویٰ کے بعد کہ مسلمانوں کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا جائز ہے، انہوں نے یہ زبان جنگِ آزادی سے بہت پہلے سیکھنی شروع کر دی تھی۔ نیز دہلی کالج میں جو 1825ء میں قائم ہوا تھا، سائنسی علوم مثلاً ریاضی، طبعیات، کیمیا، ہائی ڈرالکس، ہئیت وغیرہ پڑھائے جاتے تھے اور مسلمان اور ہندو دونوں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یہ علوم سیکھتے تھے۔

اسی کے لگ بھگ حیدر آباد دکن کے نواب شمس الامراء نے ایک سوسائٹی قائم کی جس سے بہت سے اعلیٰ پائے کی کتابوں کے ترجمے ہوئے لیکن 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو اپنا دشمن قرار دے کر اپنے سے دور رکھا تو انہوں نے بھی مضامین کو ترک کر کے اپنی توجہ دینی علوم پر مرکوز کر دی۔

برِ صغیر میں سب سے پہلے 1866ء میں دارالعلوم دیو بند کا قیام عمل میں آیا۔

1895ء میں دارالمصنفین کا قیام عمل میں آیا۔

دسمبر 1898ء میں ندوۃ العلوم کا قیام عمل میں آیا۔

برِ صغیر کے مسلمانوں کی دینی تعلیمی تحاریک:۔

حکومت برطانیہ ہمیشہ مسلمانوں کے مذہبی تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل طلباء سے خائف رہی کیوں کہ جیسا کہ جنرل سلیمن کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان اداروں کے فارغ التحصیل طلباء نہایت قابل، ذہین، نڈر، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی سوجھ بوجھ رکھنے والے تھے۔

اس تعلیم سے آراستہ ہو کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا مسلمان فلسفی اور مفکر پیدا ہوا۔ شاہ اسماعیل شہید، سید احمد بریلوی جیسے مجاہد اور اسلام کے شیدائی، رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی جیسے بالغ نظر علماء دین پیدا ہوئے جن کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے سر سیّد احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ جیسے صاحبِ کمال، اہلِ علم و دانش اور جذبۂ ایثار سے سرشار اکابر ملتِ اسلامیہ کو نصیب ہوئے۔

Marfat.com

انگریزوں کے تسلط کے بعد برِصغیر میں جدید علوم وفنون کا جو دور شروع ہوا تھا ان کے لیڈروں کی باگ ڈور انہیں بزرگوں کے ہاتھ میں تھی۔ انہیں بزرگوں نے علی گڑھ، لکھنؤ لاہور، کلکتہ، کراچی، حیدر آباد دکن، وغیرہ میں دینی و دنیاوی تعلیم کی درس گاہیں قائم کیں اور تعلیم وتربیت سے آراستہ کر کے مذہبی وسیاسی لیڈر پیدا کیے۔

شاہ ولی اللہ نے زبوں حالی کے دوران اپنی مختلف تصانیف کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی سے رشتہ استوار کرنے، حال کی اصلاح کرنے اور مستقبل کو تابناک بنانے کی راہ سجھائی۔

اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد کا عظیم مشن جاری رکھا۔ انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کے لیے مغربی علوم کی تعلیم اور انگریزی زبان سیکھنا وقت کا اہم تقاضہ ہے کیوں کہ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق مسلمان جدید علوم وفنون کے لیے چین تک جاسکتے ہیں جس کا بہت مثبت اثر ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب 1857ء سے پہلے مسلمانوں نے انگریزی زبان اور سائنسی علوم سیکھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہں کی تو 1857ء کے بعد تقریباً دو دہائیوں تک ان سے اجتناب کیوں برتا۔ اس کی دو نمایاں وجوہات ہیں۔

1۔ انگریزوں نے مسلمانوں پر جو مظالم توڑے، انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔

2۔ دوسری طرف خود انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو ناقابلِ اعتماد سمجھتے ہوئے ان پر ملازمتوں کے دروازے بند کردیے۔

اس صورتِ حال کے باعث سرسیّد مرحوم نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کو تعلیم کے ذریعے دور کیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی قیادت کا فیصلہ کیا اور ایک ایسا ادارہ ایم اے او کالج کے نام سے قائم کیا جو مسلمانوں کا ہو اور ان کی ملی اور قومی روایات کا تحفظ کرتے ہوئے انہیں انگریزی علوم سے بہرہ ور کرے۔

سرسیّد احمد خان اور مسلمانانِ برِصغیر کے تعلیمی کوائف:۔

انیسویں صدی کے نصف کے آخر میں جب کہ مسلمانانِ برِصغیر کی سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی پستی انتہا کو پہنچ رہی تھی، سرسیّد احمد خان کی شخصیت ایک مصلح اور طبیبِ قوم بن کر ابھری۔ سرسیّد نے مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ ہوئے بغیر میدانِ سیاست میں اترنے سے منع کیا تو صرف اس وجہ سے کہ حالات کا

Marfat.com

تقاضہ یہی تھا اور مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے فقط یہی راستہ ان کی نگاہ میں موزوں اور مناسب تھا۔

''یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ سرسیّد احمد خان کا تعلیمی منصوبہ اس دور کی سیاسی اقدار سے ہم آہنگ تھا اور اس کا مقصد مسلمانوں کو سیاسی سمجھ بوجھ اور باہم اتحاد کی راہیں دکھلانا تھا۔'' (29)

اس کے ساتھ ہی ساتھ برِصغیر میں سرسیّد کی تعلیمی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جھنجوڑنے کے لیے جدید تعلیم کے حصول کو پہلا قدم قرار دیا۔

سرسیّد بنیادی طور پر ایک ماہرِ تعلیم تھے۔ وہ انگریزی نہ جاننے کے باوجود برِصغیر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم دلانے کے اہم محرک بن گئے۔ انہوں نے مسلمانوں پر مسلسل زور دیا کہ وہ علومِ جدید کو حاصل کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ حالات کے تقاضوں کے لحاظ سے مسلمانوں کی ہر قسم کی ترقی کا راز فقط جدید تعلیم کے حصول میں مضمر ہے۔ انہوں نے سابقہ نظامِ تعلیم کو جو زیادہ تر فارسی اور عربی علوم پر مشتمل تھا اور دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے سے یکسر قاصر تھا، وقتی ضرورت کے قطعاً برعکس قرار دیا۔ جدید تعلیم کو وہ اس لیے بھی ضروری خیال کرتے تھے کہ اس کے حصول کے بغیر مسلمان کسی میدان میں بھی ترقی نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً وہ ملازمتوں کے تحفظ اور حکومت کے سیاسی اداروں میں نمائندگی وغیرہ سے محروم تھے۔ جدید تعلیم سے سرسیّد کی یہ مراد نہ تھی کہ مسلمان مشرقی علوم کو یکسر بھلا دیں بلکہ وہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ علومِ مشرقی کو بھی ترقی پذیر بنیادوں پر دیکھنا چاہتے تھے۔ مذہبی تعلیم کے سلسلے میں سرسیّد حکومت کی مداخلت کو ناپسند کرتے تھے۔ ''کمیٹی خواستگار برائے ترقیٔ مسلمانان'' کے ایک اجلاس میں مدرستہ العلوم علی گڑھ کے تعلیمی نصاب کے تعین کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے سرسیّد نے فرمایا۔ (30)

''مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ دو قسم کا ہونا چاہیے۔ ایک وہ جو خود مسلمان اس کو قائم کریں جس سے ان کے تمام مقاصد دینی و دنیاوی انجام پاویں۔ دوسرے وہ جن سے مسلمان ان اصول وقواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے مقرر کیے ہیں، فائدہ اٹھاویں۔''

غرضیکہ سرسیّد کی تمام تعلیمی تحریک کی بنیاد جدید علوم کو مسلمانوں میں مقبول بنانے پر مرتکز رہی۔

اس کے برعکس مفتی مصر اور اعلیٰ پائے کے عالم شیخ محمد عبدہ تھے۔ جنہوں نے جامعہ الازہر میں تعلیم پائی۔ وہ اس کے طریقۂ تعلیم اور نصابِ تعلیم سے مطمئن نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سرسیّد کی طرح اندھی تقلید

Marfat.com

کے مخالف تھے۔ چناں چہ انہوں نے بھی ایک تحریک کا آغاز کیا جس کا مقصد اسلامی نظریات کو جدید افکار کی روشنی میں ڈھالنا اور نصابِ تعلیم کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانا تھا۔ (31)

مسلمانانِ ہند کو انگریزی تعلیم قبول کرنے کا مشورہ دینے سے سرسیّد کی یہ خواہش نہ تھی کہ وہ مشرقی علوم کو یکسر نظر انداز کر دیں بلکہ وہ اس نظریئے کے حامی تھے کہ مسلمان ایک ہاتھ میں علوم مغربی اور دوسرے میں مشرقی کو لیں تا کہ دونوں کے درمیان ایک قسم کا توازن قائم رہے۔

پروفیسر تھیوڈر ماریسن (مدرسۃ العلوم علی گڑھ) نے کانفرنس کے 1898ء کے اجلاس (لاہور) میں مسلم یونیورسٹی کے قیام کے مقصد کی اپنے نقطۂ نظر سے وضاحت کرتے ہوئے کہا: (32)

...... ہم کو بھی ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت ہے جس سے ایک آنکھ میں مشرقی اور دوسری میں علوم مغربی کی روشنی پیدا ہو مگر دونوں آنکھوں کی روشنی بالکل اس سے جدا جدا ہو کہ جس سے ماحول کی طرح بجائے ایک ایک چیز کے دو نظر آئیں۔''

مسٹر بدرالدین طیب جی (1844ء۔1906ء) نے نواب محسن الملک کے نام 21 دسمبر 1898ء کو ایک خط میں اس کا یوں ذکر کیا کہ:

''ہماری بدقسمتی سے اب تک ہمارے ہاں مولوی اور عام لوگ سوائے اپنے علوم کے دیگر علوم سے بالکل ناواقف رہے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مولوی اور واعظین تنگ خیال اور متعصب ہوتے ہیں جن کو مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ہم کو یہ نقص رفع کرنا چاہیے تا کہ ہمارے ہاں کے علماء اور مولوی بھی آئندہ مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہوا کریں۔ میں یہ امر بھی ایسا ہی ضروری سمجھتا ہوں کہ جو نوجوان طلباء مغربی لٹریچر اور علوم کو سیکھتے ہیں۔ وہ اپنے ہاں کی زبانوں، لٹریچر، تاریخ اور مذہب سے بالکل بے بہرہ نہ ہوں۔''

چناں چہ کانفرنس کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ وہ مشرقی علوم کو قدیم طرز کے ساتھ ساتھ جدید تقاضوں کے مطابق ترقی دینے کی سعی کرے۔ نیز قدیم اسلامی درس گاہوں کے نصاب میں جدید خطوط پر مناسب ردّ و بدل کیا جائے۔

''صدیوں سے مسلمانوں کی ذہنی ترقی کو روکنے کی ذمہ داری بھی اس غیر موافق نصابِ تعلیم اور طرزِ تعلیم پر عائد ہوتی ہے۔''

سرسیّد کی تحریک کے نتیجے میں مسلمانانِ برِصغیر نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ علی گڑھ مسلم

Marfat.com

یونیورسٹی تحریکِ پاکستان کے لیے اسلحہ خانہ ثابت ہوئی کیوں کہ آپ نے مغربی اور مشرقی تعلیم کی آمیزش اور عملی جدید علوم وفنون کی تعلیم سے مسلمانوں میں بیداری اور آزادی کی روح پھونک دی تھی اور آخرکار اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص سے مسلمانانِ برِصغیر آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوئے۔

جدید نظامِ تعلیم اور دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کے درمیان خلیج:۔

قدیم زمانہ سے مسلمان معاشرہ میں سیادت وقیادت اور رہنمائی کا منصب دینی مدارس کے فارغ علماء کے ساتھ وابستہ رہا۔ اس دور کا نصابِ تعلیم ان کو اس اعلیٰ ذمہ داری کے لیے تیار کرتا تھا۔ موجودہ دور میں دینی مدارس کا نصاب عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں رہا۔ اس کی وجہ سے علماء نہ صرف شاہراہِ حیات سے کٹ گئے بلکہ احساسِ کہتری اور احساسِ کمتری کا شکار ہو گئے۔ بتدریج قومی زندگی سے بے تعلق ہوتے چلے گئے۔ قومی قیادت اور رہنمائی میں انقطاع واقع ہو گیا۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

قیادت کا منصب جدید تعلیم یافتہ افراد کے پاس آ گیا۔

انگریز حکمرانوں کی چالیں:۔

ذرا وقیع النظری سے حالات کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے برِصغیر پر انگریزوں کے مکمل غلبہ کے بعد ''دارالاسلام یا دارالحرب'' کا فتویٰ دیا اور مسلم اقتدار کی بحالی کی طرف مسلمانوں کی توجہ مرکوز کرائی تو سیّد احمد شہید اور حضرت اسماعیل شہید کی قیادت میں اس فتویٰ کی تحریک اتنی آگے بڑھی کہ تحریکِ جہاد بن گئی۔

جب پنجاب اور سرحد میں اس تحریک کا انگریزوں سے براہ راست ٹکراؤ ہوا تو انہوں نے اس تحریک کو ختم کرنے کی انتھک کوشش میں اس تحریک کو غلط رنگ دے کر ''وہابی تحریک'' کا نام دے دیا اور اس طرح انگریز مسلمانانِ ہند میں تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

انہوں نے دینی مدارس میں تفرقہ بازی کا زہر گھول دیا اور Divide & Rule کی پالیسی اختیار کی۔

قیامِ پاکستان کے بعد:۔

پاکستان 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ پر آزاد اسلامی مملکت بن کر ابھرا اور ساتھ ساتھ اسے

برطانوی نظامِ تعلیم ورثے میں ملا جو فرنگی ثقافت اور سیاست کی عکاسی کرتا تھا۔ لارڈ میکالے کے تاریک تاریخی الفاظ فرنگی مقاصدِ تعلیم کے آئینہ دار ہیں:

"We want to produce a class of people who should be Indian in blood and colour but English in taste, in opinion, in moral and in intellect."

میکالے کی تعلیمی پالیسی نے ہمارے دل ودماغ کو بدل کر رکھ دیا۔ اس نے ہمارے جذبۂ جہاد کو تفرقہ بازی سے تبدیل کر دیا۔ من حیث القوم ہمیں احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا۔ غلامانہ اور شکست خوردہ ذہنیت کا رجحان پیدا کر دیا۔ اس نے ناسمجھ لوگوں کو اسلامی تہذیب وتمدن، قومی اقدار وروایات اور عقائد سے کاٹ دیا اور انگریزی یا مغربی تہذیب وتمدن کا شیدائی بنا دیا۔ انگریزی زبان کو وسیلۂ رزق بنا کر ذہنوں کو مغرب سے مضبوط رشتے میں جکڑ دیا۔

اُمت کا نشاۃ الثانیہ، وقت کا اہم تقاضہ:۔

پاکستان کی آزادی کا نظریہ اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد پر استوار ہوا لہٰذا، قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلا اقدام یہ ہونا چاہیے تھا کہ تشکیل وتعمیرِ قوم کے لیے اسلامی نظریۂ حیات کے تحت پورے تعلیمی ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور لارڈ میکالے کے دیئے ہوئے نظامِ تعلیم سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

نظامِ تعلیم میں یہ تبدیلیاں محض رسمی اور برائے نام نہ ہوں بلکہ بنیادی، ہیئتی تبدیلیاں ہوں۔

1۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پاکستان کے قیام کے تین ماہ بعد 27 نومبر 1947ء کو ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں قائدِ اعظم نے فرمایا ''آپ جانتے ہیں کہ تعلیم اور صحیح تعلیم کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ ایک صدی سے اوپر غیر ملکی راج میں تعلیم پر مناسب توجہ نہیں دی گئی۔ اب اگر ہم حقیقی تیز رفتار اور زیادہ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس مسئلے پر مستعدی سے عمل کرنا پڑے گا اور اپنی تعلیمی پالیسی اور منصوبے کو عوام کی افتادِ طبع کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تمدن اور تاریخ کی روشنی میں اور ان تمام جدید تبدیلیوں اور ترقیوں کو سامنے رکھ کر مرتب کرنا پڑے گا۔''

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک کا مستقبل اسی تعلیم وتربیت پر منحصر ہوگا جو ہم اپنے بچوں کو ایک پاکستانی شہری بنانے کے لیے دیں گے۔ تعلیم کا مقصد صرف کتابی عمل نہیں ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے عوام کو ٹیکنیکل اور سائنسی تعلیم دی جائے تاکہ مستقبل میں ہماری اقتصادی زندگی کی تعمیر

Marfat.com

کی جاسکے اور لوگ سائنس، تجارت اور خاص طور پر منظم کی ہوئی صنعتوں میں حصہ لے سکیں۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمیں دنیا سے مقابلہ کرنا ہے جو تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔''

''اس کے ساتھ ہمیں آئندہ نسلوں کی کردار سازی بھی کرنا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم صحیح تعلیم کے ذریعے ان کے اندر عزتِ نفس، راست بازی، ذمہ داری اور قوم کے لیے ایثار کا جذبہ پیدا کریں۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ انہیں قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے سربلندی حاصل ہو۔''

تبصرہ......ان سفارشات پر خاطر خواہ عمل درآمد نہ ہوسکا۔

2۔ 5 جنوری 1959ء کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے قومی تعلیمی کمیشن کے افتتاح کے موقع پر کہا۔''اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ موجودہ نظام تعلیم کی تشکیل از سرِ نو کی جائے تا کہ ایسی قوم جنم لے جو ہماری روحانی، اخلاقی اور ثقافتی اقدار کی عکاسی کر سکے، نظامِ تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو قوم کے روز افزوں تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کر سکے اور زرعی اور فنی اور عملی ترقی میں مدد دے ہمارے نظامِ تعلیم کی یہ بھی خصوصیات ہوں کہ وہ اعلیٰ کردار کی تشکیل کرے اور محنت کی عظمت اور قدر و قیمت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرے۔''

3۔ نور خان تعلیمی پالیسی 1970ء میں پیش کی گئی۔

4۔ پیرزادہ تعلیمی پالیسی 80-1972 اس تعلیمی پالیسی کے تحت تعلیمی اداروں کے معیارِ تعلیم کو بڑھانے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا، نیز نجی تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا۔

5۔ جنرل ضیاء الحق کی حکومت کی تعلیمی پالیسی، اکتوبر 1978ء

1978ء کی نئی قومی تعلیمی پالیسی میں حکومت نے پہلی مرتبہ تعلیم کا مقصد اسلامی نظریہ حیات اور نظریہ پاکستان کی ترویج و اشاعت قرار دیا، تا کہ باشندگانِ پاکستان قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

تبصرہ......اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی جانب بتدریج آگے بڑھے ہیں۔

6۔ نئی پالیسی 1991ء کی ترجیحات میں بھی زیادہ تر پرانی پالیسیوں کی سفارشات کی طرح وعدے کیے جا رہے ہیں۔ درج بالا تمام تعلیمی کمیشنوں اور ان کی سفارشات کا جائزہ لیا جائے تو ایک تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سفارشات اور تجاویز بھی بتدریج حقیقی بنیاد کی سمت آگے بڑھی ہیں، دوسرے یہ سفارشات و تجاویز بھی حقیقتاً اطلاق پذیر نہ ہو پائیں۔ لہٰذا، خاطر خواہ نتائج بھی سامنے نہ آ سکے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میکالے کے دیئے گئے نظامِ تعلیم کو اور اس کے مقاصد و مفادات کو نیست و نابود کر دیا جاتا بلکہ اس کا توڑ کیا جاتا۔

Marfat.com

We wish to educate People of Pakistan in a way that they should be real muslims in their practices, behaviour, opinion, moral & intelect and side by side highly learned & highly trained with science and technology with all sincereity to Pakistan, Ummah & Islam.

ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد مجموعی طور پر سوا ارب سے کسی طور کم نہیں جو کہ دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً چوتھائی حصہ ہے۔ اُمتِ مُسلمہ 57 ممالک پر مشتمل ہے۔ اُمتِ مُسلمہ کے پاس کرہ ارض کا 23% رقبہ ہے۔ اس کے 92% ممالک بندرگاہوں کے قریب ہیں۔ دنیا کے مادّی اور انسانی وسائل میں اس کا حصہ 58% ہے۔ اس کثرتِ تعداد کے باوجود بحیثیتِ مجموعی معاشرتی اعتبار سے پسماندہ، جغرافیائی اعتبار سے بکھرے ہوئے، سیاسی لحاظ سے غیر منظّم اور کمزور حکومتوں کے مالک اخلاقی لحاظ سے پست، معاشی لحاظ سے پسماندہ یا ترقی پذیر بلکہ اکثر ممالک خود کفالت میں ناکام، قرضوں کے جال میں جکڑے ہوئے، بیرونی امداد پر انحصار کرنے والے، کرپشن میں سرفہرست۔ کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، افغانستان میں ہنود، یہود اور نصرانیوں کے ظلم و جبر کا شکار اور آزادی کے لیے برسرِ پیکار غیر متحد، غیر منظّم بلکہ باہم دست و گریباں۔ فرقہ وارانہ فسادات ہیں اور کہیں صوبائی منافرتیں اور تعلیم کا گراف ہے کہ نیچے کی جانب گر رہا ہے۔ تعلیم تو کیا شرحِ خواندگی کے اعتبار سے انتہائی پست مقام پر ہیں۔ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں تعلیم کا ارتقاء بہت برق رفتاری سے ہوا ہے۔ البتہ پاکستان بالخصوص اور مُسلم دنیا بالعموم تعلیم و تعلّم میں نہ صرف یہ کہ بہت پیچھے ہے بلکہ من حیث الاُمہ اور من حیث القوم ہمارے نظامِ تعلیم کی تشکیلِ نو اور تعمیرِ نو کی ضرورت ہے تاکہ نہ صرف اسے اپنی نظریاتی بنیادوں اور ملی امنگوں کے مطابق ڈھالا جاسکے بلکہ علم کے ارتقا کی برق رفتاری کا ساتھ دینے کے قابل بھی بن سکیں۔ ہمارا ملک ایک نظریاتی ملک ہے۔ جو اسلام اور صرف اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ اسلام ہی پاکستان کی اساس اور ہمارا نصب العین ہے۔ یہ ہمیں دنیا کی ہر شے اور ہر متاع سے زیادہ عزیز ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام پوری طرح اسلامی اساس پر استوار ہو۔ ہمارے اساتذہ اور طلباء اپنے نظریہ اور اپنے نصب العین سے پوری طرح آگاہ ہوں تاکہ ہماری تعلیم بامقصد اور پُر اثر ہو۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اپنے نصب العین کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے رہے اور انہیں اپنی اصل اور بنیادی باتوں کا احساس تھا، وہ اقوامِ عالم میں سربلند رہے، انہوں نے ہر طرح کے علوم و فنون میں دسترس حاصل کی اور تعلیم کے میدان میں پیش پیش رہے لیکن جب انہوں نے اپنے نصب العین کو فراموش کر دیا، ان کی ساری برتری کالعدم ہوگئی۔

Marfat.com

قرآن اکیڈیمیز یا قرآنی تحقیقاتی ادارے:۔

ہمارا ایمان ہے کہ خشکی اور تری میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں نہ ہو، اس آیتِ شریفہ کے معنے د مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے میرا نوعمر بیٹا ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ جو شخص قرآن کا عالم ہوگا، قرآن کا فہم رکھتا ہوگا، وہ ہر علم کا جاننے والا ہے، سائنس دان ہے۔

میں نے اس کی اس دلیل سے متعلق سوچا تو میں نے کہا، کیا وہ مسلمان جو اس آیتِ شریفہ کو پڑھتے ہیں محض اس کی تکرار سے خشکی اور تری کی ہر شے کے عالم ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اہلِ ایمان قرآن پر غور کریں، فکر کریں، تدبر کریں، تحقیق و جستجو کریں تو خشکی و تری کی ہر شے کے متعلق ہمیں بلاشبہ علم ہو جائے گا۔ اس آیتِ شریفہ کی روح میں یہی پیغام پوشیدہ ہے۔

میری یہ آرزو ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایک قرآن اکیڈمی یا قرآن سے استفادہ کے لیے ایک قرآن تحقیقی مرکز بنایا جائے جہاں مختلف مضامین میں ماسٹرز ڈگری رکھنے والے مسلمان خواتین وحضرات اپنے مخصوص مضمون کے حوالے سے قرآن میں غور وفکر، تدبر و تفکر، تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو کریں اور اس مخصوص مضمون سے متعلق حقائق سامنے لائیں اور ان آیات و بینات پر کام کریں جو ان کے موضوع سے متعلق ہوں۔ مثلاً معاشیات کے ماہرین یا علمِ معاشیات میں ماسٹرز کی ڈگری رکھنے والے قرآن کی آیات سے معاشی موضوعات اخذ کر کے ان سے رہنمائی حاصل کریں اور قرآن کی آیات سے معاشی نظریات اخذ کریں، ان آیات سے استنباط کرتے ہوئے معاشی حکمتوں کو اخذ کریں۔ نیز جدید اصطلاحات کے مطابق اور عمل کاری یا نظامِ کار مثلاً بینکنگ میں بلا سود بینکاری کا پورا نظام الف سے ی تک چلانے کے لیے معاشیات و بینکاری کے ماہرین اس کو عملاً ترتی دیں۔ اسلام کے معاشی نظام میں تفاعلِ صرف سے متعلق جتنی رہنما آیات ہیں، مثلاً اسراف، تبذیر، بخل اور شح النفس کی مذمت میں اور میانہ روی کی حمایت میں ان سے متعلقہ احادیث کی روشنی میں ان پر تحقیقی کام کے ذریعے اسلام کے معاشی نظام میں تفاعلِ صرف (Consumption Function) کو پوری طرح سمجھا جائے اور اصول و نظریات اخذ کیے جائیں۔

اسی طرح سیاسیات کے ماہرین اپنے مخصوص موضوعات کے حوالے سے کیمیا، طبیعات، فلکیات، حیاتیات، نباتیات، حیوانیات، حتیٰ کے علم الابدان، جینیات کے ماہرین اپنے اپنے موضوعات سے متعلقہ آیات پر تحقیقی کاوش و کوشش کریں۔

نفسیات کے ماہرین، جغرافیہ کے ماہرین وغیرہ کے لیے بھی بڑے امکانات ہیں۔

Marfat.com

انسان کی مختلف حالتوں (ٹشوز) قبل پیدائش اور پیدائش کا ذکر قرآن کی مختلف آیات میں ملتا ہے۔ان آیات پر غور کرنے سے طب کے فارغ التحصیل لوگوں کو بڑے حقائق کا ادراک ہوتا ہے۔غرض یہ کہ بنی نوعِ انسان کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص قرآن پر اس درجہ گہرائی اور گیرائی سے کام کرنا چاہیے کہ قرآنِ حکیم کی ایک ایک آیت پر تدبر و تحقیق کے لیے تحقیقاتی کمیشن بیٹھا دینے چاہئیں تاکہ قرآن کے حرف حرف، نقطے نقطے میں جو علم و آگہی کے سمندر سموئے ہوئے ہیں، ہم ان سے فیض یاب ہوں۔انہیں کام میں لائیں اور عالمِ انسانیت کی فلاح و صلاح کے لیے انہیں استعمال کریں۔

دراصل غلطی یہ ہے کہ ہم قرآنِ حکیم سے سرسری گزر جائیں، اس کی اس آیتِ شریفہ کی روح کو نہ سمجھیں کہ خشکی و تری میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کا ذکر اس کتاب میں نہ ہو تو یہ ہماری کم نصیبی ہے، سائنس، ٹیکنالوجی، علوم و حکمت کے بامِ عروج پر پہنچنا ہے تو قرآن پر تحقیقات کا آغاز کر دیجیے۔ہم اس میں مصروف و مشغول ہو جائیں تو یہ تعلیم کے فروغ و ارتقاء کی راہ میں سب سے اہم اقدام ہوگا اور ہمارے نظامِ تعلیم کی اساس ہوگا۔

مُسلم اُمہ اس میدان میں دیگر اقوام عالم سے بہت زیادہ پیچھے ہے۔پس اس کو چاہیے کہ قرآنی تحقیقات کے ذریعے وہ اس ضمن میں اقدام و کوشش کرے۔قومی سطح پر شعوری طور پر جامع انداز میں ایسی کوشش کی جانی چاہیے۔قرآن پاک ایسے بحرِ ذخار میں تعلیم و تربیت، علم و حکمت کے موتی جگہ جگہ بلکہ آیت بہ آیت بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔قرآنِ حکیم کے اس بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہو کر تلاش کرنے، پرکھنے، سمجھنے، استفادہ کرنے اور روبہ عمل لانے کی ضرورت ہے۔

قرآنی نظریاتِ تعلیم و تعلم کے فاضل مصنف ابو صباح صلاح الدین رقم طراز ہیں:

"کائنات اللہ کی تخلیق اور قرآن اس کا کلام ہے۔پھر بھلا اللہ تعالیٰ کے قول و فعل میں تضاد کس طرح ممکن ہے۔جیسے جیسے انسانی عقل، تجربہ و شعور ترقی کرتا ہے، ویسے ویسے قرآن میں مذکور کائنات کے سربستہ راز ہم انسانوں پر آشکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔جس کی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔"

لہٰذا، اس موضوع پر غور و تدبر کرتے ہوئے میں سمجھتی ہوں کہ اکیسویں صدی کے اوائل میں قرآن اکیڈیمیز یا قرآنی تحقیقاتی ادارے قرآن کی ایک ایک آیت پر تحقیق اور معنی آفرینی کے ذریعے زیادہ بہتر سطحِ علم و دانش پر پہنچ سکتے ہیں۔قرآن اکیڈیمیز یا قرآنی تحقیقاتی اداروں کا نیٹ ورک سرکاری سطح پر قائم کیا جائے یا نجی شعبہ کے تحت، یعنی معاشرے کے مخیر حضرات اس کے لیے مالیات کاری کریں۔بہرکیف یہ کام انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

Marfat.com

خانقاہیں، درس گاہیں:۔

بزرگانِ دین کی درگاہوں اور مزارات اور خانقاہوں میں بھی درس گاہیں، مدرسے، دار العلوم وغیرہ قائم کیے جائیں تاکہ جس طرح اپنی زندگیوں میں یہ بزرگانِ دین، درویش حضرات وصوفیائے کرام لوگوں کی تعلیم وتربیت کرتے رہے، اسی طرح اب ان کے مزارات اور خانقاہیں جو کہ مرجع خلائق ہیں، علم وآگہی کے فروغ و فیضانِ تربیت کے مرکز بن جائیں۔ مثلاً داتا دربار لاہور میں دار العلوم ہجویری، پاک پتن میں حضرت فرید گنج شکر کے مزار مبارک سے منسلک جامعہ فریدیہ اور بہاء الدین زکریا ملتانی کے یہاں دار العلوم بہاء الدین، حضرت لال شہباز قلندر کے مزار پر سیہون شریف میں جامعہ قلندریہ قائم کردی جائے اور ان درس گاہوں یا جامعات یا دار العلوم کو متصلہ مزارات کے اوقاف سے مالیات فراہم کی جائیں۔

دو نظریاتی ریاستوں کے لائحہ عمل کا مقابلہ وموازنہ:۔

اقوامِ عالم میں دو ہی مملکتیں ہیں جو نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوئی ہیں۔ ایک پاکستان اور دوسری اسرائیل۔ یہ دونوں ریاستیں تقریباً ساتھ ساتھ ایک وقت میں وجود میں آئیں۔ یہود کی اس سے پیشتر کسی بھی خطے میں کوئی آزاد مملکت نہیں تھی۔

تعلیم کا شمار کسی بھی مملکت کی بنیادی ضروریات میں ہوتا ہے۔ کسی قوم کا نظریۂ تعلیم نظریۂ حیات سے جنم لیتا ہے۔ کسی ملک کے قیام کے اغراض ومقاصد واہداف کے حصول میں اور اس کے استحکام وترقی میں نظریۂ تعلیم اور نظامِ تعلیم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جب ہم اسرائیل کی تعلیمی پالیسی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اسرائیل نے اپنے قومی اہداف کو ایک مختصر سی مدت میں حاصل کرلیا ہے تو وہیں پاکستان اور دیگر مسلم ممالک اپنے اہداف حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔

اسرائیل کا تعلیمی ڈھانچہ مندرجہ ذیل چھ بنیادوں پر قائم ہے۔

1۔ اسرائیل کی سرزمین یہودی امت کا وطن ہے۔ وطن سے محبت اور اس کی طرف واپسی ضروری ہے۔

2۔ تمام یہود ایک امت ہیں چاہے وہ کہیں بھی بستے ہوں۔

3۔ یہودی اللہ کی برگزیدہ قوم ہے اور اسے اسی بنیاد پر کام کرنا ہے۔

4۔ اسرائیلی قوم کو یہودی ثقافت اور یہودی روح کے مطابق ڈھالا جائے۔

5۔ مملکتِ اسرائیل کو جدید ترین مملکت بننا ہے۔

Marfat.com

6۔ مملکتِ اسرائیل چاروں طرف سے دشمنوں سے گھری ہوئی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے تمام یہودی معاشرہ کا تربیت یافتہ فوجی ہونا ضروری ہے۔ اپنے اہداف کے حصول کے لیے یہودیوں نے زراعت میں دلچسپی لی اور محنت کو فخر سمجھا اور ان کے سابق وزیرِ اعظم بن گوریاں نے اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد صحرا میں کھیتی باڑی کا کام سنبھال لیا۔ ان کے یہاں اس نظریئے نے فروغ پایا کہ ہمارا دین محنت کا دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس ننھی سی مملکت کی زرعی پیداوار نہ صرف یورپ بلکہ عرب میں بھی پہنچ رہی ہے۔ ہم بحیثیتِ مجموعی رسول کریم ﷺ کے فرمان الکاسب حبیب اللّٰہ کو بھول چکے ہیں جب کہ یہودیوں نے محنت کی بدولت صحرا کو لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر دیا۔ آنے والے تمام یہودی ایک قوم ہیں اور ان سب کا اصل وطن اسرائیل ہے جہاں بلا روک ٹوک جا کر آباد ہو سکتے ہیں۔

اسرائیل کے قیام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کی تعلیم الگ الگ تھی۔ عربوں کی تعلیم یا تو حکومت کے تحت تھی یا پھر عیسائی مشینریوں کے تحت یہودیوں کی تعلیم ان کی سیاسی اور سماجی تنظیموں کے تحت دی جاتی تھی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد تمام تعلیم اسرائیل کی وزارتِ تعلیم وثقافت کے تحت دی جارہی ہے۔

جب کہ پاکستان میں دوہرا، تہرا نظامِ تعلیم جاری ہے جو نظامِ تعلیم کی خرابی کی اصل جڑ ہے۔

اپنے اس ہدف کے حصول کے لیے اسرائیل نے شاندار یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیمی اکیڈیمیاں قائم کی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیق کے اعلیٰ مرکز بنائے ہیں تاکہ مختلف میدانوں میں اعلیٰ رہنمائی اور قیادت فراہم کی جائے اور عملاً ثابت کیا جائے کہ یہودی ایک اعلیٰ اور برگزیدہ قوم ہے۔ علاوہ ازیں زندگی کے مختلف میدانوں میں تیسری دنیا، یورپ اور اپنے دوستوں کی ضروریات کے لیے ماہرین کثیر تعداد میں تیار کیے جائیں۔ اپنے اس ہدف کے حصول میں یہودی بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں جب کہ مُسلم اقوام اس بارے میں یورپ وامریکہ کی دست نگر ہیں۔

یہودی تعلیمی اداروں میں یہودیوں کے لیے Passing Marks کی سطح بہت بلند مثلاً 80% ہے جب کہ دیگر مذاہب اور اقوام سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کے لیے ان یہودی تعلیمی اداروں میں Passing Marks کی سطح 45% ہے۔

دنیا کی کسی بھی قوم نے اپنے مذہب اور زبان میں اتنی دلچسپی نہیں لی جتنی کہ یہودیوں نے لی ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں نے بڑی حد تک اپنے دین اور زبان سے بے انصافی برتی ہے۔ یہودی اپنے مذہب اور اپنی زبان کو اپنی مملکت کے دو اہم ستون قرار دیتے ہیں۔ ان کے تمام تعلیمی اور تربیتی

Marfat.com

اداروں میں یہودی ثقافت پر مذہب کی گہری چھاپ نظر آتی ہے اور اس پر وہ بیشتر اسلامی ممالک کی مانند معذرت خواہ بھی نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے برعکس امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کے علیحدہ تعلیمی ادارے ہیں جن کے قیام کی ان کو کھلی اجازت ہے جب کہ مسلمانوں کو اپنی کمزوری اور نا اتفاقی کے باعث علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں۔ اس قسم کی کوشش کرنے پر ان کو بنیاد پرست قرار دے کر مطعون کیا جاتا ہے لیکن یہودیوں کو جو سب سے بڑی بنیاد پرست جماعت ہے، امریکہ اور یورپ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مسلمان اپنے جرمِ ضعیفی کے سبب اس حق کے حصول سے قاصر ہیں۔

اپنی مملکت کو جدید ترین خطوط پر استوار کرنے کے لیے اسرائیل نے تعلیم سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اپنے تعلیمی وسائل اور طریقوں میں تجدید سے کام لیا ہے اور ٹیکنالوجی سے بھی بھرپور فائدہ حاصل کیا ہے جب کہ مُسلم اُمہ تعداد میں یہودیوں سے سوگنا ہونے کے باوجود تعلیم کے میدانوں میں ان سے بہت پیچھے ہیں۔

اپنے آخری ہدف کے حصول کے لیے اسرائیل نے اپنے تعلیمی پروگراموں میں مختلف طریقوں سے عسکری تربیت کا اہتمام کیا ہے۔ یہودی جوانوں کو سخت کوشی کا عادی بنانے کے لیے ایک ٹریننگ پروگرام کے تحت ان کو صحرا کے درمیان کسی نامعلوم مقام پر ہوائی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اتار دیا جاتا ہے۔ ان کو خود اپنی ہمت محنت اور جسارت سے راستہ تلاش کر کے صحرا سے باہر نکلنا ہوتا ہے جب کہ ان کی پڑوسی عرب اقوام دولت کی کثرت کے باعث آرام پسند اور عیش پسند ہوگئی ہیں۔ عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی ہار کی بنیادی وجہ یہی ہے حالاں کہ عددی اعتبار سے یہودی اسرائیلیوں کی تعداد عربوں کے مقابلے میں پچاسویں حصہ سے بھی کم ہے۔

صیہونی تحریک میں مذہب اور قومیت کا بڑا مضبوط تعلق ہے۔ اگر صیہونیت اپنی تحریک کی بنیاد صرف قومیت پر رکھتی تو کبھی اس قدر آسانی سے اور اس قدر جلد کامیاب نہ ہوتی۔

صیہونیت کے تجربے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب تک مُسلم اُمہ اپنی موجودہ روش پر قائم رہے گی وہ دنیا میں کوئی مقام حاصل نہ کر سکے گی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بلاخوف و خطر اپنے دین کو زندگی کے دوسرے شعبوں سے مربوط کریں۔ کامیابی کا یہی واحد راستہ ہے۔ اس کے برعکس مُسلم حکومتوں میں سرکاری مذہب دینِ اسلام ہونے کے باوجود نظام حکومت سراسر سیکولر ہے اور ہماری زندگیوں پر اسلام کا اثر صرف برائے نام ہے۔ اگر ہم تعلیم کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں اور قومی و ملکی ترقی اور اُمہ کی سربلندی کے خواہش مند ہیں تو اس کا واحد رستہ تعلیم اور اس کی پالیسیوں کو دین کی مضبوط بنیاد پر قائم کرنا

Marfat.com

ہے۔یعنی اسلامیات کو بطور مضمون نصاب میں شامل کرنا ہمارے لیے کافی نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جس طرح نظامِ تعلیم نظریۂ حیات کے تابع تھا اور صدیوں تک مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد زندگی برائے بندگی قرار دیا جاتا رہا۔

آج بھی ہم اپنے نظامِ تعلیم کو مکمل طور پر اپنے نظریۂ حیات کے تابع کرلیں۔اس کے علاوہ زندگی کے تمام شعبوں میں جملہ قوانین خواہ ان کا تعلق تعلیم سے ہو یا صلح وجنگ سے، قانون سازی سے ہو یا قوانین پر عمل درآمد سے، عدالت سے ہو یا صحافت سے، افراد سے، ہو یا اجتماعیت سے، ہر صورت میں وہ دین سے مربوط رہے کیوں کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، ان شعبوں میں سب سے زیادہ اہم شعبہ تعلیم ہے۔صرف تعلیم ہی ترقی تہذیب، یکجہتی، استحکام اور اُمہ کے ارتقاء کی ضامن ہے۔مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کا اولین مقصد، بڑا مقصد ''زندگی برائے بندگی'' قرار دیا جاتا رہا ہے۔رضائے الٰہی کے حصول اور عقبٰی کی تیاری کے مقابلے میں حصولِ زر کو ثانوی حیثیت حاصل رہی۔لادینی نظامِ تعلیم میں یہ ترتیب الٹ جاتی ہے۔حصولِ زر کو اولیت حاصل ہوگئی اور زندگی اور تعلیم کا بڑا مقصد ملازمتوں، مناصب اور مراعات کا حصول قرار پایا۔

سیکولرازم:۔

عالمِ اسلام اور خصوصاً پاکستان کی سب سے بڑی مشکل سیکولرازم ہے۔سیکولرازم دین سے انکار پر نہیں بلکہ سیکولرازم اس بات کا نام ہے کہ دین کو دنیا سے جدا کردیا جائے۔سیکولرازم یا لادینیت اس بات کا نام ہے کہ دو متوازی نظامِ تعلیم بنائے جائیں۔اس وقت پاکستان بلکہ پورا عالمِ اسلام سیکولرازم اور لادینیت کی گرفت میں ہے۔ایک طرف دینی مدارس ہیں جہاں انتہائی محنت اور اخلاص کے ساتھ دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں لیکن جدید دنیاوی علوم نہیں پڑھائے جاتے۔دوسری طرف حکومت کی طرف سے اسکول، کالجز اور یونیورسٹیاں ہیں جہاں جدید سائنسی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔لیکن دینی علوم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

استعماری نظامِ تعلیم:۔

حقیقت یہ ہے کہ سیکولرازم کو عالمِ اسلام میں نافذ کردینا انگریزوں اور فرانسیسی استعمار کی ضرورت تھی۔انگریز استعمار کو اس بات کی ضرورت تھی کہ برِصغیر میں ایسے افراد کی کھیپ تیار کی جائے جو اپنی قوم سے بیگانہ اور انگریزی استعمار کے وفادار ہوں جن کا کوئی ضمیر اور کوئی اخلاقی اقدار نہ ہوں اور دوسری

Marfat.com

5۔ نظامِ تعلیم میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لا کر اسے طلباء کی اہلیت کے حقیقی جائزے کی شکل دینا، نیز تعلیمی صلاحیت کے ساتھ ان کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی ترقی کے جائزے اور رہنمائی کا انتظام کرنا۔

نظامِ امتحانات:۔

امتحانات کا موجودہ نظام اور طریقۂ کار ناکارہ اور فرسودہ ہے۔ طلباء میں طلبِ علم کی لگن اور محنت کی عادت پروان چڑھانے، امتحانات میں نقل کی بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ طالب علم چوبیس گھنٹے امتحان کی حالت میں رہے۔

1۔ کلاس میں حاضری کے نمبر مخصوص ہوں۔

2۔ کلاس روم کے اندر اس کی دلچسپی اور بحث کے لیے مباحثے کے لیے نمبر مخصوص ہوں۔

3۔ سیرت و عادات اور علم کے مطابق عمل کے لیے نمبر مخصوص ہوں۔

4۔ دیگر طلباء و اساتذہ کے ساتھ اس کے سلوک کے لیے نمبر مخصوص ہوں۔

5۔ کھیلوں، ہم نصابی سرگرمیوں، عبادات اور نماز کی پابندی کے لیے نمبر مخصوص ہوں۔

6۔ ہر ماہ ہر مضمون کے امتحانات کے لیے نمبر مخصوص ہوں۔

اور یوں چھوٹے چھوٹے سمسٹرز میں اس کے نمبر لگتے جائیں اور سال کے آخر میں مکمل نتیجہ مرتب ہو جائے۔

وارفتگی شرط ہے:۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے اور اسلامی نظامِ تعلیم کے نفاذ کی ابتداء اور فروغ کے لیے سیکولر انتظامیہ کے بجائے جذبۂ ایمانی سے سرشار، عملی جوش وخروش سے بھرپور ہوش مند اور باعمل اور مخلص کارکنان درکار ہیں جن کی زندگی کا اصل مقصد اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنا ہو اور جن کے دل محمد عربی ﷺ کی محبت میں دھڑکتے ہوں۔

ہم نصابی سرگرمیاں:۔

ہم نصابی سرگرمیاں ایسی ہوں جو طلباء کی کردار سازی، اخلاقی تربیت اور تعمیرِ سیرت میں معاون ومددگار ہوں، تعلیمی اداروں کی سرگرمیاں خالصتاً اسلامی ہوں تاکہ بچوں میں صالح اور تعمیری عادات پختگی حاصل کریں۔

Marfat.com

پیشہ ورانہ تعلیم :۔

طلباء وطالبات کے لیے یکساں تعلیم ہو۔ہائی اسکول یا میٹرک تک تعلیم لازمی ہو۔اس کے بعد اپنے رجحانِ طبع اور صلاحیتوں کے مطابق پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت دی جائے۔ ہنر مندی اور مہارت پیدا کی جائے۔لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے مخصوص دائرۂ کار کے مطابق پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت دی جائے۔اعلیٰ علمی ذوق اور ذہانت و فطانت کے اعلیٰ معیار کے حامل طلباء و طالبات کے لیے اعلیٰ علمی تحقیق و جستجو کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

1۔ بنیادی تعلیم کے حصول کا حق سب کو یکساں طور پر حاصل ہو۔

2۔ پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت اپنے اپنے مخصوص دائرۂ کار میں ہو۔

3۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ذہنی و دماغی صلاحیتوں کے مطابق دیئے جائیں۔اعلیٰ تعلیم ہر ایک کا حق نہیں ہے۔اس کے حصول کے لیے غیر معمولی ذہانت و فطانت شرط ہوگی۔

مرّبی اساتذہ:۔

بطور اساتذہ ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو دین و اخلاقِ حسنہ کا سراپا ہوں نیز علم دوست ہوں۔ فروغِ علم کے جذبے سے سرشار ہوں۔ان کا کردار و عمل مثالی ہو تا کہ طلباء کے کردار کی تشکیل پر اثر انداز ہوسکیں اور طلباء از خود ان کے رنگ میں رنگے جائیں۔

سائنسی علوم کو اسلامی رنگ میں پیش کرنا:۔

دینِ اسلام سائنس سے متصادم نہیں ہے بلکہ اسلام نے سائنس کی بنیاد رکھی ہے۔ واشنگٹن کی لائبریری کی عمارت پر سب سے نمایاں طور پر یہ جملہ لکھا ہوا ہے:

Islam gave science to humanity
Britain gave literature to humanity

سائنس تو اسلام اور مسلمانوں کی پیداوار ہے اور سائنس سے ہی دینی حقائق کو اور اسلام کو سب سے زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'' از نور باقی بلوک (ترکی) اور اس قسم کی دیگر کتب اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں، مگر افسوس کہ استعماری نظامِ تعلیم میں سائنس کو اسلام کا مدِّ مقابل بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔اس مسئلے کا حل تین باتوں میں ہے۔

1۔ سائنس پڑھانے والے اساتذہ سچے مسلمان ہوں۔

2۔ سائنس کی درسی کتب نئے سرے سے اسلامی رنگ میں لکھی جائیں۔

3۔ سارے علوم اسلامی تناظر میں پڑھائے جائیں تا کہ ہر چیز کے بارے میں طالب علم کے ذہن میں اسلامی نقطۂ نظر راسخ ہوتا چلا جائے۔

معاشرتی علوم کو اسلامی رنگ میں پیش کیا جائے:۔

معاشرتی علوم جو کہ انسان کی ذہن سازی پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور جن سے (Faculty of thinking) زاویۂ فکر و نظر متشکل ہوتا ہے، المیہ یہ ہے کہ معاشیات ہو یا سیاسیات، نفسیات ہو کہ عمرانیات، تاریخ ہو کہ جغرافیہ، علم سماجی بہبود، علم کتب خانہ جات، تعلیم، ابلاغِ عامہ، صحافت، بین الاقوامی تعلقات، اخلاقیات، منطق و فلسفہ ان علوم کو بھی اول تو ہم مغربی تناظر میں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ان علوم کو بھی اسلام کی دین سمجھنے کی بجائے خالصتاً مغربی علوم کے طور پر لیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان معاشرتی علوم کا اسلامی زاویۂ نظر سے نہ صرف مطالعہ کیا جائے بلکہ ان علوم کا ارتقاء اور جدید اصطلاحی زبان میں ان علوم کے نظریات کا فروغ جو مغرب میں ہوا ہے، اسلام کے معاشی نظام، سیاسی نظام، عمرانی نظام، فلسفہ کو علمی تحقیق (Research) کے ذریعے بالکل اسی طرح جدید سائنٹیفک انداز سے پیش کیا جائے اور عملاً ان علوم کے ذریعے مسلمان بچوں کے ذہن کی تشکیل و تعمیر کی جائے اور ان کے ذریعے ملّی و قومی پالیسی سازی کی جائے۔

زبانوں کی تعلیم:۔

زبانوں کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ اردو، عربی اور انگریزی لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی پوری مہارت حاصل ہو جائے۔

قرآن و حدیث:۔

مکمل قرآن مجید اور منتخب احادیث کو آسان ترجمہ اور فہم کے ساتھ بطور لازمی مضمون پڑھایا جائے۔

سیرتِ طیّبہ اور اسلامی تاریخ:۔

سیرتِ طیّبہ اور تاریخِ اسلامی بھی مکمل طور پر پڑھائی جائے مگر اس انداز سے کہ صرف سیرتِ نبوی ﷺ کے واقعات بیان نہ ہوں بلکہ ان سے اہم سبق حاصل ہو اور دورِ جدید کے عملی مسائل کا حل اس سے تلاش کیا جائے۔ یعنی سیرتِ طیّبہ کا محض توصیفی مطالعہ کرنے کی بجائے اطلاقی مطالعہ کیا جائے۔

Marfat.com

تاریخِ اسلام:۔

تاریخِ اسلامی اختصار کے ساتھ مگر مکمل پڑھائی جائے، مقامات عبرت پر پوری محنت کی جائے تاکہ ہماری نسل کا اپنے ماضی سے رشتہ جڑ جائے۔ انہیں اپنا قومی تشخص حاصل ہو اور موجودہ بے حسی کی کیفیت ختم ہو۔

اختتامیہ:۔

موضوع کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں نے ہمیشہ سے اپنے طریقِ تعلیم اور نظامِ تعلیم میں تبدیلیاں کیں۔ اپنے مقالے کی ایک ذیلی سرخی ''طریقِ تعلیم اور نظامِ تعلیم'' کے تحت تحریر کر چکی ہوں، اس میں مَیں نے یہ واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم اور طریقِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ مثلاً:

1۔ سب سے پہلے تعلیم گفتگو کے ذریعے اور اس تعلیم کے مطابق عمل کر کے۔

2۔ درس و تقریر کے ذریعے۔

3۔ پھر املاء کا طریقہ۔

4۔ تدریس کے ذریعے جس کے نتیجے میں ''تعلیقات'' کا رواج ہوا۔

5۔ مناظرہ شروع ہوا۔

6۔ پھر مدارس قائم ہوئے۔

7۔ سائنس کے طلباء تجربے بھی کرتے تھے جبھی تو نئی ایجادات ممکن ہوئیں۔

لہٰذا آج پاکستان کے نظامِ تعلیم میں، نصابِ تعلیم میں بھی جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کرنے کی پُرزور سفارش کی جاتی ہے۔

1۔ دینی مدارس کے طلباء کو جدید علوم کی آگاہی دی جائے اور ان کے نصاب میں جدید علوم کو شامل کیا جائے۔

2۔ تفرقہ بازی کی بیخ کنی کے لیے ان کے نصاب پر نظرِ ثانی کی جائے۔

3۔ عام اسکولوں، کالجوں میں اسلامیات کو صرف بطور مضمون شامل کرنے کی بجائے تمام مضامین اسلام کے نقطۂ نظر سے پڑھانے چاہئیں۔

4۔ دوہرے تہرے نظامِ تعلیم کی بجائے اس میں یک رنگی اور یک جہتی پیدا کی جائے۔

5۔ تین بنیادی عقائد، عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کو انتہائی راسخ کیا جائے اور ان کے عقائد کے تحت تمام جدید مضامین، جدید تکنیکوں کو پڑھایا جائے۔ سکھایا جائے۔

Marfat.com

طریقِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کو بے شک بدلتے وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کیجیے لیکن اس کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے پر استوار ہو۔ کیوں کہ:

الف۔ اللہ کی توحید پر ایمان ہوگا تو یہ ایمان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مالک ہے اور اس لیے اس اللہ کے احکامات کی اطاعت مکمل طور پر لازم ہے اور عقیدۂ توحید زندگی برائے بندگی کی جانب لے جاتا ہے۔

ب۔ عقیدۂ رسالت ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیاد ہوگا تو وہ ہمیں اتباعِ رسول ﷺ کی جانب لے جائے گا کیوں کہ اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ اس لیے تعلیم کی ہر منزل پر حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پڑھائی جائے تاکہ طلباء کے لیے اپنے کردار کی سمت متعین کرنے میں آسانی ہو، سیرتِ طیبہ کا یہ مطالعہ اور اس سے صحیح رہنمائی جبھی حاصل ہوسکتی ہے جب عقیدۂ رسالت بنیاد عقیدہ ہو۔

ج۔ تعمیرِ کردار اور شخصیت سازی کو تعلیم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے جب افراد میں آخرت میں جواب دہی کا خوف پایا جائے اور خوفِ خدا اور یومِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا یہ خوف اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ آپ آخرت کو برحق جانیں اور ایمان رکھیں عقیدۂ آخرت پر۔

دراصل تعلیم کا تغیر پذیر پہلو جہاں بہت اہم ہے۔ وہاں اس کی غیر تغیر پذیر بنیاد اس سے بڑھ کر اہم ہے اور مندرجہ بالا تینوں عقائد پاکستان کے نظامِ تعلیم کے لیے غیر تغیر پذیر بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا اس کے ساتھ جب تعلیم اور ٹیکنالوجی ترقی کرے گی تو اس کے نتیجے میں جو ایجادات و ثمرات بھی ہوں گے وہ منفی طور پر استعمال نہیں ہوں گے۔ وہ بنی نوعِ انسان کی فلاح وصلاح کے کام آئیں گے۔ کیوں کہ یہ رحمت اللعالمین ﷺ کی تعلیماتِ مبارکہ کی روشنی میں تشکیل دیا گیا مثالی نظامِ تعلیم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پاکستانیوں کو، ہمارے حکام کو، ہمارے صاحبانِ علم و دانش کو، ہمارے اصحابِ اختیار کو بلکہ ہم سب کو یہ توفیق دے کر ہم پاکستان کے لیے مثالی نظامِ تعلیم کو تشکیل دیں، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں نیز عملاً اس نظامِ تعلیم کو نافذ کریں۔ اس کا اطلاق کریں تاکہ بحیثیت طالب علم، بحیثیت استاد، بحیثیت شہری اس کے ثمرات سے بہرور ہوں۔ اللہ ہمیں کامیاب کرے۔ آمین۔

☆......☆......☆

Marfat.com

حوالہ جات: حواشی:

1۔ جدید نصابِ تعلیم۔ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک
2۔ سیرۃ ابنِ ہشام صفحہ228
3۔ کتاب المجر دصفحہ460،مولفہ ابنِ حبیب
4۔ استیعاب صفحہ393۔ابنِ عبد البر
5۔ ابنِ سعد صفحہ14
6۔ کتانی۔بحوالہ ابنِ داؤد
7۔ مسند احمد بن حنبل،جلد3 صفحہ271
8۔ بخاری باب رحمتہ المہائم
9۔ کتانی،نظام الحکومت النبویہ،جلد1 صفحہ43
10۔ بخاری،سریہ بیر معونہ
11۔ انساب بلاذری،جلد1 صفحہ430
12۔ ابنِ عبد البر کی کتاب،العلم صفحہ97
13۔ ابن عبد البر کی کتاب،العلم صفحہ14
14۔ کتانی کی کتاب،الحکومت
15۔ کتانی،کتابِ مذکورہ جلد1 صفحہ221
16۔ کتانی،جلد1 صفحہ363,362
17۔ صحیح بخاری18:56
18۔ الوثائق السیاسہ۔ڈاکٹر حمید اللہ
19۔ طبقاتِ ابنِ سعد
20۔ کتانی،جلد1۔صفحہ202
21۔ کتانی،جلد1 صفحہ203
22۔ کتانی،جلد1 صفحہ43

کتابیات:

1۔ ''اسلام اور تربیتِ اولاد'' از احمد علوان
2۔ مجلہ سٹی کالج کراچی،حصہ اول و دوئم پندرہویں صدی ہجری نمبر
3۔ ''غالب نامہ'' شیخ محمد اکرام
4۔ ''مسلم سیپریشن ان انڈیا'' از عبد الاحد
5۔ ''مقالاتِ سرسیّد'' از محمد اسماعیل شیخ
6۔ رسالہ فکر و نظر 1969ء،ادارہ تحقیقاتِ اسلام
7۔ رپورٹ محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس، سال1898ء
8۔ ''جدید نصابِ تعلیم'' از ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ
9۔ سیرۃ ابنِ ہشام
10 ۔کتاب المجر د مولفہ ابنِ حبیب
11۔ استیعاب،ابنِ عبد البر
12۔ ''نظام الحکومت النبویہ'' مولفہ کتانی
13۔ طبقات ابنِ سعد
14۔ مسند احمد بن حنبل
15۔ صحیح بخاری
16۔ انساب بلاذری
17۔ ''کتاب العلم'' از ابنِ عبد البر
18۔ ''الوثائق السیاسیہ'' از ڈاکٹر حمید اللہ
19۔ تاریخِ طبری
20۔ ''مبادیاتِ تعلیم'' از ریحانہ مغنی

Marfat.com

حوالہ جات: حواشی:

23۔ ابنِ ہشام۔ صفحہ 961
24۔ تاریخ طبری۔ صفحہ 1:84
25۔ سید مناظر احسن گیلانی "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت"، حصہ اول۔ صفحہ 14
26۔ ندوی عبدالسلام، "تعلیم کی ترقی"
27۔ محمد اکرام شیخ، "رودِ کوثر" صفحہ 856، لاہور، 1958ء
28۔ غالب نامہ از شیخ محمد اکرام۔ بمبئی سالِ اشاعت ندارد۔
29۔ عبدالاحد "مسلم سیپریشن ان انڈیا"
30۔ محمد اسماعیل شیخ، "مقالاتِ سرسید"، حصہ ہشتم صفحہ 78
31۔ رسالہ فکر و نظر۔ مارچ 1969ء، ادارہ تحقیقات اسلامی
32۔ رپورٹ محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس۔ سال 1898ء مطبوعہ آگرہ

کتابیات:

21۔ "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" از سید مناظر احسن گیلانی
22۔ "تعلیم کی ترقی" از ندوی عبدالسلام
23۔ "رودِ کوثر" از شیخ محمد اکرام۔

Marfat.com

مسلمان خواتین کے حقوق و فرائض

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

عام طور پر کمزور کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے بڑی سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے اس کے بغیر اسے اس کے جائز حقوق نہیں ملتے بلکہ وہ تسلیم بھی نہیں کیے جاتے۔ موجودہ دور، جو نام نہاد ترقی یافتہ دور ہے اور جس میں Human Rights (انسانی حقوق) کا بڑا چرچا ہے۔ موجودہ دور نے بڑی تگ و دو اور بحث اور تمحیص کے بعد عورت کے بعض بنیادی حقوق تسلیم کیے۔

پوری عالمی برادری سرگرم عمل ہے۔ اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ برائے خواتین کی جانب سے 25 نومبر کو خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ ہر سال 8 مارچ کو عالمی یوم خواتین منانے کی روایت بھی عام ہو چلی ہے۔ اس سارے منظرنامے میں اگر کمی ہے تو مسلم معاشرہ خواتین کو جو حقوق دیتا ہے ان کی احسن طریقے سے تشہیر و ترویج کی کمی ہے۔

اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں دنیا کے سامنے ان کی معروضیت اور حقیقت واضح اور اجاگر کیوں نہیں ہے۔ جب ہم اس کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات بصد افسوس کہنی پڑتی ہے کہ اسلام کے پیروکاروں نے ان عظیم تعلیمات اور تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوہ حسنہ سے انحراف کر کے دوسروں کو انگلی اٹھانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ آج جس مسلمان عورت کی زندگی دوسری عورتوں کے لیے مثالی تصور کی جانی چاہیے تھی جس پر رشک کیا جانا چاہیے تھا اس کے برعکس رویوں کو روبہ عمل دیکھ کر عالمی

Marfat.com

فورمز میں اسلامی قوانین کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے حالاں کہ اگر مریض دوا کا استعمال درست طریقے سے نہ کرے تو اس میں قصور دوا کا نہیں مریض کا اپنا ہوتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کا علم بلند کرنے والے اسے جدید دور اور ترقی پسندی کا ثمرہ خیال کر رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ احسان اسلام کا ہے۔ یہ سارے حقوق اسلام نے 14 سو برس قبل اس لیے نہیں دیے تھے کہ عورت ان کا مطالبہ کر رہی تھی یا اس کا احتجاج جاری تھا بلکہ اس لیے دیے کہ یہ عورت کے فطری حقوق تھے اور اسے ملنا ہی چاہئیں تھے۔

آج اگر اقوام متحدہ کسی سال کو خواتین کا عالمی سال قرار دیتی ہے تو ہم مسلمان بھی اس امر کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہم اس حقیقت کو نظر انداز کیے بیٹھے ہیں کہ اسلام نے خواتین کے حقوق کی ادائیگی کو اتنا مقدم قرار دیا ہے کہ:

1۔ بیٹی کی حیثیت سے حسن سلوک کا بدلہ جنت میں حضور ﷺ سے قربت۔

2۔ بہن کی حیثیت سے مشفقانہ سلوک کا بدلہ جنت میں برکاتِ لامحدود۔

3۔ بیوی کی حیثیت سے حسن سلوک کا بدلہ دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی۔

4۔ ماں کی حیثیت سے خدمت، احترام اور حسن سلوک کا بدلہ جنت اور رضائے الٰہی کا حصول۔ کیوں کہ ماں تو وہ ہستی ہے جنت جس کے پیروں تلے ہے۔

غرض یہ کہ عورت کے یہ چار اہم روپ ہیں اور ان میں سے ہر روپ میں عورت کے حقوق کی ادائیگی دنیا و آخرت کی بھلائی کی ضمانت ہے یعنی اسلام فقط کسی ایک سال کو خواتین کا عالمی سال قرار نہیں دیتا بلکہ دونوں جہان کی زندگی کی بھلائی خواتین کے حقوق کی پاسداری اور ادائیگی سے وابستہ کر دی گئی ہے۔ کیونکہ دراصل یہی اللہ کا حکم ہے آنحضرت ﷺ کا قول اور عمل ہے کہ:

"اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔"

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں خواتین کو جو حقوق حاصل ہیں، اسلام خاموش نہیں ہو جاتا بلکہ ترغیب و ترہیب کے ذریعے ان کے ادا کرنے کا زبردست جذبہ بھی بیدار کرتا ہے۔

1۔ زندہ رہنے کا حق	The Right to Live
2۔ پرورش کا حق	The Right to be Nurtured
3۔ تعلیم کا حق	The Right to be Educated
4۔ انوثت کا حق	The Right of Effemination
5۔ پردے کا حق	The Right of Hijab

Marfat.com

6۔ نکاح کا حق	The Matrimony Right
7۔ مہر کا حق	The Right of Mehr
8۔ نان نفقہ کا حق	Right of Maintenance
9۔ میراث کا حق	Right of Property
10۔ عورت کا حقِ دیت کا نصف ہونا عورت کے حق میں بہتر ہے	Right of Diat
11۔ قانونِ شہادت میں عورت کا حق آدھا ہے	Right of Witness
12۔ حقِ خلع	Right of Khula
13۔ انصاف و مساوات کا حق	Right of Justice & Equality
14۔ بیوی کا حقِ حسن معاشرت	Right of Handling with Care
15۔ کسب معاش کا حق	Right of Working
16۔ تنقید و احتساب کا حق	Right of Criticism & Accountabilty
17۔ عورت بحیثیت ماں کے حقوق	Rights as a Mother

آیئے ان حقوق کا یکے بعد دیگرے تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیں۔

مسلمان خواتین کے حقوق و فرائض ایک ایسا موضوع ہے جس پر غور کرتے ہوئے اگر عورت کے مقام و حیثیت کا مختصر جائزہ لیا جائے اور اس کے حقوق و فرائض پر روشنی ڈالی جائے تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی تمدن کا سب سے مقدم اور سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ یہی موضوع ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ عورتوں کا مقام و حیثیت اور حقوق و فرائض ہمیشہ افراط و تفریط سے دوچار رہے ہیں۔ قبلِ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ مردوں کے طبقے نے عورتوں کے طبقے کو اپنی طرح کا انسان کبھی نہیں سمجھا اور بحیثیت انسان اپنے درجے کا ذی نفس کبھی خیال نہیں کیا بلکہ طبقہ نسواں کا ہمیشہ استحصال کیا اور ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک روا رکھا۔

1۔ کبھی خادمہ اور لونڈی کی حیثیت سے عورت کی خرید و فروخت کی جاتی رہی۔

2۔ ملکیت اور وراثت کے تمام حقوق سے عورت کو محروم رکھا جاتا۔

3۔ اس کو گناہ اور ذلت کا مجسمہ سمجھا جاتا۔

4۔ اس کی شخصیت کو ابھرنے اور نشو و نما پانے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔

اسلام کی برکاتِ لامحدود میں سے ایک اہم ترین نعمت:۔

قرآن حکیم نے طبقۂ نسواں کی پامالی اور ذلت و خواری سے نکالنے کے لیے جو احکامات دیئے اور

Marfat.com

محسنِ نسواں حضرت محمد ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ میں خواتین سے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ سراسر انقلابی تھا اور انقلابی ہے نیز، ہر قسم کے افراط وتفریط کی بجائے اعتدال وعدل کی مثال ہے بلکہ اس میں احسان کا پہلو نمایاں ہے۔

اسلام کا پیام جانفزا حضرات وخواتین دونوں، بالخصوص خواتین کو اندھیروں سے اجالوں کی جانب لے آیا۔ خواتین کو قعرِ مذلت سے نکال کر عزت واحترام، محبت ورافت اور تحفظ کے بلند ترین درجوں پر پہنچادیا۔ خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اسکا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیئے''۔ (النساء:1)

یہ پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ جس جامعیت، گہرائی، حقیقت پسندی اور متاثر کن انداز سے قرآن نے تمام انسانوں کو اس آیت میں مخاطب کیا ہے کسی دوسری تہذیب یا ثقافت میں یہ انداز موجود نہیں ہے۔

اسی تصور کو پختہ تر کرتے ہوئے قرآنِ عظیم کہتا ہے:

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اسکا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ (اس سے محبت کرے)۔۔۔ (الاعراف 189)''

گویا بحیثیت انسان، بحیثیت ذی روح، مرد وزن ایک جیسے ہیں۔ ان میں کوئی فرق وامتیاز نہیں۔ ان کی اصل ایک ہے۔ وہ اللہ کے بندے اور اللہ کی بندیاں ہیں۔ کوئی کسی سے برتر وافضل نہیں ہے۔ قرآن مجید ہمیں نہایت واضح لفاظ میں بتاتا ہے کہ حقوق وفرائض کے لحاظ سے اللہ کی نظر میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

''ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے۔'' (المدثر 38)

نیز رب نے فرمایا:

''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔'' (آل عمران، 195)

''اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہیں ہونے پائے گی۔'' (النساء 124)

Marfat.com

''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت) میں ایسے لوگوں کو ان کے اَجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔'' (النحل 97)

قرآن نے عورت کو آدم کی سب سے پہلی غلطی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ خدا کی نافرمانی دونوں نے مل کر کی تھی جس پر دونوں کو سرزنش کی گئی اور بعدازاں دونوں کو ہی معاف کر دیا گیا۔ (البقرہ 36 اور الاعراف 20 تا 24)

بلکہ سورہ طٰہٰ کی آیت 121 میں نام لے کر آدم کو الزام دیا گیا ہے۔

مذہبی عبادات مثلاً نماز پنجگانہ، روزہ، صدقہ، زکوٰۃ اور حج کے لحاظ سے عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلاشبہ بعض معاملات میں عورت کو مرد کے مقابلے میں آسانیاں اور مراعات دی گئی ہیں۔ مثلاً:

1۔ عورت کو ایام حیض ونفاس میں نماز معاف ہے۔ روزہ کی قضا واجب ہے۔

(الف) اس کے علاوہ حالتِ حمل اور دورانِ رضاعت اگر اسے صحت کی خرابی کا اندیشہ ہو اور بعدازاں جب سہولت ہو تو روزوں کی گنتی پوری کرے۔

(ب) جب کہ حالتِ حیض ونفاس میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا اس پر واجب نہیں۔

2۔ عورت اگرچہ نماز کے لیے مسجد میں جا سکتی ہے اور نماز جمعہ کے لیے دورِ نبوی ﷺ میں خواتین مسجدوں میں جاتی بھی تھیں لیکن اسے عورت کی مرضی پر موقوف کیا گیا ہے جب کہ مرد کے لیے نماز باجماعت لازمی ہے۔

یہ دراصل عورت کی فطرت، نفسیات اور کمزوری کا لحاظ ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے والی ہو اور مسجد جانے کی استطاعت نہ رکھتی ہو۔ گویا اسلام نے خاص طور پر عورت میں جسمانی اور نفسیاتی تبدیلیوں کا لحاظ کیا ہے اور اس کا دائرۂ کار ''گھر'' کو قرار دیا ہے۔

بچپن اور بلوغت کے دور میں عورت بیٹی ہوتی یا بہن۔ لہٰذا:

بحیثیت بیٹی اور بہن، عورت کے حقوق:۔

1۔ زندہ رہنے کا حق:۔

عربوں میں بچی کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کی روایت تھی۔ قرآن نے ان کو اس کام سے منع کیا اور اسے کسی بھی دوسرے قتل کے مترادف قرار دیا۔

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟'' (التکویر۔9)

Marfat.com

کاروکاری کے حوالے سے سرزمین پاک میں نہ معلوم کتنی عورتیں اور لڑکیاں غیرت اور جھوٹی انا کے نام پر قتل کردی جاتی ہیں۔ کاروکاری دراصل انسانیت کا قتل ہے۔ دین اسلام میں کسی بھی انسان کو غیرت کے نام پر بغیر ثبوت اور گواہوں کے قتل کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

21ویں صدی میں جاگیردارانہ نظام کے تحت سندھ میں کاروکاری انتہائی شرمناک اور شیطانی رسم ہے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں کاروکاری کا تذکرہ پاکستان کی رسوائی کا باعث بن رہا ہے۔ اسلامی معاشرے میں اس کا وجود کلنک کا ٹیکہ بن رہا ہے۔ بیٹیوں سے والدین کے نفرت آمیز رویے اور سلوک پر گرفت کرتے ہوئے قرآنِ عظیم کہتا ہے:

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھاوے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو خدا کے بارے میں لگاتے ہیں۔'' (النحل 58، 59)

2۔ پرورش کا حق:

لڑکی کو زندہ درگور کرنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام ظالمانہ اور غیر مساوی سلوک برتنے سے بھی منع کرتا ہے۔ اس حوالے سے نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''بیٹی اللہ کی رحمت ہے۔''

علامہ اقبالؒ نے اس حدیث کو اس طرح نظم کیا:

خانداں میں ایک لڑکی کا وجود
باعثِ برکاتِ لامحدود ہے

رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا:

''جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے اسے زندہ نہ دفنایا، اس کی حق تلفی نہ کی اور بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دی، تو خدا اسے جنت میں داخل کرے گا۔'' (ابنِ حنبل 1957)

نیز آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دو بچیوں کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ جوان اور سمجھ دار ہو گئیں، وہ اور میں روزِ قیامت اس طرح ہوں گے۔'' (آپ ﷺ نے دو انگلیوں کو ساتھ ملاتے ہوئے فرمایا'')۔

مسند احمد بن حنبل میں ایک اور حدیث دو بہنوں کی پرورش کرنے والے کے بارے میں وارد ہوئی۔ (حدیث نمبر 2104)

Marfat.com

3۔ تعلیم وتربیت:

صلوٰۃ وسلام ہو حضرت محمد ﷺ پر کہ حصولِ علم کی فرضیت کے لحاظ سے مرد وعورت میں آپ نے کوئی فرق نہیں رکھا۔ بیہقی کی مشہور روایت ہے کہ:

"علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔"

عورتوں کو دینی اور دنیوی علم حاصل کرنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دی گئی بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کو اس قدر ضروری قرار دیا گیا جس قدر مردوں کی تعلیم وتربیت ضروری ہے۔

محسنِ نسواں ﷺ سے دین واخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی کرتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے اوقات معیّن فرما دیے تھے جن میں وہ آپ ﷺ سے علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔

اشراف تو درکنار نبی ﷺ نے لونڈیوں تک کو علم اور ادب سکھانے کا حکم دیا تھا۔ جہاں تک طلبِ علم کا تعلق ہے اس حق میں مرد عورت دونوں یکساں حقدار ہیں لیکن جہاں تک نوعیت تعلیم کا تعلق ہے، علامہ اقبال کی طبع موزوں کے مطابق:

جس علم کی تعلیم سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ ہنر موت

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم وتربیت وہ ہے جو اس کی نسوانی خصوصیات اور صلاحیتوں کو اجاگر کرے۔ ایسی تعلیم جو عورت کو بہترین بیوی، بہترین ماں، مکمل گرہست اور بہترین گھر والی بنائے۔ عورت کا دائرۂ کار اور دائرۂ عمل گھر ہے۔ اس کی تعلیم کا مقصد بنیادی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ اپنے دائرۂ عمل میں بہتر کارکردگی کا اظہار کر سکے۔ خصوصاً تربیتِ نسلِ انسانی میں عورت کی استعدادِ کار بڑھانے والے علوم ہونے چاہئیں۔ غیر معمولی ذہنی استعداد رکھنے والی لڑکیوں کے لیے دیگر علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے در بھی وا ہونے چاہئیں تا کہ جن خواتین کو قدرت نے غیر معمولی اذہان دے کر پیدا کیا ہے ان کی ذہانت وفطانت گھر کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور قومی سطح پر بھی کام آ سکے۔

4۔ انوثت:۔

نسوانیت وانوثت عورت کا خاصہ ہے اور عورت کا حق بھی۔ جذبات کی فراوانی اور حسیات کی نزاکت اور انتہا پسندی کی جانب میلان عورت کی فطرت ہے۔ اسی فطرت پر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اور یہی انوثت

Marfat.com

کا حسن ہے۔نسوانیت کی شان ہے اور اسلام عورت کو یہ حق اس طرح دیتا ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے:
ترجمہ:''عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ دوگے اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دوگے تو اس کی کجی کے باوجود فائدہ اٹھاؤگے۔''

5۔پردے کا حق:۔

پردہ عورت کا حق ہے۔پردے کے ذریعے عورت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔گھر میں قرار کے ساتھ وقار کے ساتھ بیٹھنا عورت کا حق ہے۔

6۔نکاح کا حق:۔

جس طرح نکاح میں انتخاب کی آزادی مردوں کو حاصل ہے اسی طرح عورتوں کو بھی یہ حق حاصل ہے۔عورت رفیق حیات کے انتخاب میں آزاد ہے اور اہل خاندان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لڑکی کی مرضی کے بغیر اس کو رشتۂ نکاح میں باندھ دیں۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:
''بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے اور اسی طرح کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے دریافت نہ کرلیا جائے۔''
صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ کنواری سے اجازت کیسے لی جائے؟ فرمایا:
''اس کی اجازت یہ ہے کہ خاموش رہے۔'' (یعنی طلب اذن کے بعد خاموش رہے۔)
مسند احمد میں ہے کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے:
ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ اس کا باپ اس کی رضامندی کے بغیر کسی شخص سے اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اسے شادی کا پیغام قبول یا ردّ کرنے کا اختیار دے دیا۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ لڑکی نے کہا ''مجھے یہ پیغام قبول ہے لیکن میں دوسری عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ والدین کو کسی عورت پر زبردستی شوہر مسلط کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔'' (ابنِ ماجہ، حدیث نمبر 1873)

7۔ مہر کا حق:۔

مہر اس رقم یا مال کو کہتے ہیں جو مرد اپنی منکوحہ کو بطور ہدیہ دیتا ہے اور مہر اس لیے ہوتا ہے کہ عورت کو اپنی اہمیت اور برتری کا احساس ہو۔مہر کی رقم معین نہیں ہے بلکہ مہر مرد کی استطاعت کے مطابق رکھا جاتا ہے۔عورت مہر کی رقم کی بلاشرکتِ غیرے مالک ہوتی ہے۔

Marfat.com

8۔ نان نفقہ کا حق:۔

عورت کا نان نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے۔شادی سے پہلے اور شوہر نہ ہونے کی صورت میں یا طلاق یا بیوگی کی صورت میں باپ بھائی یا بیٹے ،عورت کے دیگر ولیوں، پر اس کی کفالت واجب ہوتی ہے لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ خود عورت پر کسی کی کفالت کا بوجھ نہیں ہے۔

9۔ میراث کا حق:۔

اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقبل قانونی تشخص عطا کیا یعنی Legal Status دیا ہے۔ وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے۔اس کو حقوق ملکیت بھی حاصل ہیں اور اس پر تصرف کا اختیار بھی۔ اسلام نے عورت کا وراثت میں حق رکھا ہے اور اس کو حصہ دیا ہے لیکن برابر نہیں۔ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کا حصہ آدھا ہے۔

سورہ النساء میں ارشاد ہے:

ترجمہ ''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ مردوں کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔''

اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کا حصہ آدھا ہے۔عورت کو جو حق وراثت دیا گیا ہے وہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے اور اسکا منطقی سبب بھی با آسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلام معاشی کفالتوں کا تمام بوجھ مرد کے کندھوں پر ڈالتا ہے لہٰذا وراثت میں اسکا عورت کے مقابلے میں دوہرا حصہ رکھا گیا ہے۔اسلام نے عورت کو آزادانہ ملکیت کا حق دیا ہے۔اسلامی قانون کے مطابق عورت کی دولت اور اصل جائیداد پر اس کا قطعی حق تسلیم کیا گیا ہے۔اس حق میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔عورت چاہے تو اپنی جائیداد فروخت کرے یا کسی کو ٹھیکے پر دے۔

10۔ عورت کا حقِ دیت کا نصف ہونا عورت کے حق میں بہتر ہے:۔

عورت کا حقِ دیت بھی مرد کے حق دیت و قصاص سے آدھا ہے۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ اسلام کی نظر میں نعوذ باللہ عورت کی جان کی اہمیت اور قدر و قیمت مرد کی جان کی اہمیت کے مقابلے میں آدھی ہے لیکن جب ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا جائے تو یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ مرد کی دیت، جو عورت کی دیت سے دُگنی ہوتی ہے، عورت وصول کرتی ہے جب کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے وہ مرد وصول کرتا ہے۔گویا یہاں بھی عورت کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔

11۔ قانونِ شہادت میں عورت کا تشخص آدھا ہے:۔

قرآن کا قانونِ شہادت یہ ہے کہ شہادت کا نصاب دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں، یعنی دو عورتوں

Marfat.com

کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے مساوی شمار کی جائے گی۔

سورہ بقرہ آیت نمبر 282:

ترجمہ: ''اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں، جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے۔''

مرد بھی بھول سکتا ہے لیکن بھول کا زیادہ امکان عورت کے بارے میں ہے۔ مرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اس کی فطرت کی ساخت بھی اس کی بنائی ہوئی ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ملک میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ ''کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ حالانکہ باریک بین اور باخبر ہے۔''

قانونِ شہادت میں عورت کے تشخص کے آدھے ہونے کی حکمت پر غور کیجیے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کریم نے عورت کو بطور گواہ عدالتوں میں چکر لگانے سے اور کھنچے کھنچے پھرنے سے بچا کر خصوصی کرم فرمایا ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حق وراثت، حق شہادت اور حق دیت میں اگر عورت کا تشخص آدھا رکھا گیا ہے تو کیا حق زیست میں بھی عورت کا تشخص مرد کے مقابلے میں آدھا ثابت ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

12۔ حقِ خلع:۔

تمدنی لحاظ سے اسلام نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے یہاں تک کہ ناپسند شوہر سے رہائی حاصل کرنے کے لیے خلع کا حق عورت کو دیا گیا۔ اگر عورت کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے آزادی حاصل کر لے تو شریعت کی اصطلاح میں اسے خلع کہتے ہیں۔ اسلام نے جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ فی الواقع شوہر سے مایوس ہو چکی ہو اور نباہ کا اب کوئی امکان نہ ہو تو وہ کچھ معاوضہ دے کر تنسیخ نکاح کروا سکتی ہے اور یہی خلع ہے۔

13۔ انصاف و مساوات کا حق:

ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں شوہر کی طرف سے مساوی حقوق حاصل کرنا عورت کا حق ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''پس اگر یہ اندیشہ ہو کہ (ایک سے زائد بیویوں کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو۔''

شادی شدہ زندگی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات نہایت واضح اور انسانی فطرت سے قریب تر ہیں۔

Marfat.com

14۔ بیوی کا حق حُسنِ معاشرت:

ازدواجی زندگی میں مرد وعورت کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور ذمہ داریاں بھی ہیں۔ مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:

ترجمہ: ''عورتوں کے ساتھ معاشرت میں نیکی اور انصاف ملحوظ رکھو۔ آپس کے تعلقات میں فیاضی کو نہ بھول جاؤ۔''

خطبہ حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''عورتوں سے نیک سلوک کرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت لیا ہے۔''

قرآن کہتا ہے کہ: (سورہ بقرہ آیت نمبر 228)

''۔۔۔عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر (ترجیح کا) ایک درجہ حاصل ہے اور (سب پر) اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔''

حقوق وفرائض کا ایک توازن بھی اس آیت میں بیان ہوگیا ہے اور مرد کی فضیلت، ترجیح اور درجہ بندی بھی ظاہر ہوگئی۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کردی گئی کہ حقوق وفرائض کے ضوابط کی صحیح ادائیگی کی نگرانی کے لیے زبردست قدرت والا اور کامل حکمت کے ساتھ درجہ بندی کرنے والا اللہ ہے۔ گویا یہاں پیشگی ایک رہنما اصول بیان کردیا گیا۔ اس کے بعد عائلی زندگی کے لیے بنیادی اصول دیا گیا۔ سورہ النساء کی آیت نمبر 34 کے معنی پر غور وفکر اور تدبر کیجیے:

ترجمہ: ''مرد محافظ ونگراں ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت وآرام کے لیے) تو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ مردوں کی غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور پھر الگ کردو انہیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انہیں اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت وکبریائی میں) سب سے بالا، سب سے بڑا ہے۔''

اس آیت شریف میں خاص طور پر تشریح طلب الفاظ درج ذیل ہیں۔

Marfat.com

1۔ قوّام: قوّام اور قیمّہ کسی امر کا ذمہ دار، سرپرست اور منتظم کے معنی میں آتے ہیں یعنی مرد عورتوں کی ذمہ داری اٹھانے والے، نگہبانی اور حفاظت کرنے والے اور ان کی اصلاح درستگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

گھر معاشرے کی بنیادا کائی ہے۔ گھر کی ریاست کا بھی ایک حاکم اعلیٰ ہونا ضروری ہے جو گھر کی تمام ضروریات کا کفیل ہو، اس کی خوشحالی کا ذمہ دار ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے ورنہ گھر، معاشرے کی بنیادی اکائی اور اہم ترین ادارے کا سکون واطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری کس کو سونپی جائے اور اس بارگراں کو اٹھانے کی بہترین صلاحیت کس میں ہے۔

خالقِ کائنات نے مرد یعنی شوہر کو اس ذمہ داری کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتادی ہے کہ ان میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک وہبی اور دوسری کسبی۔ انہی کے باعث وہ گھر کی مملکت کا رئیس مقرر کیا گیا ہے۔

1۔ وہبی خوبی:

بما فضل الله بعضهم على بعض یعنی خصوصاً جسمانی قوت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دوراندیشی۔

2۔ کسبی خوبی:

بما انفقوا من اموالهم یعنی بیوی بچوں کے جملہ اخراجات، ان کے آرام وآسائش اور ان کی حفاظت وصیانت کی تمام ذمہ داری اس پر عائد ہے۔ یہاں فضیلت بمعنی شرف یا کرامت اور عزت نہیں۔

1۔ الرجال قوامون على النساء سے کوئی کج فہم یہ نہ سمجھے کہ عورت کے گلے میں مرد کی غلامی کا طوق ڈالا جا رہا ہے، نہیں بلکہ یہ انتظامی امور کی بجا آوری کے لیے فزوں تر ذمہ داری ہے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔

خالقِ کائنات سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ اس بنا پر خاندانی نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرتاً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت وخبر گیری کے تحت رہنا چاہیے۔ ان انتظامی امور کے علاوہ عورت کے اپنے حقوق ہیں جو مرد پر ایسے واجب ہیں جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمہ واجب ہیں۔ لهن مثل الذى عليهن سے یہ خوب واضح کر دیا گیا ہے کہ:

2۔ فالصٰلحت: پس نیک عورتیں یعنی صالحات۔

Marfat.com

3۔ قٰنتت: اطاعت گزار، مطیع اور فرمانبردار۔

4۔ حٰفظٰت للغیب: حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں غائبانہ بھی، یعنی شوہر کے سامنے نہ رہنے کی صورت میں شوہر کی عزت و آبرو، مال و دولت کی حفاظت کرتی ہیں اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت بھی کرتی ہیں۔

5۔ بما حفظ اللّٰہ: اس واسطے کہ اللہ نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے اسلام میں کوئی عورتوں پر ظلم نہیں کرسکتا۔

6۔ التی تخافون: اور وہ عورتیں جن کے متعلق تمہیں اندیشہ یا خوف ہے۔

7۔ نشوزھن: ان کی نافرمانی، ان کی سرکشی کا۔

اچھی، صالح اور نیک خواتین کے ساتھ ساتھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو تندمزاج اور کج سرشت ہوا کرتی ہیں۔ ان کی اصلاح و تعلیم کا طریقہ تعلیم کیا جارہا ہے۔ عورت کے از راہِ غرور و نفرت شوہر کی اطاعت سے سرتابی کو ''نشوز'' کہتے ہیں۔ خوف سے مراد وہم و گمان نہیں بلکہ علم و یقین ہے۔ (قرطبی) یعنی اگر تمہیں ان کی نافرمانی کا پورا علم ہو جائے تو پہلے ہی غصہ سے بے قابو ہو کر انتہائی قدم نہ کرو بلکہ نشوز کی حالت میں تین تدبیروں کی اجازت ہے اور ان پر عمل درآمد بالترتیب ہونا چاہیے۔ یہ مطلب نہیں کہ تینوں اقدام بیک وقت کر ڈالے جائیں نیز نشوز کے درجے کے مطابق تدابیر اور ردِ عمل کیا جائے۔ جہاں ہلکی تدبیر سے اصلاح ہو سکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔

پہلا اقدام فعظوھن: انہیں نرمی سے سمجھاؤ اور سمجھانا بجھانا یعنی فہمائش موثر ثابت نہ ہو تو پھر دوسرا اقدام واھجروھن: اور پھر الگ کردو انہیں خواب گاہوں سے تو وہ عورت، جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے، اس سرزنش سے اپنی اصلاح کرلے گی لیکن (پھر بھی باز نہ آئے تو) تیسرا اقدام ہے، واضربوھن: مارو انہیں لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آ جائے اور قرطبی کے مطابق:

الضرب فی ھذہ الایة ضرب الادب غیر المبرح

اور حضرت ابن عباسؓ سے تو یہ تصریح مروی ہے کہ مارنے کی نوبت آ جائے تو مسواک یا اس قسم کی کسی ہلکی پھلکی چیز سے مارے۔ اس آیت شریفہ سے اپنے مفادات کے مطابق غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے یہ سمجھنا کہ بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے بلکہ کھلی چھٹی مل گئی ہے، سراسر غلط ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت قطعاً نہیں دی ہے کہ بیوی پر ہاتھ اٹھایا جائے اور جانوروں سے بدتر سلوک کیا جائے۔

محسنِ نسواں نبیؐ کریم ﷺ نے بیویوں کے مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے، بادل نخواستہ دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند ہی فرمایا ہے اور میرے خیال میں اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ یہ رویہ کبھی عملی طور پر اختیار نہیں کیا۔ تاہم اگر عائلی زندگی میں بالفرض محال یہ رویہ کسی صاحبِ ایمان مرد کو اختیار کرنا ہی پڑے تو آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ:

1۔ منہ پر نہ مارا جائے۔

2۔ بے رحمی سے نہ مارا جائے

3۔ اور ایسی چیز سے نہ مارا جائے جو جسم پر نشان چھوڑ جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔'' اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ آئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ عورتیں آپ ﷺ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہوگئی ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ستر عورتیں تھیں اور حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کی وکالت کی مگر خود نبی کریم ﷺ کا ردِ عمل کیا تھا؟ آپ عورتوں کی اس شکایت سے بہت متاثر ہوئے۔ اعلان کروادیا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں۔ لوگ جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ فرمایا:

''آج ستر عورتیں محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس چکر لگاتی رہیں۔ یہ عورتیں اپنے شوہروں کی شکایتیں کر رہی تھیں۔ جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے وہ تم میں ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں۔'' (ابوداؤد)

یہ رسول اللہ ﷺ کا اعلان ہے اور کتنا اہم اعلان ہے۔ قیامت تک کے لیے ایسے لوگوں کو بُرا قرار دے دیا گیا۔

رسول ﷺ کا فرمان مستقل نظیر (Ruling) کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں اور جسے رسول ﷺ اچھا نہ کہیں وہ کبھی اچھا انسان نہیں ہوسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس قسم کی زدوکوب کی اجازت نہیں دی تھی۔ اگر اجازت دی ہوتی تو خود ہی ایسی برہمی کا اظہار نہ فرماتے۔ ظاہر ہے کہ جب نبیؐ کریم ﷺ کا فرمان یہ ہو:

Marfat.com

''عورتیں نازک آبگینے ہیں، انہیں ٹھیس نہ لگ جائے۔''

آپ نے اونٹوں کی محملوں پر سوار صحابیات کے اونٹوں کے حُدی خوانوں کو روکا تھا کہ وہ حُدی خوانی نہ کریں تاکہ اونٹ تیز نہ دوڑیں۔ ان پر سوار صنف نازک کو آبگینے کہا۔ گویا پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے خواتین کے لیے نرمی، رحمت و رافت کا اور Handle with care برتاؤ کا حکم دیا اور یہی دینِ اسلام کا کلچر ہے۔ لہٰذا، آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر خواتین کے ساتھ طرز عمل کے بارے میں اہم ترین پالیسی ان الفاظ میں جامع طور پر بیان فرمادی۔

''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو''

لہٰذا، اگر بعض کم علم اور نابلد مسلمان اور غیر اسلام مذاہب سے متعلق لوگ اسلام میں عورتوں سے متعلق احکامات کی غلط تشریح و توضیح کرتے ہوں تو یہ ان کی سراسر غلطی ہے۔ صریح غلطی ہے۔

بیجنگ پلس فائیو کانفرنس میں عورتوں کی مار پیٹ کو اسلام کی تعلیمات کہہ کر اسلام پر کیچڑ اچھالی گئی۔ لہٰذا، میں نے خصوصاً عورت پر تشدد کے حوالے سے قرآنی نقطۂ نظر کی وضاحت کرنا ضروری خیال کیا۔

عورتوں اور لڑکیوں کے خلاف تشدد عام زندگی میں ہو یا گھریلو زندگی میں، بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور یہ بھی عین حقیقت ہے کہ اس خلاف ورزی کا ارتکاب کرنے میں ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے نیز عیسائی و یہودی دنیا اور اسلامی دنیا میں عورت پر تشدد کے برتاؤ میں کوئی خاص قابل ذکر فرق نہیں ہے البتہ مسلمانوں کے عملِ کوتاہی کو اسلام کی تعلیمات کے سر نہیں تھوپا جاسکتا۔

امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کی تحقیقی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ امریکہ میں ہر سال آٹھ لاکھ خواتین زنا بالجبر کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر پندرہ سیکنڈ بعد ایک خاتون کو بے آبرو کردیا جاتا ہے۔ روس میں حکومت نے ایک رسمی اعلان میں بتایا کہ 1994ء میں پندرہ ہزار خواتین اپنے شوہروں کے پُرتشدد کردار کے نتیجے میں ہلاک ہوئیں۔ اسی طرح بھارت میں ہر سال کم جہیز لانے پر پانچ ہزار سے زائد خواتین کو قتل کردیا جاتا ہے۔ جنوبی ایشیاء میں ہر سال دس لاکھ لڑکیاں جسم فروشی پر مجبور کی جاتی ہیں۔

(سنڈے میگزین: روزنامہ ایکسپریس، 26 نومبر 2000ء)

مغربی اقدار کے شکنجے میں اپنی پناہیں ڈھونڈنے والوں کے لیے یہ حقائق ایک تازیانہ ہیں۔ نیز اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیے ہیں ان کی غلط تشریح اور معروضیت و حقیقت کو چھپانا بین الاقوامی کانفرنسوں میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ ملک کی آبادی کی تعلیمی شرح حکومت کے مطابق 33% اور غیر سرکاری

Marfat.com

ذرائع کے مطابق 20% ہے جن میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو صرف دستخط کرنا ہی جانتے ہیں۔ تعلیم شعور کی سطح بلند کرنے کا واحد ذریعہ ہرگز نہیں ہے۔ تعلیم کے ساتھ تربیت کا عنصر لازمی ہونا چاہیے۔

دین اسلام کی تعلیمات سے خود دین کے پیروکار اتنے دور ہیں کہ انہیں اسلامی ضابطۂ حیات میں بھی جھول نظر آتا ہے۔ دین کو زندگی کا رہبر ماننے سے انکار کرنے والے ہوں یا دین کے احکامات کی شکل مسخ کر کے پیش کرنے والے عناصر، دراصل جہالت ہی کی نشانی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عورت ظلم و تشدد کا شکار ہے بلکہ مرد کی حالت بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔

15۔ کسبِ معاش کا حق:۔

اگر عورت کسی تجارت میں روپیہ لگا کر یا خود محنت کر کے کچھ کمائے تو اس کی مالک بھی کلیتاً وہی ہے اور ان سب کے باوجود اس کا نان نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے۔ بیوی خواہ کتنی ہی مالدار ہو اس کا شوہر اس کے نفقہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہو گئی کہ اکثر اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

اگر چہ عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری اس کے شوہر، باپ، بھائیوں اور بیٹوں پر ہے۔ اس کے باوجود اسلام نے خواتین کو کاروبار اور پیشہ عمل اور کسب معاش کی اجازت دی ہے۔ اس لیے تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، ملازمت، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سب ہی جائز کاموں کی اجازت ہے۔

جہاں تک عورت کی ملازمت کا تعلق ہے تو اسلام کے نزدیک عورت کا زیادہ مقدس کردار یہ ہے کہ وہ ماں اور بیوی کی حیثیت سے نسل نو کی تربیت کا فریضہ سر انجام دے۔ اس قدر اہم کردار کو، جو نسلِ نو کی تعمیر کرنے والا ہو، کسی طور پر بھی ''جاہلانہ'' قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

تاہم ضرورت کے وقت اسلام عورت کی ملازمت کی مخالفت نہیں کرتا۔ خصوصاً ایسے شعبہ جات میں۔ جو اس کی فطرت سے موزونیت رکھتے ہوں، مثلاً طب، نرسنگ، معلمی و تحقیقی کام، مزید برآں کسی بھی شعبہ میں عورت کی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

16۔ تنقید اور احتساب کا حق:۔

مردوں کی طرح خواتین پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ واجب ہے۔ اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنے کے عمل میں دعوت و تبلیغ بھی شامل ہے۔ اُمت کی اصلاح کا عمل بھی اور تنقید و احتساب کی ذمہ داری بھی۔ حضرت خولہؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت اسماءؓ قرونِ اولیٰ اور

Marfat.com

دیگر اہلِ ایمان خواتین نے تنقید واحتساب کے فرض کو ہمیشہ ادا کیا۔خواتین کی جانب سے حکام اور سرکاری اہل کاروں کے احتساب کی عملی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق ایک خاتون کے ذہن میں کچھ شکوک وشبہات پیدا ہوئے تو اس نے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ سے بھرے مجمع میں جواب طلب کیا۔حضرت خولہؓ نے حضرت عمرؓ کو پند ونصائح کیں۔

17۔ عورت بحثیت ماں، کے حقوق:۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک، ادب واحترام اور اوامر میں ان کی فرمانبرداری کی تاکید کے لیے قرآن وسنت میں بے مثال احکامات دیے گئے ہیں۔سورہ بقرہ، سورہ النساء، سورہ انعام، سورہ بنی اسرائیل ،سورہ العنکبوت اور سورہ احقاف میں یہ احکامات مختلف اسالیب میں ملتے ہیں۔متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا ذکر ہے۔

''ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے۔''

سورہ لقمان کی اس آیت کے اسلوب سے واضح ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے۔

ترجمہ:''اور حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے انسان کو اپنے والدین کے حق کو پہنچانے کی تاکید کی ہے۔اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاتے ہوئے اور کمزوری پر کمزوری جھیل کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔دو سال اس کے دودھ چھٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے) اس کو نصیحت کی کہ ہمارا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ۔''

حدیث سے اس فوقیت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حسن سلوک کا یہ حق باپ کے مقابلے میں ماں کا کم سے کم تین گنا ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کے بعد سب سے زیادہ احترام وتکریم کی مستحق ماں ہے۔پھر یہ حدیث بھی بہت مشہور ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

صحیحین (بخاری ومسلم) کی مزید ایک روایت ہے کہ حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کردی۔''

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دوران حمل، وضع حمل اور رضاعت کے دوران اور بچے کی تربیت میں عورت بحثیت ماں جو خاص تکلیف اور خاص مشقت اٹھاتی ہے اور جس درد وکرب سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے۔وہ خواتین ہی کا حصہ ہے۔اس کا تصور بھی مردوں کے لیے ممکن نہیں۔اس معاملے میں

Marfat.com

عورت مرد پر فضیلت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی جسمانی ونفسیاتی ساخت میں درد وتکلیف کو جھیلنے اور برداشت کرنے کی صلاحیت وقوت مرد کے مقابلے میں زیادہ رکھی ہے۔ جذباتِ امومت کا احترام رسول خدا ﷺ کے یہاں بہت ملتا ہے پھر یہ کہ عورت ماں کے علاوہ بیوی، بیٹی، بہن ہر روپ میں، ہر حیثیت سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے لہٰذا ان تمام اعتبارات سے احترام وتکریم، فرمانبرداری اور حسنِ سلوک کے معاملے میں ماں کے حقوق باپ کے مقابلے میں تین درجے مقدم رکھے گئے ہیں۔

مسلمان عورت کے فرائض:۔

ابھی تک مسلمان خواتین کے حقوق زیرِ غور تھے تو بات طول پکڑتی رہی۔ اب فرائض کی باری ہے۔ اگر میں اختصار سے کام لوں کہ مقالہ طویل تر نہ ہو جائے تو اس کی توجیہ یوں نہ کیجئے گا کہ فرائض کا تذکرہ بھی گوارا نہیں ہے۔ ویسے بات یہ ہے کہ حقوق کا زور شور سے مطالبہ اور فرائض سے کوتاہی عام انسانی فطرت ہے۔

عورتوں کا اللہ سے عہد اوران کے فرائض:۔

آنحضرت ﷺ جن امور پر ایمان لانے والی خواتین سے بیعت لیا کرتے تھے، وہ قرآن حکیم کی سورہ ممتحنہ آیت نمبر 12 کے ترجمہ سے عیاں ہیں:

ترجمہ: اے نبی ﷺ جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی۔ چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گڑھ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اس آیت میں پانچ منفی احکام دینے کے بعد مثبت حکم صرف ایک ہی دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تمام (نیک کاموں میں) اور اوامر معروف میں نبی ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جائے گی اور یہ بڑا جامع حکم ہے یعنی تمام اوامر معروف نیک کام اس میں شامل ہیں۔ جہاں تک برائیوں کا تعلق ہے تو وہ بڑی بڑی برائیاں گِنا دی گئیں جن میں زمانۂ جاہلیت کی عورتیں مبتلا تھیں۔ ان سے باز رہنے کا عہد لے لیا گیا اور بھلائیوں کے متعلق فرمایا گیا کہ رسول اکرم ﷺ جس نیک کام کا بھی حکم دیں اس کی پیروی کرنی ہوگی۔

1۔ عورت کا فرض اپنے اہلِ خانہ کو جہنم کی آگ سے بچانا:۔

سورہ تحریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے۔''

اہلِ ایمان مردوں اور اہلِ ایمان عورتوں کا فرض ہے کہ وہ صرف اپنی ذات ہی کو، اپنے آپ ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہ کریں بلکہ ان پر لازم ہے کہ اپنے اہلِ خانہ کو بھی حدِ استطاعت ایسی تربیت دیں اور برائیوں سے بچنے کی ترغیب اور نیک کام کرنے کا حکم دیتی رہیں کہ وہ عملِ صالح کی طرف مائل ہوں اور اللہ کے پسندیدہ انسان بن سکیں۔ یعنی خواتین کا فرض ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کو بھی جہنم کی آگ سے بچائیں۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے۔ وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔''

روزمرہ کی زندگی میں خواتین کے چار اہم روپ ہیں۔ بیٹی، بہن، شریکِ حیات اور ماں۔ ان چاروں حیثیتوں میں عورت کے فرائض کا تجزیہ ہمیں جدا جدا کرنا ہوگا۔

2۔ بیٹی کے فرائض:۔

الف) ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری:۔

ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری بیٹی کا فرضِ اولین ہے والدین کی نافرمانی اور ''عقوق'' منع ہے۔

ب) خدمت:۔

والدین کی خدمت ایک سعادت ہے اور بیٹے جس طرح والدین کی خدمت دامے، درمے، سخنے کرتے ہیں، ویسے ہی خدمت بیٹیوں کا فرض بھی ہے۔

ج) حصولِ علم:۔

علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے اور کم سنی میں جب عورت بیٹی اور بہن کے روپ میں ہوتی ہے، اس کا فرض ہے کہ پورے انہماک اور توجہ سے یہ فرض ادا کرے۔

د) حیا اور عفت:۔

عورت اور لڑکی کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہ بے شرم اور بے باک نہ ہو بلکہ نظر میں حیا رکھتی ہو۔ اس لیے جنت کی نعمتوں کے درمیان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ان کے حسن و جمال کی نہیں، ان کی حیاداری اور عفت مابی کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

Marfat.com

''ہر دین کی ایک عادت، مزاج اور طرۂ امتیاز ہوا کرتا ہے اور اسلام کا طرۂ امتیاز حیا ہے۔'' نیز فرمایا: ''اور حیا ایمان کا شعبہ ہے۔''

ہ) اپنے بھائیوں اور باپ کو دین کا پابند رکھنے کی کوشش:۔

مسلمان بیٹی اور بہن کا فریضہ ہے کہ اپنے بھائی اور اپنے باپ کو فلاح کی طرف، دین کی طرف بلائے۔ بہن کا یہ کردار حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کے کردار سے عیاں ہوتا ہے۔

3۔ شریکِ حیات کے فرائض:۔

سورہ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: ''نیک بیویاں شوہر کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق اور امانتوں کی حفاظت کرتی ہیں۔''

ان ہی معنوں میں آنحضرت ﷺ بھی فرماتے ہیں:

''بہترین بیوی وہ ہے جب تو اسے دیکھے تو تیرا دل خوش ہو جائے۔ جب تو اسے کچھ کرنے کو کہے تو وہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ تیرے مال میں اور اپنے نفس میں تیرے حقوق کی حفاظت کرے۔''

I ۔ اطاعت شعاری:۔

بیوی پر سب سے پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت شعار ہو۔ گھر چھوٹے پیمانے پر ایک سلطنت کا حکم رکھتا ہے جس کا حاکم اعلیٰ شوہر ہے اور اس کی نائب بیوی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حاکمِ اعلیٰ کی اطاعت نہیں ہوگی تو سلطنت کا کاروبار درہم برہم ہو جائے گا، اس لیے بیوی کا فرض یہ ہے کہ جن معاملات پر خاندان کے اتحاد اور ترقی کا دارومدار ہے یا جن پر اس کی اپنی زندگی کی خوشی، مسرت اور سکون منحصر ہے یا ان کے بچوں کے مستقبل اور اخلاقی تربیت پر اثر پڑنے کا امکان ہے، ان میں وہ شوہر کے احکام پر عمل کرے اور اسے شکایت کا موقع نہ دے اور پوری پوری سازگاری قائم کرے۔

البتہ اگر شوہر اسے خلاف شرع کسی کام کے کرنے کا حکم دے تو وہ شوہر کا حکم نہ مانے کیونکہ خالق کے حکم کے مقابلے میں مخلوق کا حکم کوئی معنی نہیں رکھتا۔

II۔ شوہر کا عظیم حق:۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

"اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔"

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر شوہر بیوی کو حکم دیتا کہ وہ زرد پہاڑی کے پتھر کالی پہاڑی پر پہنچائے اور کالی پہاڑی کے پتھر سفید پہاڑی پر پہنچائے تو بیوی کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

یعنی اگر سجدے کا حکم کسی کے لیے دیا جا سکتا ہے تو وہ شوہر اپنے عظیم حق کی بنا پر اس بات کا مستحق ہوتا کہ اس کی بیوی اس کو سجدہ کرے لیکن اس عظیم حق کے باوجود کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ لہٰذا، عورت کو اس بات کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے باوجود شوہر کی اطاعت کی اہمیت واضح کر دی کہ اگرچہ ایک پہاڑی کے پتھر دوسری پہاڑی پر لے جانا ایک بے نتیجہ کام ہے۔ تاہم یہ تمثیل یہ عیاں کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہے کہ شوہر کے عظیم مرتبے کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ بیوی اس کے حکم کی تعمیل کرے۔ ایک صالح بیوی کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ جی جان سے شوہر کا حکم ماننے کے لیے تیار رہے۔

III۔ نافرمان بیوی کی عبادت قبول نہیں:۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"دو قسم کے آدمی وہ ہیں جن کی نمازیں ان کے سروں سے اونچی نہیں اٹھیں۔ اس غلام کی نماز، جو اپنے آقا سے فرار ہو جائے جب تک وہ لوٹ کر نہ آئے۔ اس عورت کی نماز، جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرے، جب تک وہ نافرمانی سے باز نہ آ جائے۔"

ایک موقع پر فرمایا:

"اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ کوئی عورت اس وقت تک اپنے رب کا حق ادا نہیں کر سکتی جب تک وہ شوہر کا حق ادا نہ کر لے۔"

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ:

"کوئی عورت ایمان کا مزہ نہیں پا سکتی جب تک وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔"

IV۔ حقوق کی حفاظت:۔

عورت کا دوسرا اہم فرض یہ ہے کہ وہ شوہر کی موجودگی ہی میں اس کے حقوق اور اس کے مفادات کی حفاظت نہ کرے بلکہ اس کی غیر حاضری میں بھی اس کا خیال رکھے۔ حدیث میں ہے کہ نیک بیوی وہ ہے کہ جب شوہر اس کے پاس نہ ہو تو وہ شوہر کے مال اور اپنے نفس میں شوہر کے حقوق کی حفاظت کرے۔ (بیہقی)

Marfat.com

آیت قرآنی میں ''حافظات'' کہہ کر نہایت بلیغ پیرایہ بیان اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً بیوی کا فرض ہے کہ:

1۔ فضول خرچی اور اسراف سے خود خاوند کے مال کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ خیانت اور نہ تغلب کا موقع دے۔

2۔ خاوند کے رازوں کو فاش نہ کرے بلکہ اسکے رازوں کی حفاظت کرے۔

3۔ اپنی عصمت وعفت کی محافظت کرے جو اس کا اپنا سب سے بڑا جوہر اور خاوند کی اس کے پاس سب سے بڑی امانت ہے۔

اپنی آبرو کی حفاظت اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے لیے عورت ہر ممکن احتیاط برتے اور ان تمام باتوں اور کاموں سے پوری طرح بچے جن سے اس کے دامن عصمت پر دھبہ لگنے کا کوئی بھی اندیشہ ہو۔ بیوی کے فرائض کے موضوع کی ابتدا میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے کہ اس میں بما حفظ اللہ کہہ کر یہ واضح کیا گیا، تمہارے جو حقوق شوہر کے ذمہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کر دی ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ جب شوہر تمہارے حقوق کو پورا کرنے میں دریغ نہیں کرتے تو تم بھی ان کے حقوق کا خیال رکھو۔

V۔ نیکی میں تعاون:۔

عورت کا ایک فرض یہ ہے کہ وہ خاوند کو نیکی اور خیر سے نہ روکے۔ نیک بیویوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ شوہر کے دنیاوی مفادات کی پوری پوری حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ دینی مفاد اور روحانی ترقی میں بھی مدد ومعاون ثابت ہوں۔ قرآن حکیم کی سورہ تغابن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یاد رکھو کہ بعض معاملات دینیہ میں حائل ہونے کی وجہ سے تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد میں سے بھی بعض تمہارے دشمن بن جاتے ہیں۔ پس ان سے بچے رہو۔ (اور دین کو دنیا پر قربان مت کرو) ہاں اگر تم (اپنی بیویوں اور اولاد کو ان کی غلطیوں پر) معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

''میں نے مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والی اور کوئی چیز اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔'' (بخاری۔ کتاب النکاح)

اس حدیث شریف میں بھی روحانی اور اخلاقی نقصان مراد ہے کیوں کہ عورت، خصوصاً بیوی خاندان

اور سربراہ خاندان کے ساتھ تعاون علی الخیر نہ کر کے اس کے نیک ارادوں میں روک بن کر یا اسے بُرا مشورہ دے کر اس مرد کی روحانی ترقی میں حائل ہو سکتی ہے جو یقیناً بہت بڑا نقصان ہے۔ لہٰذا، اس ضمن میں عورت پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ مرد کی دینی اور روحانی ترقی کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے بلکہ جہاں تک ہو سکے نیکی اور فلاح کے کاموں میں اس کی معاونت کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین چیزیں بہترین ذخیرہ ہیں، اگر یہ تین چیزیں کسی کو حاصل ہیں تو اسے بہترین دولت حاصل ہے اور وہ ایسا دولت مند ہے جو دونوں جہاں میں کامیاب ہے۔

1۔ اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والی زبان۔

2۔ اللہ کے شکر سے لبریز دل۔ اور

3۔ وہ صاحب ایمان بیوی جو دین کی راہ میں شوہر کی معین و مددگار ہو۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اچھی بیوی وہی ہے جو دین کی راہ میں مرد کا سہارا بنتی ہے اور اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات میں صبر و استقلال کے ساتھ مرد کا ساتھ دیتی ہے اور ہر آنے والی مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتی ہے۔

عورتوں کے دینی معاملات کے بارے میں استفسار کے لیے حضرت اسماءؓ بن یزید حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس حدیث کی رو سے خواتین کے درجِ ذیل فرائض بنتے ہیں۔

1۔ اچھی طرح خانہ داری کرنا۔

2۔ شوہر کی رضا جوئی کرنا۔

3۔ شوہر کے ساتھ سازگاری اور موافقت کرنا۔

VI۔ اچھی طرح خانہ داری کرنا:۔

اچھی طرح خانہ داری کرنا خواتین کی اہم ذمہ داری ہے۔ خانہ داری میں امورِ اخراجات میں کفایت اور سلیقہ نیز اپنے امکانات کے اندر اندر اپنے وسائل میں خوش اسلوبی سے گھر داری کرنا خواتین کا فرض ہے۔ ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کی یہی زندگی تھی کہ وہ شوہر کی خدمت اور گھر کا کام کاج اپنے

Marfat.com

ہاتھ سے کرلیا کرتیں۔ بخاری میں ایک باب کا عنوان یہی ہے۔ ''عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام کاج کرنا۔'' اور اس ضمن حضرت فاطمہؓ کی طرف اشارہ ہے کہ چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔

VII۔ شوہر کی رضا جوئی بیوی کا فرض ہے:۔

بیوی کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے قول و عمل سے ہر وقت شوہر کی رضا حاصل کرنے کی فکر کرے۔ معاشرتی زندگی کی اصلاح اور کامیابی کے لیے بھی یہ انتہائی ضروری ہے اور آخرت میں بھی اس کا عظیم اجر ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس عورت نے بھی اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

شوہر کی رضا جوئی کرنے والی عورت کو خود رسول اللہ ﷺ جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیات اپنے شوہروں کی خوشنودی کا بہت خیال رکھتی تھیں اور اپنے شوہروں سے انتہائی محبت کرتیں۔ ان کے لیے بناؤ سنگھار کرتیں اور انہیں ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے گا جو شوہر کی ناشکر گزار ہوگی۔ حالاں کہ وہ کسی وقت بھی اپنے شوہر سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔''

احسان شناسی اور شکر گزاری کا یہی تقاضہ ہے کہ عورت ہر طرح شوہر کی خدمت کرے۔ عورت کا یہ عمل جہاد کے برابر ہے۔

VIII۔ شوہروں کے ساتھ سازگاری اور موافقت رکھنا:۔

عورت کا اہم ترین فرض ہے کہ شوہر کے ساتھ مکمل افہام و تفہیم پیدا کرے۔ نظامِ خانہ داری چلائے۔ شوہر کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لیے اپنے قول و عمل سے کوشاں رہے اور گھر کے بکھیڑے کو اس خوبی اور سلیقے سے چلائے کہ مقررہ آمدنی میں صبر و شکر کے ساتھ بسر کرے۔ شوہر کے ساتھ مکمل تعاون ہو۔ موافقت اور سازگاری کی فضا ہوتا کہ دین شوہروں سے جو تقاضہ کرتا ہے یعنی جمعہ، جنازہ پڑھ سکیں، جہاد میں حصہ لے سکیں، جہاد بالزبان، جہاد بالقلم، جہاد بالسیف میں حصہ لیں۔ قیامِ حق کی

Marfat.com

جدوجہد کریں، نفاذِ شریعت کے لیے عملی جدوجہد میں حصہ لے سکیں۔ غرض کہ دین کی راہ میں شوہر کے ساتھ ہر ممکن مدد و معاونت کریں اور اس کے لیے سازگاری کرنا عورت کا فرض ہے۔

4۔ ماں کے فرائض:۔

ماں کا روپ عورت کی معراج ہے اور ماں کی حیثیت سے عورت کے فرائض اہم ترین فرائض ہیں۔

قرآن نے عورت کا دائرہ عمل گھر کی چہار دیواری تک سمیٹ دیا ہے تا کہ وہ بیرونی مکروہات سے دست کش ہو کر نسل نو کو اپنے نور تربیت سے اس قابل بنا دے کہ وہ پرچم اسلام چار دانگِ عالم میں لہرا سکیں۔ مسلمان مجاہد پیدا ہوں جو دین حق کے قیام کے لیے کوشاں رہیں۔ اولاد آدم کی پرورش، تربیت اور سچے مسلمانوں کی سیرت سازی کے لیے ماں کا کردار بہت اہم ہے۔ ماں کا فرض اتنا اہم ہے کہ دینِ اسلام (ایمان) پیش کرتا ہے، عورت اس ایمان کو سراپے میں اتارتی ہے۔ ''ماں'' اللہ کا خوف اور نبی کریم ﷺ کی محبت اور دین کی حمیت کو روح میں بساتی ہے، رگ و پے میں اتارتی ہے، بچے کے ہر تارِ نفس میں پیوست کر دیتی ہے۔

قرآن کریم الفاظ پیش کرتا ہے، ماں ان الفاظ کو صحیفہ قرطاس سے صحیفہ قلب تک منتقل کرتی ہے۔ مسجد و منبر سے جو فکر، جو طرز خیال پیش کیا جاتا ہے، عورت اس کو ایک چلتے پھرتے وجود میں متشکل کرتی ہے۔

یہ عملِ تربیت کب شروع ہوتا ہے؟ ماں کے بطن میں وجود انسانی کی بنا پڑتے ہی ابھی معصوم وجود شکمِ مادر میں تخلیق کے مختلف مراحل طے کر رہا ہوتا ہے کہ قلب و ذہنِ مادر اس پر اثر انداز ہونا شروع ہو جاتا ہے اور تعمیرِ سیرت کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے نورِ ایمان سے منور سینے سے ''شیرِ مادر'' کی شکل میں غذا ملتی ہے۔

اختتامیہ:۔

ہم بلاشبہ بہت خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس اسلامی تعلیمات کی شکل میں کئی ایسی خصوصیات موجود ہیں جن سے مغرب اور ترقی یافتہ اقوام یکسر محروم ہیں۔ آج عورت کی چیخ پکار اور مظلومیت کی داستانیں عالمی سطح پر سنی جا رہی ہیں۔ ان کی زبوں حالی ختم کرنے اور حقوق نسواں کی پامالی کے مداوے کی امیدیں کی جا رہی ہیں اور خواتین کو ان کا جائز مقام دینے اور حقوق کو پامالی سے بچانے کا فقط ایک راستہ ہے کہ عورتوں کو جو حقوق اور عورتوں کے جو فرائض اسلام اور نبی کریم ﷺ نے واضح فرما دیئے ہیں ان کا عملی نفاذ و اطلاق کر دیا جائے۔

اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم دینِ فطرت کے فیوض و برکاتِ لامحدود حاصل کریں۔ آمین

☆......☆......☆

Marfat.com

کتابیات

1۔ عورت از افتخار فریدی

2۔ عورت اور اسلامی تعلیم از مالک رام

3۔ اسلام اور تربیتِ اولاد، حصہ اول، دوم از احمد علوان، مصر

4۔ مقالاتِ اقبال

5۔ سنن ابوداؤد

6۔ مسندِ احمد

7۔ مسندِ عائشہؓ

8۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح

9۔ ضیاء القران، از پیر کرم علی شاہ

10۔ تفہیم القرآن از مودودی

11۔ مضامین قرآن از زاہد ملک

12۔ معجم المفہرس از محمد فواد عبد الباقی۔ بیروت

Marfat.com

بے لاگ احتساب
سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

تمام حمد وثنا اس ذات واحد کے لیے ہے، جو اللہ ہے، رحمٰن ورحیم ہے اور یومِ حساب کا مالک ہے۔ سورۂ فاتحہ کی جو سات آیات ہیں یہ ان میں سے تیسری آیت تک کا ترجمہ ہے اور یہ سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے، قرآن مجید فرقانِ حمید کا۔ اور اس سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کے اعلان اور اس کے رحمٰن ورحیم ہونے کے اعلان کے بعد، اللہ کے مالکِ یوم الدین ہونے کا ذکر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ احتساب اسلام کے بنیادی عقائد اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

عقیدۂ آخرت ایمان مجمل کا جز ہے اور عقیدۂ آخرت یا یومِ حساب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کا تصور اس دنیا کی زندگی میں عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ قیامت بے لاگ احتساب کا دن ہوگا۔

لہٰذا، حضرت محمد ﷺ جن کی بعثت ورسالت کے ذریعے تکمیلِ دین اور اتمام نعمت ہوا۔ ان کی تعلیمات میں بے لاگ احتساب کا تصور اور عملی مظاہرہ قدم قدم پر موجود ہے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ودین کے بنیادی عقائد احتساب، حساب وکتاب اور اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور پر مشتمل ہیں۔

الحسیب، اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور حساب لینے والی ہستی احتساب کرتی ہے۔

قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے۔

Marfat.com

ان اللہ سریع الحساب ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد پر ایمان لانا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی تمام صفاتِ عالیہ پر ایمان لانا، ایمان کا جزِ اوّل ہے اور حسیب اللہ کا صفاتی نام ہے۔ گویا احتساب ہمارے ایمان کا جز ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا۔

تو گویا رب کے سامنے جوابدہی کا تصور، رب کی عدالت میں یوم حساب اپنے اعمال کے احتساب کا تصور ہی وہ تصور ہے جو اس دنیا میں یعنی دار العمل میں انسان کے نفس کو قابو میں رکھنے اور ہوائے نفس پر قابو پانے میں موثر کردار ادا کرتا ہے۔ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے اس سے پہلے کہ اس کا باضابطہ احتساب کیا جائے۔ اسلام لوگوں میں جو ذہنی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیثِ مبارکہ اس پر واضح طور پر روشنی ڈالتی ہے۔

"اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تم سے جوابدہی کی جائے۔"

مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ نظام اسلام کا مرکزی ستون خود اپنا محاسبہ اور اجتماعی احتساب کا عمل ہے۔ احتساب کا عمل اس دنیا میں شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کا اتمام "یوم آخر"، یا "یوم الدین" کو ہوگا۔

علامہ اقبال مرحوم نے اپنی مشہور نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں اس کی نشاندہی کی ہے:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اُمت کا یہی شیوہ اور طرزِ عمل شیطان کو ہراساں کرتا ہے کہ امت کا ہر فرد انفرادی سطح پر اور اجتماعی لحاظ سے اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ پاکستان کی تاریخ کا ایک ایک لمحہ اس بات کا گواہ ہے کہ ہماری قومی تنزلی کا بنیادی سبب یہی ہے۔ ملّی امنگوں کے حصول میں ناکامی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے احتساب سے روگردانی کی ہے۔

احتساب، کلیدِ کامیابی:۔

احتساب کے عمل کو قوموں کی زندگی میں کامیابی کی کلید قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کا ایک گہرا مطالعہ اور تاریخی شعور و ادراک اس حقیقت کو اجاگر و واضح کرتا ہے کہ وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں اور استحکام و بقا پاتی ہیں جو انفرادی سطح کے ساتھ ساتھ اجتماعی اور قومی سطح پر احتساب کا عمل جاری رکھتی ہیں اور اپنے ہاں احتساب کا موثر نظام قائم رکھتی ہیں۔ بے لاگ احتساب زندہ قوموں کے یہاں ایک ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی متواتر جاری رہنے والا نظام ہوتا ہے۔

Marfat.com

ہے حقیقت اپنے دیں کی احتساب کائنات:۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ احتساب یا Accountibility ایک ایسی اصطلاح ہے جو دورِ حاضر میں وضع ہوئی۔ کیونکہ آج کل یہ اصطلاح زیادہ سننے میں آتی ہے حالانکہ حقیقت میں یہ تصور یا اس کا عملی اطلاق اتنا ہی قدیم ہے جتنا اسلام کا عملی اطلاق اور من حیث القوم ہم نے یعنی عالمِ اسلام اور اسلامی اُمّہ نے اسے جتنا نظر انداز کیا اور عملاً احتساب کے عمل کو جاری وساری نہیں رکھا لہٰذا بحثیت امت اور بحثیت پاکستانی قوم گزشتہ تقریباً تقریباً 53 برس میں اپنے قومی مقاصد اور ملی نصب العین پالینے کی جدوجہد میں ہم خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔ بلکہ ہم اپنا قومی وقار کھوتے جا رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ نے تاریخ کے مختلف ادوار میں جتنا جتنا احتساب اور بے لاگ احتساب سے منہ موڑا اتنا اتنا اس نے اپنے آپ کو تنزل اور پستی میں ڈالا اور آج ہمارا عالم یہ ہے کہ چند ہزار خانوادے امیر سے امیر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ان کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ہر قسم کے تعیّشات حاصل ہیں جب کہ لاکھوں خانوادے انتہائی غربت کا شکار ہیں اور غریب سے غریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آبادی کا 40 فیصد زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہے اور حد افلاس سے بھی پست معیار زندگی پر زندہ ہے۔ صنعتیں بند ہو رہی ہیں اور بینک دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ ملک عالمی سطح پر اعتبار کھو چکا ہے اور بے وقار ہو چکا ہے اور دنیا بھر کے ملکوں میں کرپشن اور بدعنوانی و بدمعاملگی میں ہمارا ملک دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ پوری قوم حتیٰ کہ آنے والی نسلیں تک قرضوں کے بوجھ تلے دب چکی ہیں۔ اس حد تک کہ ہر پاکستانی مرد وعورت، ہر بوڑھا اور ہر بچہ اوسطاً 15000 روپے کا مقروض ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے کہ آج قوم کے ہر فرد کا مطالبہ بلکہ اولین ترجیح احتساب ہے اور ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ مایوسیوں اور تاریکیوں کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اس رہنما اور مینارۂ نور سیرت اور اپنے ہادی و رہنما کی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کریں کہ احتساب اور بے لاگ احتساب کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے اجاگر ہو جائے۔ اپنی تمام تر باریکیوں کے ساتھ واضح ہو اور ہم اپنے آپ پر انفرادی واجتماعی سطح پر اس کا اطلاق کرنے کی کوشش کریں۔

1۔ اوّلین ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ احتساب کے عمل کو نہ صرف یہ کہ ناگزیر سمجھا جائے بلکہ سرفہرست رکھا جائے بلکہ اپنا قومی شعار بنالیا جائے۔

2۔ اسلام کے قانون احتساب کے مطابق موجودہ دور کے قوانینِ احتساب کو مرتب و مدوّن کیا جائے۔

3۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق احتساب کے عمل کا ایک باضابطہ اور موثر نظام اور طریقۂ کار مرتب کیا جائے۔

4۔ حکمرانوں اور عمالِ حکومت اور نوکر شاہی کے افراد سے متعلق عوام الناس بلاخوف و جھجک اپنی شکایات درج کرواسکیں جوان کی زیادتی یا ظلم کا شکار ہوئے ہیں اور قانون ان کو مکمل تحفظ فراہم کرے۔

5۔ کوئی فرد، خواہ کتنا ہی صاحب حیثیت یا صاحب اختیار کیوں نہ ہو، احتساب سے بالاتر نہیں ہوگا۔ ہر شخص جو کسی بھی منصب کا حامل ہے اور کسی بھی لحاظ سے بااختیار ہے اس کا احتساب کیا جانا چاہیے۔

6۔ احتساب کا عمل محدود عرصۂ وقت پر محیط نہیں ہوگا بلکہ وسیع تر بنیادوں پر مبنی ہمہ جہت احتساب ہمیشہ ہوتا رہنا چاہیے کیوں کہ:

''ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات''

اور آج اُمتِ مُسلمہ کو پاکستانی قوم کو اسی بیداری کی ضرورت ہے۔ دراصل اسلام میں معاشرتی معاملات میں عدل وانصاف، ایمان اور احتساب کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس امت پر فرض کر دیا گیا ہے اور یہ فریضہ ایک جانب اُمت کے افراد میں جراتِ سوال اور اصلاح کے امکانات پیدا کرتا ہے اور دوسری جانب احتساب کے طریقے کو پیدا کرنے اور رواج دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایک عام شہری سے لے کر اعلیٰ ترین مناصب پر فائز حتیٰ کہ سربراہِ حکومت تک کا احتساب کیا جاسکتا ہے۔

احتساب کی تعریف وتشریح:۔

مخصوص ومروّجہ معنوں میں احتساب سے مراد صاحب اختیار اور صاحب اقتدار افراد یعنی وہ تمام افراد، جو کوئی عہدہ یا منصب رکھتے ہوں (سربراہ حکومت، عمال حکومت، نوکر شاہی یعنی کسی بھی انتخاب کے ذریعے کسی عہدے یا منصب کے حامل افراد) اور ان کو ملکی وقومی وسائل وذرائع پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے دور اقتدار اور دور اختیار میں ان کو کیوں کر استعمال کیا؟ اور کیا اور کس طرح تصرف میں لائے؟ اس کا مواخذہ اور محاسبہ کرنے کا عمل احتساب کہلاتا ہے۔ جب کہ وسیع تر معنوں میں محاسبہ، مواخذہ اور احتساب ہر ہر شخص کا ہوگا۔ ہمارا ایمان ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل اور ہماری زبانوں سے نکلنے والا ایک ایک حرف ریکارڈ ہو رہا ہے اور ہمارے دائیں اور بائیں شانے پر دو فرشتے ہمہ وقت اس ذمہ داری کو سرانجام دے رہے ہیں اور دورِ جدید میں کمپیوٹر کی مائیکرو فش (Micro fish) فلوپی (Floppy) اور ڈس کٹ (Diskette) کی ایجاد نے ہم دورِ جدید کے انسانوں کو اس کا بہت واضح تصور دے کر اس ایمان کو عملی ثبوت فراہم کر دیا ہے اور ہمارا ایمان ہے، ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر برائی، جو ہم نے اس دنیا میں کی ہوگی، اس کا ذرہ ذرہ حساب دینا ہوگا اور ہم اس کی جزا یا سزا پائیں گے۔

Marfat.com

لہٰذا، اس سے قبل کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا لمحہ آئے ہم اس دنیا کی زندگی میں اپنا، اپنے عمل اور اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کا محاسبہ اور مواخذہ کرتے رہیں۔ یہ احتساب کا عمومی مفہوم ہے۔ اس ضمن میں اگر میں ایک بزرگ (جو زہاد میں سے تھے اور صوفیا میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ ان کے شاگردوں میں رہے ہیں۔ نیز امام غزالیؒ ان سے بہت متاثر تھے اور ان کی کتاب ''کتاب الوصایہؒ ہے۔) حارث بن اسعد المحاسبی کا تذکرہ کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ بزرگ احتساب فی النفس پر زور دیتے تھے لہٰذا، ''محاسبی'' کہلاتے تھے۔[1] ان کا کہنا تھا کہ ہم جو اپنا احتساب کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی دی ہوئی توفیق ہی سے کرتے ہیں۔ بعض علماء نے ان کی مخالفت کی ہے کہ احتساب اللہ کا کام ہے۔

احتساب ضمیر کی عدالت میں:۔

سب سے بڑا احتساب انسان کا اپنے ضمیر کی عدالت میں ہوتا ہے۔ گزشتہ دنوں کسی اخباری کالم میں ایک واقعہ پڑھا کہ ایک جج صاحب پر کرپشن کا الزام تھا۔ انہوں نے بہت احتیاط سے غبن کیے تھے اور کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔ ان جج صاحب پر غبن اور مالی بدعنوانی کے سلسلے میں مقدمہ چلایا گیا۔ وہ عدالت سے بری ہو کر آئے تو اطمینان کا اظہار کیا۔ ان کی بیٹی نے کہا:

''ابو دنیا کی ہر عدالت آپ کو بری کر دے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کرپٹ ہیں۔ اپنے ضمیر کی عدالت سے آپ بری نہیں ہو سکتے۔ اس جملے کا ان جج صاحب پر اتنا اثر ہوا کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے۔''

صاحبانِ مناصب امانت دار ہوتے ہیں:۔

دراصل ارباب اقتدار و ارباب اختیار کو جو مناصب اور عہدے ملتے ہیں وہ ان کے پاس امانت ہوتے ہیں اور قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔ سورہ النساء پارہ 5 آیت نمبر 58

اِنَّ اللّٰهَ یَا مُرُکُم اَن تُؤَ دُوا الاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهلِهَاۙ وَاِذَا حَکَمتم بَینَ النَّاسِ اَن تَحکُمُوا بِالعدلِؕ اِنَّ اللّٰه نِعِمَّا یَعِظُکُم بِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیعاً ۢ بَصِیرًا۝

''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کی اہلیت رکھنے والوں کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے اور خوب دیکھنے والا ہے۔''

1۔ مناصب بھی امانتیں ہوتی ہیں اور جو کسی منصب یا عہدے پر فائز کیا جائے وہ امانت دار بنایا جاتا ہے اور جو امانت دار بنایا جائے، امانت میں تصرف کا حق اسے ایک مخصوص عرصۂ وقت کے لیے تفویض کیا جاتا ہے اور جو امین یا امانت دار بنایا جائے، امانت کا حساب کتاب اسی سے لیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

ملک وقوم کے تمام پیداواری وسائل اور خزانہ و مالیات ارباب اقتدار اور ارباب اختیار کے پاس امانت ہوتے ہیں۔ مجھ سے اور آپ سے ملکی اور قومی وسائل کا حساب اور خزانے اور مالیات کا حساب نہیں لیا جاسکتا۔

2۔ دوسری جانب صاحبانِ اختیار و صاحبانِ اقتدار کو افرادِ معاشرہ کے درمیان وسائل و ذرائع کی تقسیم میں انصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

3۔ افرادِ معاشرہ اور افرادِ قوم کے مابین معاملات میں پیدا ہونے والے تنازعات میں انصاف سے فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس آیت شریفہ کی روشنی میں صاحبانِ اختیار کا احتساب درج ذیل امور میں ہوگا۔

1۔ منصب اور عہدے کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے متعلق۔

2۔ ان کے دائرہ کار کے متعلق، دائرۂ اختیار و دائرۂ کار سے آگے نہ بڑھیں۔

3۔ اختیارات کے استعمال کے متعلق، اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کریں۔

4۔ زیرِ تصرف اور زیرِ اختیار مالی وسائل کے متعلق۔

5۔ ریاست کی زمینوں کی تقسیم میں انصاف کے متعلق۔

6۔ ریاست کے پیداواری وسائل کی تقسیم میں انصاف کے متعلق۔

7۔ ملازمتوں اور روزگار کے مواقع کی تقسیم میں عدل سے متعلق۔

8۔ افرادِ معاشرہ کے مابین تنازعات کے فیصلوں میں عدل و انصاف کے متعلق۔

9۔ جانب داری اور اقرباء پروری سے متعلق۔

10۔ رشوت و سفارش سے متعلق۔

مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ نظامِ اسلام کا مرکزی ستون خود اپنا محاسبہ اور اجتماعی احتساب کا عمل ہے۔ ہم فخریہ کہتے ہیں کہ ہمارا ملک پاکستان، اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔

اسلام ہمارا دین ہے۔

جمہوریت ہمارا نظامِ حکومت ہے۔

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے جس میں سرداری اور امارت کی حرص کی جاتی ہے۔ یعنی انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواران اپنے آپ کو سرداری اور امارت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ جب کہ حکومت و امارت سے متعلق تعلیماتِ نبوی ﷺ کا جائزہ ہم پر یہ واضح کرتا ہے کہ:

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ سرداری اور امارت کی حرص کرو گے اور یہ سرداری بہترین مرضعہ (رضاعت کرنے والی یعنی دودھ پلانے والی ہے۔) اور بدترین دودھ چھڑانے والی۔ (یعنی امارت واقتدار ومناصب کا آغاز نہایت خوش نما اور دل پسند ہوتا ہے لیکن انجام برا ہوتا ہے۔ جیسا دودھ چھڑانے والی کا دودھ چھڑانا برُا معلوم ہوتا ہے۔'' (بخاری)

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ مجھ کو کسی جگہ کا عامل (حاکم) مقرر نہیں فرماتے؟'' آپ نے میرے شانے کو تھپک کر فرمایا:

''ابوذر تو کمزور ہے اور امارت وسرداری امانت ہے اور پھر یہ سرداری قیامت کے دن موجب ذلت ورسوائی کا ہے البتہ جس شخص نے حق کے ساتھ اس کو لیا اور اس حق کو امارت کے سلسلے میں، جو اس پر واجب ہے، ادا کیا اس کے لیے ذلت ورسوائی نہیں۔'' (مسلم)

کیا جمہوریت کے قیام کے لیے انتخابات کے عمل میں حصہ لینا سرداری اور امارت کی حرص نہیں ہوتی؟ بالخصوص ہمارے یہاں زیرِعمل طور طریقوں کے مطابق انتخابات میں بے دریغ روپیا خرچ کیا جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جائز ذرائع سے کمایا ہوا روپیا اس طرح بے دریغ لٹایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ روپیا اس لیے بے دریغ لٹایا جاتا ہے کہ اس کے پس پشت ایک ان کہی امید ہوتی ہے کہ اس سے کہیں زیادہ مال اپنی tenure (مدتِ اقتدار) میں بنالیں گے۔

احتساب کے تصور کی بنیاد:۔

یہ متفق علیہ حدیثِ مبارکہ فراہم کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خبردار تم میں سے ہر شخص نگہبان اور رعیّت کا رکھوالا ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال کیا جائے گا یعنی امام وخلیفہ، جو لوگوں کا نگہبان وراعی ہے، اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

حضرت معقلؓ بن یسار کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

جو حاکم مسلمانوں کی سرداری کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس حالت میں مرے کہ خائن (ظالم) ہو تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا۔ (متفق علیہ)

نیز حضرت معقلؓ بن یسار کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعیّت کی نگہبانی سپرد کرے اور وہ بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ محافظت نہ

Marfat.com

کرے، وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ جس شخص کو میری امت کے کسی کام کا والی اور متصرف مقرر کیا گیا ہو اور وہ میری اُمت پر مصیبت و مشقت ڈالے تو تو بھی اس پر مصیبت و مشقت ڈال اور جو شخص میری اُمت پر مہربانی اور نرمی کرے تو تو بھی اس پر مہربانی و نرمی کر۔''

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خدا کے نزدیک قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے خدا کے بندوں میں سے سب سے بہتر، عادل اور نرمی کرنے والا حاکم ہے اور بدترین شخص سختی کرنے والا ظالم حاکم ہے۔''

رعیّت پر آسانی اور نرمی کرنا:۔

حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو کسی کام پر مامور کر کے بھیجتے تو فرماتے:

لوگوں کو خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ، آسانی کرو، دشواری میں نہ ڈالو۔ (متفق علیہ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''اے حاکمو! تم (رعیّت پر) آسانی کرو۔ دشواری میں نہ ڈالو۔''

حضرت عمرو بن مرّہؓ کہتے ہیں، انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

''جس شخص کو خداوند تعالیٰ مسلمانوں کے کسی کام کا والی و حاکم مقرر کردے اور وہ مسلمانوں کی ضرورت سے چشم پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت سے چشم پوشی کرے گا۔''

یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے ایک آدمی مقرر کیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور ان کو پورا کرتا رہے۔

اموال میں تصّرف اور اس کا احتساب:۔

حضرت خولہ انصاریہؓ کہتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہت سے آدمی اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق تصرّف کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔'' (بخاری)

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کو اس کام کی اجرت مقرر کر دی۔ اس کے بعد اگر وہ کچھ لے یعنی سرکاری مال میں سے تنخواہ سے زیادہ لے گا تو یہ خیانت ہوگی۔'' (ابوداؤد)

Marfat.com

حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مجھ کو عامل بنا کر یمن بھیجا گیا۔ جب میں روانہ ہو گیا تو میرے پیچھے ایک آدمی کو (بلانے کے لیے) بھیجا۔ جب میں واپس ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

''تجھ کو معلوم ہے کہ میں نے تجھ کو دوبارہ کیوں بلایا ہے؟ تو میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لے (اس لیے) کہ اس طرح لینا خیانت ہے اور جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جس میں خیانت کی ہے۔ میں نے تجھ کو یہی کہنے کے لیے بلایا تھا۔ اب تو اپنے کام پر جا۔'' (ترمذی)

حضرت عدیؓ بن عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''اے لوگو! جو شخص تم میں سے کسی کام پر عامل مقرر کیا جائے اور وہ ہم سے اس کام کے حاصل (آمدنی) میں سے سوئی برابر یا اس سے زیادہ چھپائے، وہ خائن ہے اور قیامت کے دن وہ خیانت کی ہوئی چیز کو لائے گا۔''

(یہ سن کر) ایک انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اپنا کام مجھ سے واپس لے لیجیے (یعنی آپ ﷺ نے مجھ کو جو کام دیا ہے اس کو واپس لیجیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''یہ کیوں؟''

عرض کیا، میں نے آپ ﷺ سے ایسا سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اب بھی یہی کہتا ہوں کہ جس شخص کو ہم کسی کام پر عامل مقرر کر دیں وہ اس کی آمدنی کا جز، کل (یعنی تھوڑا اور بہت) سب لے آئے اور اس میں سے جس قدر دیا جائے وہ اس کو لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے۔'' (مسلم، ابوداؤد)

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی ﷺ جلد دوم صفحہ 64 پر رقم طراز ہیں۔

احتساب:۔

تمدن اسلام کے دورِ ترقی میں محکمۂ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانے پر تمام قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شراء اور معاملات کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا بلکہ خود ہی آپ ﷺ اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔

فرائضِ احتساب میں آپ ﷺ کا سب سے بڑا فرض عمّال کا محاسبہ تھا:۔

یعنی جب عمّال، زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ ﷺ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ابن اللقیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان

Marfat.com

کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟"

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ ②

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات میں احتساب نظریاتی اور عملی ہر دو لحاظ سے موجود تھا۔ لہٰذا، اس کا فیضان تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی حکام کے مظالم کے سنگ گراں سے نہ دبا۔ یہاں تک کہ اخیر زمانے میں جب صحابہ کرامؓ عمالِ حکومت کی بے اعتدالیاں دیکھتے تھے تو ان کو سخت استعجاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی تلقینات کے ذریعے ان کو روکتے تھے۔

ان محصّلین و عاملین کے تقرر میں آپ ﷺ حسبِ ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

1۔ ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس سے سرمو تجاوز جائز خیال نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔

2۔ دنیوی حکومت کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ محصّلینِ زکوٰۃ کے سامنے زکوٰۃ کے جانور پیش نہ کرتے تھے بلکہ محصّلین کو خود دوروں میں جا کر زکوٰۃ وصول کرنی پڑتی تھی۔

3۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال لینے سے خود احتراز کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کروا کے لائیں تو یہودیوں نے ان کو رشوت دینا چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:

"اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟"

4۔ اس زہد و تقدس کے ساتھ ساتھ بھی جب محصّل اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے بعد واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود ان کا محاسبہ فرماتے۔

5۔ اعمال و محصّلین کا انتخاب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی۔

6۔ اعمال کو صرف بقدرِ ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ مقدارِ ضرورت کی تصریح خود حضور ﷺ نے فرمادی تھی: ③

"جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو خائن ہوگا۔"

قانون سب کے لیے:۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے قانون کی گرفت سے صاحبانِ حیثیت اور معززین کو بالاتر قرار نہیں دیا۔

وہ مشہور واقعہ سب کو یاد ہے کہ انصار کی ایک معزز خاتون نے، جس کا نام فاطمہ تھا، چوری کی۔ مقدمہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے اس عورت کے لیے سفارش کی کہ اس کو سزا نہ دی جائے تو آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا:

''خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔''

یہ واقعہ احتساب اور اس کے نتیجے میں قانون کی گرفت کے لیے ثبوت فراہم کرتا ہے۔ انتہا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کی اس شکایت پر کہ آپ کے ہاتھ سے ایک موقع پر تکلیف پہنچی تھی، احتساب کے لیے اپنی ذات گرامی کو پیش کیا۔ صحابی نے عرض کیا، اس وقت میری پشت پر کپڑا نہ تھا۔ آپ ﷺ بھی اپنی پشت سے کپڑا ہٹا دیجیے۔ جب آپ ﷺ نے کپڑا ہٹا دیا تو شمع محمد ﷺ کے اس پروانے نے بڑھ کر مہرِ نبوت کا بوسہ لیا اور یوں گویا ہوئے، ''حضرت کہاں کا بدلہ اور کیسا بدلہ؟ مدت سے آرزو تھی کہ مہرِ نبوت کا دیدار کروں اور بوسہ لے سکوں۔ آج اللہ نے یہ سعادت عطا فرما دی۔''

احتساب کی عملی مثال دورِ خلیفۂ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیقؓ میں دیکھیے کہ وہ بیت المال میں کس حد تک تصرف کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے کہا، ''میری قوم جانتی ہے میرا کاروبار میرے اہل وعیال کے مصارف کے لیے کافی تھا۔ اب میں مسلمانوں کی خدمت میں مشغول کیا گیا ہوں۔ اس لیے ابوبکرؓ کے اہل وعیال بیت المال سے کھائیں گے اور ابوبکرؓ مسلمانوں کے لیے اس مال میں کام کرے گا۔ (بخاری)

یہ زرّیں واقعہ ہمارے ذہنوں میں زندہ اور ہمارے لیے عملی نمونہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ نے ایک مرتبہ کئی مہینوں تک پائی پائی بچا کر میٹھا پکا لیا تو انہوں نے بیت المال سے اپنے وظیفے میں اتنی ہی کمی کر دی۔

''محتسب کی خیر اونچا ہے اسی کے فیض سے:۔''

احتساب کے نفاذ کی عملی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید عالمِ اسلام کے عظیم سپہ سالار (فاتح شام) کاغذاتِ حساب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے۔ ان کا یہ طرزِ عمل خلیفۂ اوّل کے دور میں رہا تھا۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے انہیں تاکید لکھی کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہیں۔ حضرت خالدؓ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ لہٰذا، اس بنا پر انہیں بالکل معزول تو نہیں بلکہ ابوعبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد 17ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیے۔ پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ (گویا ذمہ دار مناصب والوں پر بغرضِ احتساب کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ:

''خالد نے یہ انعام اپنی طرف سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔''

حضرت خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملے میں ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا، تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ خالدؓ نے کہا مالِ غنیمت سے اور مزید فرمایا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ درہم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ (تقسیم مالِ غنیمت کے تخمینے کے اعتبار سے غالباً ان کا حصہ ساٹھ ہزار بنتا ہوگا۔) چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور بیت المال میں داخل کردیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''خالدؓ! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔''

اس واقعے سے واضح ہوتا ہے کہ بے لاگ احتساب اکابر صحابہ نے اختیار کیا اور اعلیٰ مناصب کے عظیم المرتبت سپہ سالار کے بھی اموال میں کسی اسراف تک کو بغیر محاسبہ نہیں چھوڑا اور زائد رقم بیت المال میں جمع کردی۔

عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور وہ باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کیے۔ سعد بن وقاص، فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

عمّالِ حکومت کا احتساب کیوں ضروری ہے؟

خراساں کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت 23ھ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے مدینہ میں تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدۂ فتح سنایا اور ایک پر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا ''آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔''

راست کرداری پر ثابت قدم رہنے کے لیے اپنا محاسبہ اور اپنے حکام وعمال کا احتساب کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ خدا نے جو آزادی اور حکومت دی ہے وہ قائم ودائم رہے۔

حضرت سیّدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کردیا تھا یہاں تک کہ خاص اس کے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔

حکومتِ جمہور کا اصل زیور یہ ہے کہ:

Marfat.com

1۔ سربراہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ (مثال: آنحضرت ﷺ کا غزوۂ خندق میں اور ہر موقع پر عام مسلمانوں کے شانہ بہ شانہ مساوی کردار۔)
2۔ سربراہ بھی کسی قانون سے مستثنیٰ نہ ہو (مثال: خدا کی قسم محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹے جاتے۔)
3۔ ملک کی آمدنی میں ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ (مثال: حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کا بیت المال سے وظیفہ۔)
4۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ (مثال: خلفائے راشدین)
5۔ اس کے اختیارات محدود ہوں۔ (یعنی اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز نہ کریں۔)
6۔ ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ (مثال سیدنا عمرؓ کے ملبوس کے متعلق ایک عام شہری کا سوال کہ وہ ایک چادر سے کیوں کر تیار ہوا؟)

حضرت عمرؓ کی ایک تقریر کا اقتباس ہے:

''مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اسی قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں، اگر میں دولت مند بنوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے مطابق کھانے کے لیے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بے جا طور پر نہ جمع کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بے جا طور سے صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔ ایک یہ کہ تم کو خطرہ میں نہ ڈالوں۔''

حضرت عمرؓ کے دور میں ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ:

ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

اہلِ حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ ④

یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

اثاثوں کا اعلان (Declaration of Assets):۔

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا اس کی مکمل و مفصّل فہرست

Marfat.com

تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ (5)

تاریخِ طبری صفحہ 2680 میں ہے۔تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں۔حج کے موقعے پر تمام اطراف و اکناف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر علانیہ کہتے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو، پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے۔ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا، یہ امر عمال پر گراں ہوگا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔عمرو بن العاس نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفی لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

احتساب بیورو اور محتسبِ اعلیٰ کا عہدہ:۔

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا گیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاریؓ مامور تھے یہ بزرگ اکابر صحابہ میں تھے۔جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے (6) اور موقع پر جا کر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے اور بعض اوقات تحقیقات کے لیے دوسرے شہر جاتے تھے۔مثلاً حضرت سعد بن وقاص (قادسیہ کی مہم سر کرنے والے) کی تحقیقات کے لیے کوفہ گئے اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔یہاں حضرت عمر فاروقؓ نے خود ان کا اظہار لیا۔ (7)

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لیے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔بعض اوقات ابتداًعامل کو مدینہ میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابوموسیٰ اشعری کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی۔

مواخذہ اور تادیبی کارروائیاں:۔

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً ان باتوں پر، جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود فخر ثابت ہوتا تھا، سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔اگر کسی عامل کے متعلق علم ہو جاتا کہ کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ (8)

Marfat.com

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے۔ ایک طرف سے آواز آئی: عمرؓ کیا عاملوں کے لیے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم، جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمدؓ بن مُسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ، ساتھ لے آؤ۔ محمدؓ بن مُسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھا تھا۔ اسی ہیئت اور لباس میں، محمدؓ بن مسلمہ اسے ساتھ لے کر مدینے آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر کمبل کا کرتہ پہنایا اور بکریاں چرانے کا حکم دیا۔

حضرت سعد بن وقاص نے کوفہ میں اپنے لیے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاؤ ہوگا، محمد بن مُسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور سعد بن وقاص خاموشی سے دیکھا کیئے۔

بلندو بیش قرار تنخواہیں:۔

عمال کی دیانت داری اور راست بازی قائم رکھنے کے لیے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں، یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ہمارے یہاں تو عملاً ابھی تک اس میں فقدان ہے۔ جس کے باعث رشوت، غبن اور کرپشن ہمارے ملک میں عام ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت یا مصارف زندگی نہایت ارزاں اور کرنسی کی قوت خرید بہت زیادہ تھی۔ تاہم تنخواہیں اعلیٰ قدر مراتب عموماً بلند و بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

احتساب کے متعلق جو کام ہیں، ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لیے ہر جگہ اہل کار اور افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا۔

کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا، وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا ''صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ: ''کیا تو میری شان میں یہ الفاظ کہتا ہے؟'' اس نے کہا کہ: ''ہاں ہاں تمہاری شان میں۔'' حضرت عمرؓ نے کہا ''الحمد اللہ! قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔''

Marfat.com

احتساب کی زرّین مثال:۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنو امیہ کی جانب دارانہ حکومت کے عمّال کا بے لاگ احتساب فرمایا۔ اموالِ مغصوبہ کی واپسی کے بعد انہوں نے اپنے عادلانہ نظام حکومت کی ترکیب سے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے والے عمّال کو علیحدہ کرنا چاہا اور اس سلسلے میں سب سے پہلے یزید بن مہاب کو معزول کیا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن مہلب سے دو کروڑ کی رقم کا مطالبہ کیا، یہ وہ رقم تھی جو اس نے عوام سے لے کر جمع کی تھی اور خرد برد کر لی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: ''خدا سے ڈرو اور اپنی امانت ادا کرو۔ یہ مسلمانوں کے حقوق ہیں اور میں ان کو واگزاشت نہیں کر سکتا۔'' یہ کہہ کر اس کو قید خانے میں بھیج دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وفات سے پہلے یزید بن عبدالمالک کے لیے ایک وصیت نامہ لکھا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''میں تم کو یہ لکھتا ہوں اور میں مرض سے لاغر ہو رہا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ امورِ خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہ چھپا سکوں گا۔''

ایک خلیفہ کی حفاظت میں سب سے زیادہ اہم امانت جو آتی ہے وہ بیت المال یعنی خزانہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو احتساب کا اس درجہ خیال تھا کہ وہ بیت المال سے فیض یاب ہونے میں حد درجہ احتیاط برتتے اور دیانت کے اعلیٰ ترین، معیار پر ہمیشہ قائم رہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ خلفاء کو ہر قسم کی اخلاقی نصیحتیں کرتے تھے، چناں چہ انہوں نے ایک بار عبدالمالک بن مروان کو ایک خط لکھا:

''تو ایک چرواہا ہے اور ہر چرواہے سے اس کے مویشیوں کے متعلق سوال ہوگا۔''

ایک دن ان کی بی بی فاطمہ نے کثرتِ گریہ کی وجہ پوچھی تو بولے کہ:

''میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ وسفید کی قسمت کا مالک ہوں۔ پھر میں نے بیکس، غریب محتاج، فقیر اور گم شدہ قیدی اور انہی کی طرح اور لوگوں کو یاد کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور محمد ﷺ ان کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے۔ اس لیے میرا خوف بڑھتا جاتا ہے۔'' ⑨

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا طریقہ تھا کہ بات بات پر عمّال کو ہدایتیں کرتے رہتے تھے۔ ⑩

1۔ عمّال کو سخت تاکید تھی کہ حجاج کی روش، اختیار نہ کریں۔

Marfat.com

2۔ تمام عمال کو عدل وانصاف کا سخت تاکیدی حکم تھا۔

3۔ لیکن ان کو صرف ان ہدایات پر قناعت نہ تھی بلکہ مناسب طریقوں سے وہ عمال کے طرزِ عمل کی تحقیقات بھی کرتے رہتے تھے کہ اعتدال کی راہ سے ہٹنے نہ پائیں۔

عالمِ اسلام کی تاریخ سے یہ چند مثالیں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں بے لاگ احتساب کا احساس وادراک کرنے والے اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کا نہ صرف یہ کہ صحیح فہم حاصل کیا اور اس کے اتباع اور پیروی کی عملی مثالیں قائم کر کے اس عالم کی تاریخ میں جاوداں ہو گئے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیسویں صدی کے مسلمانوں میں پھر یہ سوزِ دروں بیدار کر دے او احتساب، بے لاگ احتساب، خود احتسابی، اپنا مواخذہ ومحاسبہ اور اپنے اہلِ مناصب اور صاحبانِ اقتدار اور صاحبانِ اختیار کا احتساب ہم سیرت طیبہ ﷺ کے مطابق کرنے کی توفیق حاصل کریں۔ آمین ثم امین۔

☆......☆......☆

حواشی

1۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود

2۔ بخاری، جلد دوم۔ کتاب الاحکام

3۔ ابوداؤد، جلد دوم، باب: الرزق العمال

4۔ کتاب الخراج، صفحہ 66، امام ابویوسف

5۔ فتوح البلدان، صفحہ 219

6۔ اسد الغابہ بہ تذکرہ

7۔ تاریخِ طبری صفحہ 2606 تا 2608۔
صحیح بخاری، جلد اول، صفحہ 104

8۔ کتاب الخراج، صفحہ 66

9۔ سیرتِ عمر بن عبدالعزیز، صفحہ 189

10۔ سیرتِ عمر بن عبدالعزیز، صفحہ 191

کتابیات

1۔ مشکوٰۃ شریف
از امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری

2۔ سیرۃ النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی

3۔ اقضیۃ الرسول از محمد بن الفرج ابن الطلاع الاندلسی
ترجمہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی

4۔ سیرتِ احمد مجتبیٰ از مصباح الدین شکیل

5۔ الفاروق از شمس العماء علامہ شبلی نعمانی

6۔ نقوش۔ رسول نمبر از محمد طفیل

7۔ کلیات اقبال از علامہ محمد اقبال

8۔ سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز
مولف مولانا عبدالسلام ندوی

9۔ مدارج النبوت از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

10۔ خطباتِ محمدی ﷺ از مولانا محمد بن ابراہیم۔

Marfat.com

معاشی و معاشرتی ارتقاء میں زکواۃ و عشر کا کردار

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

زکواۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکواۃ اور حج۔ دینِ اسلام کی عمارت ان پانچ ستونوں پر استوار ہے۔ نظامِ صلوٰۃ اگر مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچے کو تشکیل دیتا ہے تو نظامِ زکواۃ اسلامی معاشرے کے معاشی و مالی ڈھانچے کی تعمیر و تشکیل کرتا ہے۔

زکواۃ کے معنی و مفہوم:۔

زکواۃ کے معنی ہیں نشو و نما پانا، بڑھنا، پاک کرنا، اور پاک ہونا وغیرہ۔ شریعت کی اصطلاح میں زکواۃ سے مراد مال کا وہ مقررہ حصہ جو مالدار صاحبِ نصاب کے لیے ایک سال کے اختتام پر اپنے مال میں سے عبادت کی نیت سے اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں دینا واجب ہے۔ زکواۃ کے شرعی مفہوم میں اس کے دو معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ مومن کا یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے مال میں سے زکواۃ ادا کر لیتا ہے تو اس سے اگرچہ بظاہر مال میں تھوڑی سی کمی واقع ہوتی ہے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ اس مال میں 'برکت' عطا فرماتا ہے یا یہ کہ جو مال اللہ کی راہ میں بطور زکواۃ دے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ 'اجرِ آخرت' کے اعتبار سے اس میں کئی گنا اضافہ فرماتا ہے۔ دوم یہ کہ زکواۃ ادا کر دینے سے دینی اور روحانی طور پر بقیہ مال بندے کے لیے حلال، طیّب اور پاک ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں مفہوم

Marfat.com

قرآن مجید کی ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں۔

1۔ (اے رسول!) ان کے مال میں سے صدقہ (زکواۃ) لیجیے تا کہ اس کے ذریعے آپ ان (اموال کو) پاک فرمادیں اور (ان میں) برکت عطا فرمادیں۔ (سورہ توبہ آیت نمبر 103)

2۔ ان کی مثال جو اپنے مالوں کو (زکواۃ وصدقات کی شکل میں) اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (زمین میں بوئے ہوئے اس) دانے کی مانند ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دو چند فرمادیتا ہے۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر 261)

3۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے یعنی ان میں برکت عطا فرماتا ہے۔
(سورہ بقرہ آیت نمبر 276)

زکواۃ کی اہمیت:۔

☆ زکواۃ اسلام کا ایک اہم رکن اور خالص مالی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر کہیں ترغیبی انداز میں اور کہیں عذاب کی وعید سناتے ہوئے زکواۃ کا حکم صلوٰۃ کے ساتھ متصلاً دیا ہے۔ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر 32 جگہ نماز قائم کرنے کے ساتھ ساتھ زکواۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے زکواۃ کی اہمیت اجاگر کرنا مقصود ہے۔

☆ زکواۃ ہر عاقل بالغ صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ اس کا منکر کافر اور تارک، فاسق اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اپنے عہدِ خلافت کے ابتدائی ایام میں منکرینِ زکواۃ کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا، یہاں تک کہ بالآخر وہ زکواۃ ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔
آپ ؓ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم میں ہر اس شخص کے خلاف جہاد کروں گا جو صلوٰۃ اور زکواۃ میں فرق کرے گا۔''

تمام صحابۂ کرام ؓ کا اس بات پر متفق ہونا اور اس سے اختلاف نہ کرنا دراصل خلیفۂ اوّل کے فیصلے پر تمام صحابہ ؓ کے 'اجماع' (Consensus) کے مترادف ہے۔

☆ قرآن نے زکواۃ کا حکم جا بجا دلکش انداز اور دلنشیں پیرائے میں دیا ہے۔ کہیں براہ راست زکواۃ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے کہیں 'انفاق فی سبیل اللہ'، کہیں 'صدقات' اور کہیں 'ایتاء' (دینا، عطا کرنا) وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اور کہیں منفی انداز اختیار کرتے ہوئے، 'اکتناز'، (مال جمع کرتے رہنا اور زکواۃ وصدقات ادا نہ کرنا) اور بخل وغیرہ کی مذمت فرما کر عذابِ آخرت کی وعید سنائی گئی ہے۔

Marfat.com

☆ انفاق، ایتاء اور صدقات وغیرہ کی اصطلاحات میں زیادہ وسعت اور جامعیت ہے۔ ان سے زکواۃ بھی مراد ہے اور اس کے علاوہ صدقاتِ نافلہ کی ترغیب بھی مقصود ہے۔

☆ زکواۃ چوں کہ اسلامی عبادت ہے اس لیے مسلمانوں ہی سے لی جائے گی اور مسلمانوں ہی پر صرف کی جائے گی۔

☆ اسلام میں زکواۃ 2ھ میں فرض ہوئی لیکن عام صدقات کا حکم اور ترغیب ابتدائے اسلام ہی سے دی جاتی رہی۔

☆ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکواۃ کا حکم کسی نہ کسی طریقے سے سابق انبیاء کرام کی شریعتوں میں دیا جاتا رہا ہے۔

قرآن کریم نے بے شمار مقامات پر اس فریضے کا ''نماز'' کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہر وہ شخص، جو سونے چاندی، مویشی اور مال تجارت کا مقدار نصاب کی حد تک مالک ہو، اس کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ سال گزرنے پر اپنی مملوکات کا ایک حصہ دوسرے ضرورت مند افراد پر صَرف کرے اور جو شخص اس فریضہ کو ادا نہ کرے اس کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو آپ ﷺ دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے۔ جس دن اس (دولت) کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، چکھو جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔'' (سورہ توبہ آیت 34،35)

حدیث شریف میں ہے کہ جن لوگوں کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ زکواۃ ادا نہ کریں ان میں سے ہر ایک کے سینہ کو داغا جائے گا حتیٰ کہ وہ پیٹھ سے پار نکل جائے گا اور جب پیٹھ کو داغا جائے گا تو وہ سینہ سے پار ہو جائے گا اور جس شخص کے پاس چوپائے ہوں او وہ زکواۃ ادا نہ کرے تو ان کو قیامت کے دن اس پر مسلط کر دیا جائے گا تا کہ سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں اور پاؤں سے روندیں۔ جب تمام چوپائے گزر جائیں گے تو پھر آگے والے پلٹ کر اسے روندنا شروع کر دیں گے اور جب تک سب کا حساب نہ ہو جائے گا، یہ عمل جاری رہے گا۔ حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ اہلِ ثروت و دولت پر زکواۃ کا علم سیکھنا فرض ہے۔

پھر اس زکواۃ کی ادائیگی کے لیے قرآن کریم نے آٹھ مصارف خود مقرر فرما دیے ہیں۔ اس طرح زکواۃ کے آٹھ مصارف مقرر فرما کر قرآن کریم نے دولت کی زیادہ سے زیادہ گردش کا دروازہ کھول دیا ہے۔ زکواۃ کے مصارف میں استحقاق کی قدر مشترک ناداری اور افلاس ہے اور اس مد میں افلاس ہی کے خاتمہ پر زور دیا گیا ہے۔ اس طریقے سے نادار اور مفلس افراد کے درمیان کس قدر وسیع پیمانے پر تقسیم دولت ممکن ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1965ء کی قومی آمدنی تقریباً پندرہ ارب تیس

Marfat.com

کروڑ روپے تھی۔زکواۃ کی ادنیٰ ترین شرح 2.50 فیصد کے حساب سے اگر قومی آمدنی کی پوری زکواۃ نکالی جائے تو کم از کم اڑتیس کروڑ پچیس لاکھ روپیا سالانہ کی خطیر رقم سرمایہ داروں کی جیب سے نکل کر غریبوں اور ناداروں کے پاس پہنچتی ہے۔اس طرح تقسیمِ دولت کی ناہمواری کتنی تیزی سے رفع ہو سکتی ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں 'اکتناز' اور 'احتکار' دونوں حرام ہیں۔چوں کہ یہی دو ذرائع ہیں جن کے باعث سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریوں کو فروغ ملتا ہے اس لیے اسلام ان دونوں کا سدِ باب کرتا ہے۔ دولت کے جمع اور ذخیرہ کی وہ تمام صورتیں، جن میں دولت کی تقسیم سے انکار کیا گیا ہو، اکتناز میں داخل ہیں۔لہٰذا اسلام کے معاشی نظام کا اعتدال اس کے مقابلے میں یہ حکم دیتا ہے کہ دولت جمع اور ذخیرے کے لیے نہیں بلکہ تقسیم اور گشت کے لیے ہے تا کہ افراد کے درمیان دولت کا توازن صحیح رہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم قانون 'زکواۃ کا' قانون' ہے اور اس لیے اس کی ادا صرف رضا کارانہ اصول پر نہیں بلکہ قانونِ فرض کی شکل پر قائم ہے اور جو لوگ اس فرض کی ادائیگی مین کوتاہی کرتے اور اپنے مال کی زکواۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے قانونی سزا کے علاوہ آخرت کے سخت عذاب سے بھی ڈرایا گیا ہے۔(سورۂ توبہ، اوپر ترجمہ موجود ہے)

زکواۃ کا ذکر قرآن عزیز میں بہت زیادہ ہے۔انسان جب خدائے برحق کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہے اس لیے ایمان میں تازگی، روح میں پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے زکواۃ کو فرض کیا گیا ہے جو درحقیقت ایمان باللہ کا عنوان اور عطائے نعمت پر شکرِ خداوندی کا مظہر ہے۔نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکواۃ مالی عبادت ہے۔ایک شخص کی بدنی عبادت کا مظاہرہ اگر خلوص وصداقت پر مبنی ہے تو مالی عبادت اس کے لیے صحیح کسوٹی ہے۔

زکواۃ کے لغوی معنی طہارت و پاکیزگی کے ہیں چونکہ یہ دولت کو نجس اور ناپاک سرمایہ داری سے بچاتی ہے۔ انسان کے دل و دماغ کو غرور و تکبر اور قارونی ذہنیت سے پاک کرتی اور اپنی محنت کی کمائی میں جماعتی حقوق کا پاک جذبہ پیدا کرتی ہے۔اس مناسبت سے اس کا نام زکواۃ ہے۔درحقیقت زکواۃ دو اصولوں پر مبنی ہے۔

1۔ مذموم سرمایہ داری سے روکنا اور غرباء کی حاجات کو پورا کرنا۔

2۔ اقتصادی فلاح کی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنا۔

اسلام نے ادائے زکواۃ کو فرض قرار دے کر درحقیقت صاحب ثروت اور نادار انسانوں کے درمیان ایسا صحیح توازن قائم کر دیا کہ اگر مسلمان بحیثیت جماعت اس فرض کو پورا کریں تو ایک جانب مذموم اور مطلق العنان سرمایہ داری کا خاتمہ ہو جائے اور دوسری جاب فاقہ مست اور خانماں برباد فقراء و مساکین کا

Marfat.com

وجود باقی نہ رہے اور دنیائے انسانی کی تمام زندگی میں ایسا اعتدال پیدا ہو جائے کہ موجودہ طبقاتی جنگ اور معاشی رقابت کے نام کی گروہ بندی مفقود ہو کر رہ جائے جیسا خلافت راشدہ خصوصاً دورِ صدیقی و فاروقی کی روشن تاریخ شاہد ہے۔

یمن کے باشندے جب نورِ اسلام کی روشنی سے منور ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے 10ھ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان پر ولی اور معلم بنا کر بھیجا اور ان کو وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تمہارا سابقہ اہلِ کتاب (یہود) سے پڑے گا۔ تم اوّل ان کو شہادت "لاالہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کی تلقین کرنا اور جب وہ قبول کریں تو پانچ وقت کی نماز کی فرضیت کی تلقین کرنا اور جب وہ اس کو بھی تسلیم کریں تب ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال پر زکواۃ بھی فرض کی ہے۔ (زکواۃ کیوں فرض ہے اور اس کی کیا حکمت و مصلحت ہے) تو ان کو بتلانا کہ اس لیے کہ ان کے اہلِ ثروت سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کر دی جائیگی۔''

یہ پُر از حکمت جملہ مبارک دراصل زکواۃ کی حقیقت کا ترجمان ہے اور جانِ حکمت بن کر اعلان کرتا ہے کہ صاحبِ ثروت و دولت کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ دولت تنہا اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اس لیے یہ خدا کا فضل ہے جس کے لیے اس کو منتخب کیا گیا ہے۔ لہٰذا، اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اس حقیقتِ حال کو کبھی فراموش نہ کرے کہ ''جو جس قدر کماتا ہے اسی قدر اس پر اجتماعی حقوق کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔'' اور جو اس حقیقت کا منکر ہو کر غرور و تکبر سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی اپنی محنت کی کمائی عطائے الٰہی نہیں بلکہ اس کی عقل و محنت کا ثمرہ ہے تو وہ خدائے برتر کی دی ہوئی نعمت کا کفران کرتا ہے۔ اس طرح تاریخ سے آنکھیں بند کر کے گویا خدا کے عذاب و عتاب کو چیلنج کرتا ہے۔

چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون کا قصہ تاریخ کی نگاہ میں کل کا واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے جب قارون جیسے سرمایہ دار (کیپٹلسٹ) کو اس کا یہی فرض (زکواۃ) یاد دلایا تو اس نے نہایت غرور و تمکنت سے اس کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''قارون، موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ پس وہ ان کے مقابلے میں اترانے اور شرارت کرنے لگا۔ بات یہ تھی کہ ہم نے اس کو دولت کے اتنے خزانے بخشے تھے کہ اس کے نقل و حمل سے طاقتور مزدور بھی تھک جاتے تھے (یا اس کی کنجیوں کے نقل و حمل سے مضبوط مزدور بھی تھک جاتے۔'') (سورہ قصص)

قارون کی قوم نے خدا کی نعمتیں یاد دلاتے اور فساد و تکبر سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے قارون

Marfat.com

سے جب یہ کہا:

''جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ شیخی نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ شیخی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تجھ کو دیا ہے اس کے ذریعے سے آخرت کا سامان کر اور اس کو نہ بھول کہ دنیا میں تجھے کیا کچھ ملا ہوا ہے اور لوگوں کے ساتھ اس طرح بھلائی کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر بھلائی کے دروازے کھول دیے ہیں اور زمین میں فساد کا خواہشمند نہ بن۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔'' (سورہ قصص)

تو قارون نے جواب دیا:

''یہ مال تو مجھ کو میرے اس ہنر کی بدولت ملا ہے جس کا میں واقف کار ہوں۔ (یعنی میری سرمایہ داری میری قابلیت وہنرمندی کا نتیجہ ہے نہ کہ خدا کا عطیہ۔ اس صورت میں دوسروں کو اس کا شریک نہیں کر سکتا۔'' (سورہ قصص)

''کیا اس کے علم میں یہ نہیں کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ ایسی کتنی ہی جماعتیں تباہ کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت والی اور سرمایہ دار تھیں۔'' (سورہ قصص)

اور جب اس نے اس عبرت وبصیرت پر بھی کان نہ دھرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے خانۂ دولت کو زندہ تہہ زمین میں دھنسا دیا۔

آخر انسان ثروت ودولت کے نشے میں اس درجہ کیوں غافل ہے اور اس حقیقت کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہے کہ اس نے اپنی عقل ومحنت سے ہی اگر دولت کمائی ہے تب بھی انسانوں کے باہمی تعاون ومواخات سے ہی کمائی ہے ورنہ تو بغیر دوسرے انسانوں کے تعاون واشتراک کے اس کو تجارت یا صنعت وحرفت وغیرہ میں کامیابی ناممکن تھی۔ پس کیا اس کا یہ فرض نہیں کہ اگر ان ہی انسانوں میں سے بعض انسان، مرض، اعضاء کی کمزوری، ضعف پیری یا دوسرے نامساعد اسباب کی بنا پر افلاس اور احتیاج تک پہنچ جائیں تو یہ ان کی مدد کرے اور اس کے مال میں ان کا حصہ محض تبرع اور احسان کے طور نہ ہو بلکہ فرض کی حیثیت میں ہو۔

زکواۃ مسلمانوں کو اقتصادی جدوجہد میں فلاح وبہبود کی راہ دکھلاتی ہے۔ اس اصول کی تشریح یہ ہے کہ جو کاہلی اور دون ہمتی کی بنا پر بیکاری کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور تھوڑی بہت پونجی رکھنے کے باوجود ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کے خوگر ہیں، یہ اجتماعی ٹیکس ان کے لیے مہمیز کا کام دے اور وہ یہ سوچیں کہ ہمارا یہ مال، جس کو قدرت نے نشوونما کی صلاحیت دی، ایسا نہ ہو کہ چند سال میں ذاتی ضروریات اور زکواۃ کی نذر ہو کر رہ جائے اور اس حدیثِ مبارکہ کے مصداق:

Marfat.com

''(دینے والے کا) بلند ہاتھ (لینے والے کے) پست ہاتھ سے بہتر ہے۔''

دوسروں کی طرح ہمیں بھی ایک روز غیر کا دست نگر نہ بننا پڑے۔ یہ سوچ کر وہ آگے بڑھیں اور ترقی ٔمال کے لیے جائز سعی کریں۔ اس طرح ہر شخص اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بن جائے یہاں تک کہ یہ اجتماعی ٹیکس ایک روز صرف ''رفاہ عام'' ہی کی ضروریات کے لیے رہ جائے اور ہر جگہ دینے والے ہاتھ ہی باقی رہ جائیں اور مانگنے والا ہاتھ ایک بھی باقی نہ رہے۔

فرضیتِ زکواۃ میں اسلام نے کن مصالح کا لحاظ رکھا ہے؟ فلسفیٔ اسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

''واضح رہے کہ زکواۃ میں دو مصلحتوں کی رعایت پیشِ نظر رکھی گئی ہے (1) تہذیب نفس (2) مدنی واجتماعی حاجات کا انسداد۔ تہذیبِ نفس سے مراد یہ ہے کہ مال، بخل، خودغرضی، جنسی عداوت، جنسی بداخلاقیاں پیدا کرتا ہے اور ان بداخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج انفاق یعنی جستہ للہ صرف مال اور سخاوت ہے اور اس سے بخل کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ خودغرضی مٹ جاتی ہے اور عداوتِ جنسی کی بجائے برادرانہ محبت پیدا ہوجاتی ہے اور یہی جنسی محبت ان تمام اخلاقِ کریمانہ کی اساس وبنیاد ہے جو انسان کو حسنِ معاملت کا خوگر بناتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ''اخلاقِ حسنہ'' کا پیکر بن جاتا ہے اور اسی کا نام تہذیبِ نفس ہے۔ اور زکواۃ مدنی واجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لیے کہ نظامِ مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط ''مالی نظام'' موجود نہ ہوتا کہ اس کے ذریعے سے مدنی نظام کے اعلیٰ وادنیٰ عمال اور رعایا ''پبلک'' کے مناسبِ حال حاجات وضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ نیز فقراء، مساکین، ضعفاء، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجت مند دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل ورسوا ہونے سے محفوظ رہیں اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترکہ ذمہ داریاں اسی طرح پوری ہوسکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہلِ سرمایہ سے وصول زکواۃ کی شکل میں حاصل ہو۔'' (از حجۃ البالغہ)

یہی وجہ ہے کہ فطرت وعقل سلیم کے تقاضے کے مطابق اسلام نے اس ٹیکس کو چار اصناف میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ اس مال سے زکواۃ لی جائے جس میں نمو اور ترقی کی استعداد ہو اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

الف۔ وہ جانور جو چراگاہوں میں اضافہ نسلما کے لیے پالے جارہے ہوں۔

ب۔ زراعت

ج۔ تجارت

2۔ اہل سرمایہ سے لی جائے یعنی (زرنقد، سونا چاندی رکھنے والے)

3۔ ان اموال سے لی جائے جو لوگوں کو بغیر محنت وتعب کے آسانی سے حاصل ہو گئے ہوں۔ مثلاً خزانے کی دریافت یا جواہر کی دریافت میں وہ اپنا مقررہ حصہ پائیں۔

4۔ اہل صنعت وحرفت کی صنعت وحرفت پر مقرر کی جائے۔

پھر اسلام نے موسمی حالات، اتفاقی حادثات، عام معاشی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے مدت معیّن کی، مقدار معیّن کی یعنی ایک سال پورا ہونا ضروری ہے تاکہ مختلف موسموں اور حوادث کے گزر جانے کے بعد جو بقدر آمدنی ہو اس پر زکواۃ لی جائے اور یہی انصاف کا تقاضہ ہے۔ نیز ضروریات وحاجات عامہ کو ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا۔ اس تفصیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے فریضہ میں مدنی واجتماعی اور اقتصادی حالات کی بہتری کا کس قدر خیال رکھا ہے بلکہ اس کی بنیاد ہی صرف دو امور پر قائم کی۔

1۔ انفرادی تہذیب نفس

2۔ اجتماعی اقتصادی فلاح و بہبود

دنیا کے تمام سچے مذاہب اگرچہ غرباء ونادار کی خدمت اور حاجت مندوں کی اعانت کی ترغیب وتعلیم دیتے ہیں لیکن یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے محض تلقین وتعلیم ہی نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک سالانہ ٹیکس کا نظام وآئین قائم کر دیا جو اس ضرورت کو پورا کرے اور اس کو اس درجہ اہم قرار دیا کہ نماز کے بعد اس کا ہی درجہ رکھا گیا ہے اور قرآن عظیم میں دونوں کو ایک ہی فہرست میں گنا کر اس کو بھی ایمان کی علامت قرار دیا۔ (سورہ نمل)

''ہدایت اور بشارت کا پیغام ہے ان کے لیے جو مومن ہیں کہ جن کے ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے اور زکواۃ ادا کرتے ہیں۔''

اس لیے مانعین ومنکرین زکواۃ کے بارے میں صحابہؓ کے عظیم الشان مجمع میں صدیق اکبرؓ نے یہ فرمایا اور جمہور صحابہؓ نے اس پر صاد کیا۔

''بخدا میں ضرور ان سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکواۃ کے درمیان فرق کر رہے ہیں یعنی نماز تو پڑھتے ہیں مگر زکواۃ دینے پر آمادہ نہیں۔''

اس بارے میں اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے فرضیت زکواۃ کی علّت کو ان صاف الفاظ میں بیان کیا۔

Marfat.com

''تا کہ یہ نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔''

یہ بھی بتایا کہ معاشی وسائل میں اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں تقسیم ہوتی رہے اور کسی ایک گروہ کی اجارہ داری میں ہو کر ہی نہ رہ جائے۔ غرض زکواۃ عام خیرات کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ایک سرکاری ٹیکس ہے جو عام دنیاوی ٹیکسوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ یعنی وہ صرف کاروبار کی آمدنی کی کمی بیشی ہی پر واجب نہیں ہوتا بلکہ اس اندوختہ پر واجب ہوتا ہے جس پر ہر سال موجودہ میں کسی آمدنی کا اضافہ تک نہ ہوا ہو بشرطیکہ اس میں نمو کی استعداد موجود ہو۔

زکواۃ کی وصولی حکومت کے نظم و انتظام کے ساتھ وابستہ ہے:

بہر حال زکواۃ اجتماعی معاشی نظام کا ایک خاص اور اہم مالی جز ہے اسی لیے اس کے وصول کرنے کا حقیقی اور اصولی طریقہ حکومت کے نظم و انتظام کے ساتھ وابستہ کیا گیا اور اس کی تحصیل کا معاملہ حکومت کے ہاتھ میں دیا گیا یعنی حکومت اپنے عمّال اور تحصیلداروں کے ذریعے اس کو وصول کرے اور بیت المال میں داخل کر کے اس کے صحیح مصارف پر خرچ کرے۔ حضرت عبداللہؓ ابن عمر کا فرمان ہے کہ:

''زکواۃ 'امراء' اور 'عمّال' کو ادا کرو۔ ایک شخص نے کہا کہ امراء خلفاء تو اس کو صحیح مصرف میں صَرف نہیں کرتے۔ آپ نے جواب دیا اس کے بعد پھر بھی ان کو ادا کرو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

''جب تک خلفاء نماز ادا کرتے رہیں تو انہی کو زکواۃ ادا کرتے رہو۔''

(ابوداؤد۔ مصنف ابن ابی شیبہ بیہقی)

ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے سعدؓ بن ابی وقاص، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ یہ حاکم جو بدعنوانیاں کر رہے ہیں، آپ کے پیشِ نظر ہیں۔ کیا اس حالت میں بھی ہم ان کو زکواۃ ادا کریں؟ سب نے متفقہ آواز سے کہا کہ ضرور ان ہی کو ادا کرو۔ (اس لیے کہ اجتماعی زندگی کے لیے بھی از بس ضروری ہے۔) (ابوداؤد مصنف ابن ابی شیبہ بیہقی)

یہ واقعہ ہے کہ افراد کی سخاوتیں اور ان کی فیاضیاں وقتی طور پر کتنی ہی بیش از بیش کیوں نہ ہوں اُمت اور قوم کے اجتماعی نظام کی تکمیل کو ہرگز ہرگز پورا نہیں کر سکتیں کیونکہ اگر سرمایہ دار اور مالدار افراد کے عطیات اور انجمنوں کے قیام و نظام سے اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو تمام سرمایہ دار ممالک میں کبھی کا حل ہو گیا ہوتا مگر حقیقت سامنے ہے کہ ان کا قومی نظام اور قومی سرمایہ امراء اور غرباء کے درمیان حائل وسیع تر فرق کو نہ مٹا سکا۔

پس اس صورتِ حال کا اگر کوئی بہترین اور صحیح علاج ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جس کو اسلام نے تجویز کیا

Marfat.com

کہ قانون کے ذریعے متمول افرادِ قوم کی پوری کمائی کا ایک معیّن حصہ کمزور اور پست افراد کی اجتماعی اور اقتصادی بہتری کے لیے مخصوص کر دیا۔ اسی کا نام زکواۃ ہے۔

عُشر:۔

''عُشر'' درحقیقت زمینی پیداوار کی ''زکواۃ'' ہے لیکن چونکہ اس پیداوار میں انسانی محنت کا دخل نسبتاً کم ہوتا ہے اس لیے اس کی شرح 2.50 فیصد کی بجائے 10 فیصد رکھی گئی ہے۔ ''عُشر'' صرف ان زمینوں کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو فقہی تفصیلات کے مطابق عشری ہوں اور اس کو زکواۃ ہی کے مصارف پر خرچ کیا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک ''عُشر'' کا کم از کم نصاب کوئی نہیں ہے بلکہ جتنی بھی پیداوار ہوگی (کم یا زیادہ) اس پر عُشر ادا کرنا ہوگا۔ بعض دیگر آئمہ کے نزدیک عُشر واجب ہونے کے لیے کم از کم مقدار پانچ وسق یعنی تقریباً 30 من ہونا ضروری ہے اس سے کم پر عُشر واجب نہیں ہوگا۔

زمین اگر بارانی ہے تو ہر فصل کے اختتام پر دس فیصد کے حساب سے عُشر وصول کیا جائے گا۔ آبی زمین کی پیداوار پر شرح عُشر پانچ فیصد سالانہ ہے۔ تاہم ان دونوں شرحوں کو اصطلاحاً عُشر ہی کہتے ہیں۔ معدنیات پر 20 فیصد ہے۔

صدقاتِ واجبہ:۔

زکواۃ کے علاوہ صدقات کی اصطلاح اس بات کا پتا دیتی ہے کہ اسلام دولت مند سے زکواۃ لینے کے بعد بھی اس کو قومی اور اجتماعی انفاق کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتا بلکہ زکواۃ کے علاوہ انفاق کے لیے دوسری راہیں کھولتا ہے اور ان کو صدقات سے تعبیر کرتا ہے۔

صدقات کی دو اقسام ہیں:

1۔ صدقاتِ نافلہ

2۔ صدقاتِ واجبہ

صدقاتِ نافلہ کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے کہ وہ حسب مرضی جس کارِ خیر میں چاہے حصہ لے۔ دوسری نوع پھر مزید دو حصوں میں منقسم ہے۔

الف۔ انفرادی یعنی کسی متمول فرد کا کسی حاجت مند کی حاجت روائی پر بذات خود خرچ کرنا مثلاً صدقہ فطر، غریب والدین کا نفقہ، غریب اولاد کا نفقہ۔ پس اگر کوئی شخص اس انفرادی انفاق میں کوتاہی کرتا ہے تو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کو اس انفاق کے لیے مجبور کرے۔

ب۔ دوسرا اجتماعی یعنی زکواۃ کی طرح قوم کی اجتماعی و اقتصادی حالت کی بہتری اور حاجت مندوں کی

Marfat.com

حاجت روائی کے لیے بذریعہ حکومت خرچ کرنا۔ مثلاً جہاد اور رفاہ عام کے اہم مواقع پر زکواۃ، عشر اور خراج کے علاوہ ارباب دولت وثروت سے حسب تقاضہ حقوق اجتماعی وصول کرنا۔

زکواۃ کے اسرار کا بیان:۔

زکواۃ کی ایک صورت اور ایک روح ہے جو کوئی اس کی روح کو نہ پہنچانے گا اس کی زکواۃ بھی بے روح ہوگی۔ زکواۃ میں تین راز ہیں۔

پہلا راز:۔

یہ کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا حکم ہے اور کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا یہ دعویٰ نہ رکھتا ہو بلکہ مسلمان اس بات کے مامور ہیں کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دوست اور عزیز نہ رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل ان کان آباءُ کم وابناءُ کم.........الایہ (التوبہ)

واضح بات ہے مال بھی آدمی کو محبوب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انسان کو آزمایا اور فرمایا کہ اگر تو میری دوستی میں سچا ہے تو اپنی اس محبوب چیز کو مجھ پر فدا کردے تاکہ میری دوستی میں تجھے اپنے درجے کی صداقت کا علم ہو جائے۔ جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے اور معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے ان کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ:۔

صدیقین کا ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب قربان کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو سو درہم میں پانچ درہم اللہ کے نام پر کیا دینا۔ ہم تو سب قربان کر دیں گے جیسے سیدنا ابوبکر صدیقؓ جنابِ رسول ﷺ کی خدمت میں سارا مال لے آئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے نصف مال ڈھیر کر دیا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا:

''دولت راحت کے لیے جمع کی جاتی ہے اور راحت اس میں ہے کہ اسے خرچ کیا جائے جمع نہ کیا جائے۔''

خواجہ فریدالدین گنج شکر کا قول ہے کہ:

''زکواۃِ شریعت یہ ہے کہ 200 روپے ہوں۔ پانچ روپے دے دے اور زکواۃِ طریقت یہ ہے کہ پانچ روپے رکھے اور 195 روپے اللہ کی راہ میں دے۔

دوسرا درجہ:۔

صالح حضرات کا ہے جنہوں نے اپنا یکمشت تو خرچ نہ کیا کہ اس کی انہیں قدرت نہ تھی لیکن اسے

Marfat.com

محفوظ رکھا اور فقراء کی حاجات کے سلسلے میں خیرات کی ممکنہ صورتوں کے منتظر رہے اور اپنے آپ کو بھی فقیروں جیسا رکھا اور فقط زکواۃ پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ جو ضرورت مندان کے پاس آیا اسے اپنے اہل وعیال کی طرح سمجھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کی۔

تیسرا درجہ:۔

ان افراد کا ہے جو 200 میں سے پانچ خرچ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے محض فرض کی ادائیگی کا خیال رکھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا اور اس کی ادائیگی کا جلد اہتمام کیا اور زکواۃ دے کر فقیروں پر احسان نہیں جتلایا۔ یہ آخری درجہ ہے اس لیے کہ جو اللہ کے دیے میں سے 200 میں سے پانچ بھی نہیں دے سکتے۔ وہ بدنصیب اللہ کی دوستی سے محروم ہیں۔

دوسرا راز بخل کی نجاست سے اپنے دل کو پاک کرنا ہے:۔

انسانی قلوب کے لیے بخل نجاست کی مانند ہے۔ قرآن نے شحِ نفس کے نام سے اسے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح ظاہری نجاست انسان کو نماز کی ادائیگی کے قابل نہیں چھوڑتی، اس طرح بخل کی نجاست دل کو قربِ الٰہی کے قابل نہیں چھوڑتی اور مال خرچ کیے بغیر آدمی کا دل بخل کی نجاست سے پاک نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے زکواۃ بخل کی ناپاکی کو دل سے دور کرتی ہے اور زکواۃ اس پانی کی مانند ہے جو قلب کی نجاست دور کرتا ہے۔

تیسرا راز شکر کی نعمت ہے:۔

اس لیے کہ مال دنیا اور آخرت میں مسلمان کی راحت کا سبب ہے تو جس طرح نماز، روزہ اور حج بدن کی نعمت کے شکر کے طور ادا کیے جاتے ہیں اسی طرح زکواۃ مال کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ جب آدمی اپنے آپ کو صاحبِ ثروت پائے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو درماندہ وعاجز دیکھ کر یہ احساس کرے کہ یہ بھی تو میری طرح خدا کا بندہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مال دے کر مستغنیٰ اور بے پروا کیا اور اسے محتاج بنایا تو مجھے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آزمائش ہو اور اگر ناداروں کی خاطر مدارات میں کوتاہی ہوئی تو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جیسا اور اسے مجھ جیسا بنادے۔

ہر ایک پر لازم ہے کہ زکواۃ کے یہ اسرار سمجھے تا کہ اس کی عبادت بے روح نہ رہ جائے۔

زکواۃ کی حکمتیں اور فوائد:۔

1۔ زکواۃ اسلام کا کم از کم مالی مطالبہ ہے۔ یہ اسلام یا اسلامی حکومت کا قانونی مطالبہ نہیں بلکہ اسلام کا

Marfat.com

ایک اہم رکن اور عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان اسے عام ٹیکسوں (یعنی انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، سیلز ٹیکس اور ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ) کی طرح بار سمجھ کر تنگ دلی اور ناگواری سے ادا نہیں کرتا۔ اس سے گریز کی جائز یا ناجائز راہیں تلاش نہیں کرتا بلکہ اس کے ادا کرنے سے وہ قلبی مسرت اور روحانی تسکین محسوس کرتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت اور بندوں کی محبت کا حقدار بنتا ہے۔

2۔ زکواۃ کے ذریعے اسلام نے ایک فلاحی معاشرے اور فلاحی ریاست Welfare State اور Welfare Society کی داغ بیل بہت پہلے ڈالی جب کہ جدید دنیا کی نام نہاد متمدن اور ترقی یافتہ اقوام نے اب کہیں جا کر بہت کشت و خون اور خرابی بسیار کے بعد فلاحی مملکت کے نظریے کو اپنایا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک جبری ٹیکس اور جذبۂ عبادتِ ربانی سے سرشار ہو کر اپنی مرضی و اختیار سے رضا کارانہ طور پر ادا کردہ زکواۃ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

3۔ مال و دولت کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اپنی حدود کے اندر یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں ہے لیکن اگر مال کی یہ محبت انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جائے تو یہ قابل مذمت بن جاتا ہے کیوں کہ:

i۔ جب انسان دولت کا پجاری بن جائے تو بندگی خدا سے عاری ہو جاتا ہے۔

ii۔ محروم انسانوں کے کرب پر تڑپنے کی بجائے انسان کی مجبوری دیکھ کر ان کا استحصال کرنے لگتا ہے۔

iii۔ زکواۃ و صدقات کا حکم دولت کے بت کے لیے ضرب کاری ہے تا کہ دولت کی محبت کو اللہ و رسول ﷺ اور اس کے بندوں کی محبت پر غالب نہ آنے دے۔

iv۔ مال کی قربانی دے کر انسان کے نفس کو ایثار و قربانی کی تربیت ملتی ہے اور وہ اللہ کی راہ میں جان کی قربانی پیش کرنے کے قابل بننے کی طرف بڑھتا ہے۔

v۔ جہاد بالمال کے بعد جہاد بالسیف کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

vi۔ زکواۃ اسلام کا کم از کم مطالبہ ہے جبکہ اعلیٰ درجے کا انفاق وہ ہے جسے فضل، احسان اور ایثار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

vii۔ زکواۃ یہ ہے کہ نادار و محروم کا دکھ کم کرے اور احسان یہ ہے کہ اپنا مال قربان کر کے دوسروں کا دکھ خود سمیٹ لے یہ انسانیت کا مرتبۂ کمال ہے۔

viii۔ زکواۃ کسی پر احسان سمجھ کر نہ دی جائے بلکہ دوسروں کا حق سمجھ کر انہیں ادا کی جائے۔

ix۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت ناداروں اور فقراء کا استحصال کرتا ہے۔ اشتراکی نظامِ معیشت محروموں

Marfat.com

اور ناداروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ صاحبِ مال کے منہ سے لقمہ اور خون کا آخری قطرہ بھی جوشِ انتقام میں چھین لیں۔

جبکہ اسلام کا نظام معیشت زکواۃ کے ذریعے یہ نظام قائم کرتا ہے کہ محروم کی ضرورت اس کے سوال کرنے سے پہلے پوری کردو اور زکواۃ کی یہ ادائیگی تمہارا احسان نہیں بلکہ ان مستحقینِ زکواۃ کا احسان ہے کہ وہ تم سے زکواۃ قبول کر کے تمہارے اموال کو پاک کروانے کا ذریعہ بنے۔ یعنی اسلام یہ بتاتا ہے کہ صاحبانِ مال کے لیے ان کا مال آزمائش ہے اور ناداروں کے لیے ان کی ناداری اور محرومی آزمائش ہے۔ اسلام کا معاشی نظام دنیا کا جامع ترین معاشی نظام ہے لیکن دنیا عقل کی راہ سے ان اصولوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی اور اتنے جامع اصول وضوابط وضع کرنے سے قاصر ہے۔

مثال کے طور پر ہمارے علماء تو یہ کہتے ہیں کہ زکواۃ واجب ہے لیکن کیوں کہ وہ زکواۃ کی معاشی اصطلاحات میں توجیہہ کرنے سے قاصر ہیں لہٰذا ہمارے یہاں زکواۃ کا ادارہ اتنا مستحکم و مفید نہیں جتنا اسے بنایا جاسکتا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ عام طور پر ہمارے یہاں جو افراد دین کے اصولوں اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جدید علم معاشیات اور اس کی سائنٹیفک موشگافیوں سے نابلد ہوتے ہیں اور ہمارے ماہرین معاشیات عموماً مذہب ودین سے بے بہرہ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اسلام کے معاشی نظام کی سائنٹیفک اصطلاحوں میں تشریح توجیہہ نہ کرسکے اور دنیا کے سامنے اسلام کے معاشی نظام کو ٹھوس شکل میں پیش نہیں کرسکے، اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اسلام کے معاشی نظام کو نافذ العمل کرنے اور قابلِ اطلاق بنانے کے لیے جدید معاشیاتی اصطلاحوں کے مطابق اس کی توضیح وتشریح کریں اور اس کے لیے جس علمی تحقیق وکاوش کی ضرورت ہے اس کے لیے جانفشانی اور خلوص دل سے کام کریں۔ آمین۔ ثم آمین

اسلامی نظامِ محصول کا مرکزی حصہ زکواۃ ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشتوں میں محصول آمدنی اور اشترا کی معیشتوں میں بکری ٹیکس نظام محاصل میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔

زکواۃ کا حکم ایک مکمل ضابطۂ حیات کے معاشی نظام کا ایک اہم ترین ادارہ ہے۔ زکواۃ مالی عبادت ہے جس طرح نماز وروزہ طبعی وجسمانی عبادات ہیں۔ زکواۃ دین کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ یہ خدا کا مطالبہ ہے۔ یہ عبادت ہے۔ فقہا کے قول کے مطابق زکواۃ عام دنیاوی محاصل سے مختلف ہے اس لیے کہ زکواۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی لانی ممکن نہیں۔ زکواۃ کی جو شرح ایک مرتبہ مقرر ومعیّن کردی گئی وہ ہمیشہ

Marfat.com

برقرار رہے گی۔ اس میں کسی تبدیلی اور کمی بیشی کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ جس طرح ہر نماز میں رکعتیں مقرر ہوتی ہیں اور ہم انہیں کم زیادہ نہیں کر سکتے اسی طرح زکواۃ کی نوعیت وشرح بھی غیر متغیر ہے۔

زکواۃ دین کا ستون ہے لہٰذا، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دیگر دنیاوی محاصل کی طرح مثلاً محصول آمدنی کی طرح کہ افراد اور کاروباری ادارے حکومت کی سخت نگرانی کے باوجود اس کی ادائیگی میں قطع وبرید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس زکواۃ کیوں کہ ایک دینی فریضہ ہے اور ایک ایسے مقتدرِ اعلیٰ کے حکم کے مطابق ادا کی جاتی ہے جو علیم وخبیر ہے، لہٰذا اس میں کسی قسم کی بددیانتی اور قطع وبرید کرنے کا امکان کہیں باقی نہیں رہتا۔

زکواۃ پر بحث کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ماہرین معاشیات کے بیان کردہ اصولِ محاصل پر اگر ہم زکواۃ کو پرکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زکواۃ معاشی لحاظ سے بہترین اور معقول ترین محصول ہے نیز یہ کہ مروّجہ محاصل میں دنیا بھر میں کوئی بھی محصول زکواۃ کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

زکواۃ ہمہ جہتی فوائد کی حامل ہے:۔

1۔ زکواۃ کے علمی وادبی معنی پاک کرنے کے ہیں۔ زکواۃ دولت کو پاک کرتی ہے اور خود پورے معاشرے کو پاک کرتی ہے۔

2۔ زکواۃ سماجی تحفظ فراہم کرتی ہے۔

3۔ زکواۃ کفالتِ عامہ کا ذریعہ ہے۔

4۔ معاشرے کے تفاوتِ آمدنی کو دور کرنے میں معاون ومفید ثابت ہوتی ہے۔

5۔ زکواۃ غیر استعمال شدہ دولت پر عائد ہوتی ہے۔ یہ Anti hoarding محصول ہے۔

6۔ زکواۃ مختتم میلان صَرف کو بڑھاتی ہے۔

7۔ زکواۃ مختتم میلان سرمایہ کاری کو بڑھاتی ہے۔

8۔ مختتم میلان صَرف میں اضافے کے باعث موثر طلب پیدا ہوگی اور مختتم میلان سرمایہ کاری میں اضافے کے باعث کل قومی پیداوار یعنی مجموعی رسد بڑھے گی۔ لہٰذا، زکواۃ ایک خودکار Stablizer ہے۔

9۔ زکواۃ کا نفوذ تجارتی چکروں کو روکتا ہے۔

آیئے اب ہم ان نکات کی توضیح وتشریح کریں۔

Marfat.com

1۔ زکواۃ دولت کو پاک کرتی ہے:۔

زکواۃ دولت کو پاک کرتی ہے اور خود پورے معاشرے کو پاک کرتی ہے۔اس لیے کہ فرد جو دولت پیدا کرتا ہے وہ محض اس کی ذاتی کوششوں کا ثمرہ نہیں ہوتا۔ پیداوار کا تفاعل نتیجہ نہیں ،انسانی و مادی عوامل کے اشتراکِ عمل کا نتیجہ ہے۔ بلکہ پورا معاشرہ تفاعلِ پیداوار میں شریک ہوتا ہے گو کہ اس کا کردار یا حصہ بہت زیادہ اور براہ راست نہیں ہوتا۔لہٰذا مرئی عناصر کے علاوہ غیر مرئی عناصر کو بھی ان کا حصہ دینا فرض ہے اور اسی طور پر اس دولت کو پاک کیا جاسکتا ہے اور یہ ادائیگی زکواۃ کے ذریعے ممکن ہے۔

2۔ زکواۃ سماجی تحفظ فراہم کرتی ہے:۔

اسلامی ریاست کے تمام شہری اس کے حقدار ہیں کہ انہیں سماجی تحفظ دیا جائے۔مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''یہ مسلمانوں کی کوآپریٹیو سوسائٹی ہے۔یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے۔ بے کاروں کا سرمایۂ اعانت ہے۔یہ مسلمانوں کو فکرِ فردا سے بالکل بے نیاز کردیتی ہے۔''

3۔ زکواۃ کفالتِ عامہ کا ذریعہ:۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ اس میں کوئی باشندہ خوراک، لباس اور مکان سے محروم نہ رہے۔ اسلامی ریاست اپنی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے زکواۃ کو کام میں لاتی ہے۔شریعت نے زکواۃ کے استعمال کی جو مدّات معیّن کی ہیں اگر ان کا جائزہ بنظرِ غائر لیا جائے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مجموعی طور پر سماجی تحفظ فراہم کرتی ہیں کیوں کہ فقراء و مساکین نے مراد وہ اشخاص ہیں ہیں جو اپنی ضرورت سے کم معاش پانے کے باعث مدد کے محتاج ہیں۔مساکین سے مراد وہ اشخاص ہیں جو کمانہ سکتے ہوں یا کمانے کے مواقع نہ پاتے ہوں۔قرآن نے کفالتِ عامہ کی اس ذمہ داری کا بار بار واضح طور پر ذکر کیا ہے۔امام یوسف اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ ''کفالتِ عامہ اسلامی ریاست کا فرض ہے جو وہ دیگر افراد کی ادا کردہ زکواۃ کی رقم سے کرے گی۔''

4۔ زکواۃ تفاوتِ آمدنی دور کرتی ہے:۔

اسلام نے زکواۃ کو تقسیم دولت میں مساوات قائم کرنے کے لیے بطور آلہ کار استعمال کیا۔ زکواۃ معاشرے کے تفاوتِ آمدنی کو دور کرنے میں معاون و مفید ثابت ہوتی ہے۔ زکواۃ کی شکل میں

Marfat.com

دولت بلند آمدنی والے افراد سے کم آمدنی رکھنے والوں گروہوں کی جانب منتقل ہوتی رہتی ہے۔ مغرب نے معاشی جدوجہد پر کبھی کوئی حدود وقیود اور احتساب نافذ نہیں کیا اس لیے معاشی دنیا میں اجارہ داریاں وجود میں آ گئیں۔ اسلام یہ مشورہ دیتا ہے کہ اجارہ داری کو نشوونما پانے نہ دیا جائے۔ معیشت کی مالیاتی و زری پالیسی بنیادی طور پر ایسی ہونی چاہیے کہ اجارہ داری کا خاتمہ کیا جا سکے۔ معاشرے سے عدم توازن کو دور کیا جائے۔ اگر تفاعلِ تقسیم دولت عادلانہ ہو تو جہاں تک شخصی تقسیم کا تعلق ہے، شخصی تقسیم کے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت شخصی تقسیم کی بنیاد پر تفاعلِ تقسیم کرتی ہے جب کہ اسلام پہلے تفاعلی تقسیم کرتا ہے اور اس کے بعد شخصی تقسیم پر آتا ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں شخصی تقسیم میں عدل قائم کرنے کے لیے اسلام (1) زکواۃ اور (2) عُشر عائد کرتا ہے۔ یعنی قومی آمدنی کا ایک چھوٹا سا حصہ جو براہ راست صرف کر لیا جاتا ہے یا اس گروہ آمدنی کو چھوڑتے ہوئے، جو ادائیگی زکواۃ کی صلاحیت و استعداد نہ رکھتا ہو، ہر صاحب نصاب یعنی تمام قومی آمدنی پر زکواۃ نافذ کی گئی ہے۔ اس طرح قومی آمدنی بلند آمدنی رکھنے والوں سے کم آمدنی رکھنے والوں گروہوں کی جانب گردش کرتی ہے اور معاشرے کے تفاوتِ آمدنی کو دور کرنے میں موثر کردار ادا کرتی ہے۔

5۔ زکواۃ ذخیرہ اندوزی کا قلع قمع کرتی ہے:۔

اسلام صَرف پر کوئی محصول عائد نہیں کرتا بلکہ بچت، منافع اور ذخیرہ اندوزی پر محصول یعنی زکواۃ عائد کرتا ہے کیونکہ دولت کا اگر صرفی یا سرمایہ کارانہ استعمال کیا جائے تو اس پر زکواۃ عائد نہیں ہوگی اور اگر فرد اپنی ملکیت و دولت کو بے کار پڑا رہنے دے گا تو 40 سال کی مدت میں وہ ملکیت و دولت زکواۃ کی شکل میں نکل جائے گی۔ اس طریقے سے زکواۃ ذخیرہ اندوزی کی ہمت شکنی کرتی ہے۔ علمی تحقیقات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگر معاشرے میں Holdings اور Hoardings موجود ہوں تو سرمایہ کاری اور صَرف دونوں کے اچھے نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا کینس (Keynes) نے Holdings اور Hoardings کی مذمت کی اور ہینسن (Hansen) نے اپنی کتاب میں لکھا:

"آج دنیا کو ایک منفی شرح سود یعنی Anti-hoarding tax کی ضرورت ہے تاکہ معیشت میں توازن پیدا کیا جا سکے۔"

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا Hoardings سے بازار میں کمی آتی ہے اور مکمل مقابلہ مجروح ہوتا

Marfat.com

ہے اس لیے وہ شخص جو Hoarding رکھتا ہے، ایک اچھا مسلمان نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ Hoardings کو ختم کرے اور بازار میں رسد کو بحال کرے۔ غرض کہ اسلام میں Hoardings معاشرتی اور معاشی ہر دو نقطۂ نگاہ سے ناپسندیدہ ہے۔ Holdingsاور Hoardings کا قلع قمع کر کے اسلام نے زکواۃ نافذ کی اور دولت کے صحیح مصارف کی ترغیب دی۔

6۔ زکواۃ سرمایہ کاری میں اضافے کا باعث:۔

ایک اسلامی معیشت میں فرد اگر اپنی ملکیت کو بے کار پڑا رہنے دے گا تو 40 سال کی مدت میں وہ ملکیت و دولت زکواۃ کی شکل میں نکل جائے گی۔ پس ضروری ہے کہ دولت کا صرفی یا سرمایہ کارانہ استعمال کیا جائے تا کہ وہ زکواۃ ہی کی شکل میں نہ نکل جائے اس طرح زکواۃ دولت کو بے کار پڑا رہنے نہیں دیتی بلکہ سرمایہ کاری پر مجبور کرتی ہے اور معیشت کے مختتم میلان سرمایہ کاری میں اضافہ کرتی ہے۔ اسے زکواۃ کا سرمایہ کاری پر اثر کہتے ہیں اور سرمایہ دار طبقہ دولت کو پیداواری استعمالات میں لگانے کو ترجیح دیتا ہے۔

7۔ زکواۃ مجموعی صَرف کو بڑھاتی ہے:۔

جس طرح زکواۃ معاشرے کے مختتم میلانِ صَرف کو بڑھاتی ہے اسی طرح ارتکازِ دولت کو ختم کرتی ہے اور یہ بلند آمدنی والے سے کم آمدنی والے گروہوں کو قوتِ خرید منتقل کرتی ہے اور جیسا ہم جانتے ہیں، کم آمدنی والے افراد کا مختتم میلانِ صَرف بلند آمدنی رکھنے والے افراد کے مقابلے میں بلندتر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب دولت امراء سے غربٓاء کی جانب زکواۃ کی شکل میں منتقل ہوتی ہے تو کم قوتِ خرید رکھنے والے افراد اسے صَرف کر لیتے ہیں اور اس طرح صَرف کی مجموعی سطح میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ زکواۃ کا صَرفی اثر کہلاتا ہے۔

اگر تقسیمِ دولت بڑی بڑی عدم مساوات کی حامل ہو تو صَرف کی ایک باقاعدہ سطح حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اسلام نے اجرتوں میں انصاف کو لازمی قرار دیا ہے بلکہ عدل سے بڑھ کر احسان کا حکم دیا۔ معاشرے میں دولت کی تقسیم کی عدم مساوات جیسے جیسے کم ہوتی جاتی ہے معاشرے کا مجموعی میلانِ صَرف بڑھ جاتا ہے۔ دوسری جانب اسلام خرچ کرنے کی ہمت افزائی کرتا ہے اور صَرف پر محصول کی چھوٹ دیتا ہے۔ خرچ کرنے کی ہمت افزائی سے مراد یہ ہے کہ معیشت میں صَرف کی سطح متواتر بڑھتی ہے۔

مغربی معاشی فکر میں کینس وہ پہلا مفکر تھا جس نے دولت کے صَرفی پہلو پر زور دیا۔ نہ صرف مغرب بلکہ اشترا کی اذہان نے بھی ''صَرف'' پر زور نہیں دیا۔ البتہ اشترا کیت نے مغرب سے آگے بڑھ کر تقسیمِ دولت پر خاص توجہ دی جب کہ اسلام نے ''صَرف کے عمل'' کو پیداواری عمل سے برتر بنا کر پیش کیا اس لیے کہ اس نے انسانی نقطۂ نگاہ اختیار کیا اور جدید مفکرین، جن میں کینس اور ہینسن گروپ اولین حیثیت رکھتا ہے، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معاشی ترقی کے لیے سرمایہ کاری میں اضافے کے ساتھ ساتھ صَرف میں اضافہ کرنا ضروری ہے۔

8۔ زکواۃ خودکار مستحکم کنندہ:۔

زکواۃ کے صَرفی وسرمایہ کارانہ اثرات بہت دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں کیوں کہ مختتم میلانِ صَرف میں اضافے کے باعث ''موثر طلب'' پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جب امراء سے غرباء کی جانب قوت خرید منتقل ہوگی تو یہ سطح صرف میں اضافہ کرے گی اور اس سے موثر طلب پیدا ہوگی۔ دوسری جانب مختتم میلان سرمایہ کاری میں اضافے کے باعث کل قومی پیداوار یعنی ''مجموعی رسد'' بڑھے گی۔ ظاہر ہے کہ سطح سرمایہ کاری میں اضافہ کل قومی پیداوار یا مجموعی رسد میں اضافے کی صورت میں منتج ہوگا۔

عام طور پر معیشتوں میں یا تو قلتِ پیداوار ہوتی ہے یا کثرتِ پیداوار۔ میرے خیال میں ان دونوں تفریطی وافراطی صورتوں کو ختم کر کے توازن قائم کرنے والا خودکار عامل زکواۃ ہے، کیوں کہ زکواۃ Under Consumption اور Over investment کی صورتوں کو پیدا ہونے سے روکتی ہے اور ایک معیشت میں مجموعی صَرف اور مجموعی سرمایہ کاری کو اس طرح متشکل کرتی ہے کہ دونوں کے مابین توازن قائم ہو جائے۔

9۔ زکواۃ تجارتی چکر روکتی ہے:۔

اہم ترین بات یہ ہے کہ ایک ایسی معیشت جہاں زکواۃ نافذ ہو وہاں تجارتی چکر رونما نہیں ہوتے کیونکہ وہ معاشرہ نہ تو زائد پیداوار اور نہ ہی پیداوار کی کمی کے مسئلے سے دوچار ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ معیشتیں ہر چند سال کے بعد گرم بازاری اور کساد بازاری سے دوچار ہوتی ہیں۔ کساد بازاری کی صورت میں بازار میں اشیاء کی مجموعی رسد ان اشیاء کے لیے پائی جانے والی موثر

طلب کے مقابلے میں یکا یک کم ہو جاتی ہے وہ اس لیے کہ پیدا کار منافع کے امکانات کا اندازہ کرنے میں زیادہ رجائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے کثیر سرمایہ، جو وہ سودی قرضے کی شکل میں حاصل کرتے ہیں، کاروبار میں لگا دیتے ہیں اور اس طرح نہ صرف کل قومی آمدنی کی ایک بڑی فی صد بلکہ معیشت میں پائی جانے والی زر کی اور زر اعتبار کی بڑی مقدار سرمایہ کاری میں لگا دی جاتی ہے۔ جس سے افراد معاشرہ کی قوت خرید میں کمی واقع ہوتی ہے جو موثر طلب میں کمی کا باعث ہوتی ہے۔ لہٰذا، بازار میں غیر فروخت شدہ رسد کے انبار لگ جاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال کارخانوں میں تالا بندی کی صورت میں منتج ہوتی ہے جس سے بے روزگاری بڑھتی ہے۔ اشیاء کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں۔ چلتے ہوئے کارخانے اپنی پیداوار کے پیمانے کو گھٹاتے ہیں۔ بے روزگاری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کساد بازاری مزید رونما ہوتی ہے۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد آہستہ آہستہ یہ بحرانی کیفیت بحالی کی طرف مائل ہوتی ہے اور پھر معیشت اپنے معمول پر کام کرنے لگتی ہے اور گرم بازاری کا دور آ جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت ترقیات کے بلند مراحل طے کرنے کے باوجود تجارتی ادوار کا کوئی موثر اور دیرپا حل تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے۔

اب آیئے ایک ایسی معیشت کی طرف جہاں زکواۃ نافذ کی جائے۔ ایک ایسی معیشت میں مجموعی رسد اور موثر طلب کے مابین زکواۃ کس طرح خودکار طور پر توازن قائم کرتی ہے، یہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا، اسلامی معیشت میں پیدا کار منافع کے امکانات کے بارے میں رجائی ہو جانے کے باعث اگرچہ کثیر سرمایہ، جو وہ بلاسود حاصل کرتے ہیں، کاروبار میں لگا دیتے ہیں لیکن زکواۃ کے نفوذ کے باعث اس معیشت میں افراد کے پاس قوتِ خرید موجود رہتی ہے۔ لہٰذا، ان کی موثر طلب میں کمی نہیں آنے پاتی اور اگر کثیر سرمایہ کاری کے باعث ان کی مجموعی رسد ان کی موثر طلب سے بڑھ بھی جائے یعنی اگر تجارتی چکر شروع بھی ہو جائے اور معیشت میں کساد بازاری کے آثار پیدا ہوں تو بھی سرمایہ دار طبقہ پر زکواۃ واجب رہے گی۔ لہٰذا، معیشت میں ذخیرہ اندوزی کا قلع قمع ہو جائے گا۔ جس سے زر کی ایک بڑی مقدار گردش میں آئے گی جو کساد بازاری کو سریع ہونے سے روک دے گی۔ لہٰذا، ثابت ہوا کہ ایک ایسی معیشت، جہاں زکواۃ نافذ ہو، اوّل تو وہاں تجارتی چکر رونما ہی نہیں ہوتے اور اگر بالفرض ان کا آغاز ہو بھی ہو جائے تو وہ شدت اور سرعت اختیار نہیں کرتے۔

اختتامیہ:۔

لیکن کسی معیشت میں محض زکواۃ کے ادارے کے قیام اور استحکام سے ان نتائج کو حاصل کرنا ممکن نہیں

Marfat.com

بلکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، ایک ایسی معیشت، جو زکواۃ وصدقات کا حکم دیتی ہے، لازماً سود اور تخمینی کاروبار کو حرام قرار دیتی ہے۔ اسلام شرح سود اور تخمینی کاروبار کو یکسر ختم کردینے پر زور دیتا ہے۔ لہٰذا، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کے معاشی نظام کے مکمل نفاذ کی کوشش کریں اور اسلامی معیشت کے تمام اصولوں کو عملاً نافذ کریں تو انشاء اللہ ہم اپنے ملک پاکستان میں معاشی ومعاشرتی ارتقا میں زکواۃ وعُشر کے کردار (تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں) کو عملاً دیکھ سکیں گے اور اس کے فیضان سے بہرہ مند ہوں گے۔ اللہ ہماری زندگیوں میں وہ دن ضرور لائے کہ ہم نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے عملی نفاذ سے بہرہ مند ہوں۔ آمین ثم آمین۔

☆......☆......☆

کتابیات

1۔ معجم المفہرس القرآن از محمد فواد عبدالباقی

2۔ حجۃ البالغہ از شاہ ولی اللہ محمد دہلویؒ

3۔ اسلام کا اقتصادی نظام از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

4۔ کیمیائے سعادت از امام غزالی

5۔ اسلامی معاشیات از علامہ مناظر احسن گیلانی

6۔ اسلامیات لازمی از پروفیسر مولانا منیب الرحمٰن

7۔ فوائد الفواد

8۔ ملفوظات حضرت فرید الدین گنج شکر

يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○

ترجمہ: اللہ تمہارے اعمال کو درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ بلاشبہ اپنی مراد کو پہنچ جا

(سورہ الاحزاب، آیت 71

الفوز العظیم

(جلد دوم)

مقالاتِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

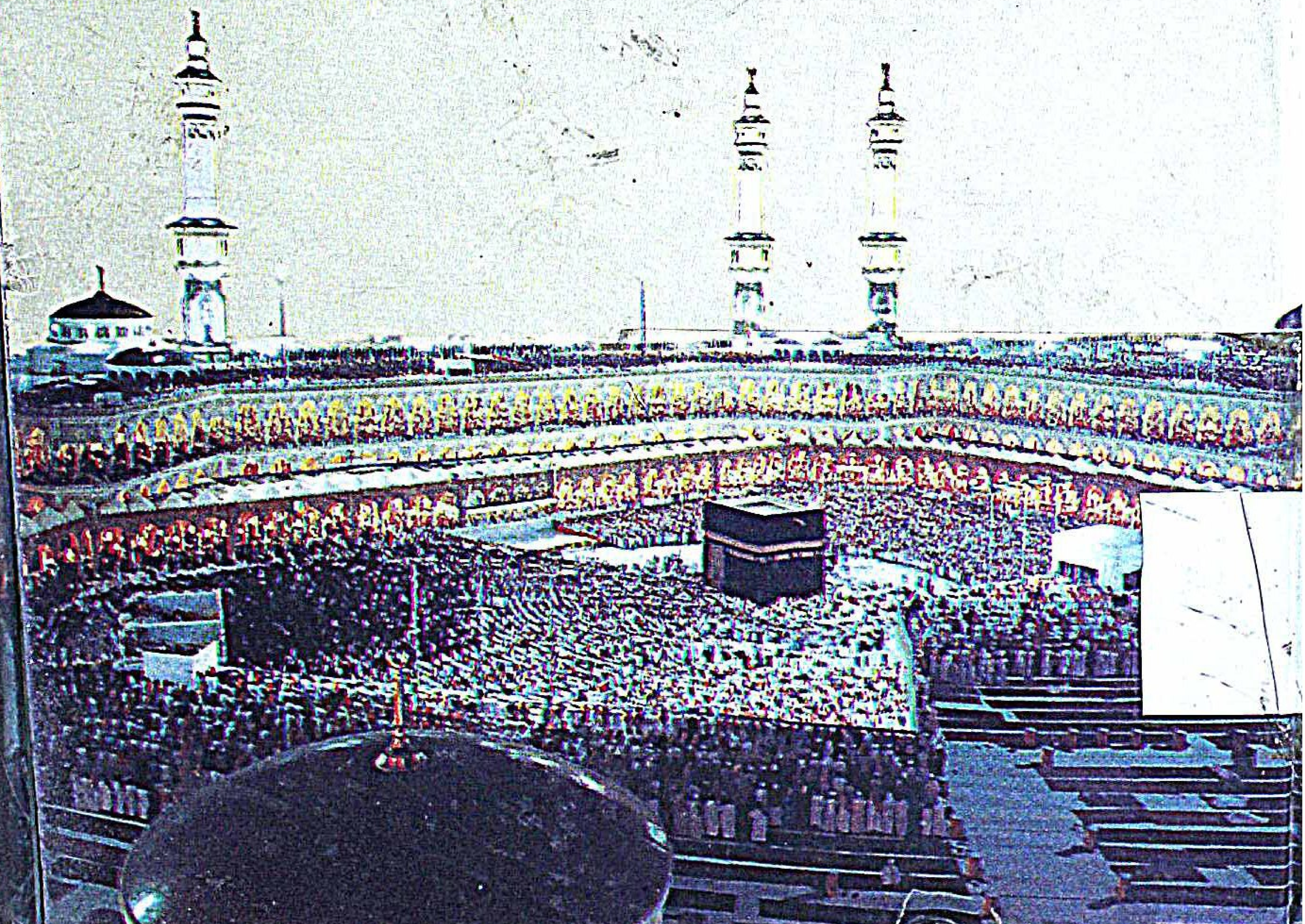

Marfat.com